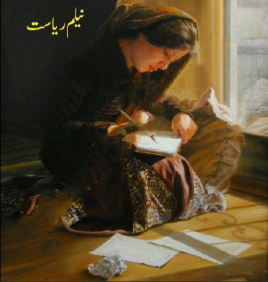
اِک لفظِ محبت

نیلم ریاست



ناول   نیلم ریاست

اِک لفظِ محبت

''آپ نے مجھے یہاں کیوں بلوایا ہے؟''

''مجھے تمہاری مدد کی ضرورت ہے۔''

''مجھے یہ فیلڈ چھوڑے کافی عرصہ ہو گیا ہے۔''

''شیر اگر شکار چھوڑ دے۔تب بھی وہ شیر ہی رہتا ہے۔جو جب مرضی پہ آئے۔واپس شکار کو نکل کھڑا ہو۔''

ایک نوجوان اور ادھیڑ عمر مرد رستورانٹ میں آمنے سامنے کرسیوں پہ موجود تھے۔نوجوان نے سامنے والے کی بات پر سوالیہ نظروں سے اُسکو دیکھا۔

''کس سلسلے میں مدد درکار ہے؟۔۔۔''

''معاملہ انتہائی سنجیدہ ہے۔جسے ہر حال میں پوشیدہ رکھنا ضروری ہے۔میڈیا میں خبر نہیں جانی چاہیے۔تمہارے ادارے کے لوگوں کو بھی کان و کان خبر نہ ہو پائے۔اس مشن کو پورا کرنے میں چاہے تمہارا باپ ہی کیوں نہ سامنے آجائے تم اُسے بھی انجام تک پہنچاؤ گے۔اگر ان سب شقوں پر متفق ہو تو ہم کانٹریکٹ سائن کر لیتے ہیں۔''

"یہ بات میرے اصول کے خلاف ہے۔ میں کبھی بھی ساری تفصیل سے آگاہ ہوئے بغیر کیس سائن نہیں کرتا ہوں۔"

"اگر تم میرے اور اپنے درمیان ہونے والی گفتگو کو کسی اور کے سامنے نہ کھولنے کا وعدہ کرتے ہو۔ تو میں تمہیں کیس بتانے کو تیار ہوں۔"

"محترم اگر آپکو مجھ پہ اتنا بھی اعتبار نہیں تھا۔ تو میرا اور اپنا وقت کیوں ضائع کر رہے ہیں۔"

"میں نے تمہارا ماضی کا سارا ریکارڈ پڑھا ہے۔ تمہارے آفیسر بھی تمہاری بڑی تعریف کرتے ہیں۔ اس لیے میں نے تم سے رابطہ کیا تھا۔"

"میرے بارے میں اگر اتنی چھان بین کی ہے۔ تو ایک بات جان ہی گئے ہونگے۔ میں اپنے کام کے لیے منہ مانگی رقم لیتا ہوں۔ جسکی وجہ یہ ہے۔ میں اپنے کام سے غداری نہیں کرتا ہوں۔"

"تمہاری ڈیمانڈ سے بڑھ کر انعام دونگا۔ اگر تم واقعی یہ کام کر گئے۔ میں تمہیں اتنی دولت دے دونگا کہ تمہاری آنے والی نسلیں یاد کریں گی۔"

"میں بخشش نہیں لیتا ہوں۔ اپنی محنت کا پھل لینا پسند کرتا ہوں۔"

اُس کے سرد لہجے میں کہنے پر دوسرے آدمی نے اپنے بریف کیس سے ایک فائل نکال کر میز پر رکھی اور پھر اُسکی جانب دھکیل دی۔

"جس کو ڈھونڈنا ہے۔ اُسکی تصویر اسی فائل میں موجود ہے۔ کہاں پایا جا سکتا ہے۔ اُس کے لنک بھی فائل میں موجود ہیں۔ یہ ایک بہت مشہور فیملی کی عزت کا سوال ہے۔ کسی بھی طور پر میڈیا ٹرائل نہیں ہونا چاہیے۔"

وہ آدمی بول رہا تھا۔ جبکہ وہ فائل کھول کر ہر چیز کا جائزہ لے رہا تھا۔ پہلے پیشانی پہ شکنوں کا جال آیا۔ پھر سنجیدگی اور سرد مہری چھا گئی۔

"میں نے یہ کیس تمہیں اس لیے دیا ہے۔ کیونکہ تم پہلے بھی اس قسم کے کیس دیکھ چکے ہو۔"

"مگر وہ اتنے خطرناک نہیں تھے۔ یہاں تو بہت سی زندگیوں کا سوال ہے۔"

"اسی لیے تو تمہارا انتخاب کیا ہے۔"

"یہ کیس مجھے ملا ہے۔آپ کے علاوہ اس بات سے اور کون واقف ہے؟۔"

"تمہارا پرانا باس یا دوست جو بھی ہے۔اُسی نے مجھے تمہارا بتایا ہے۔"

"اگر مجھے کہیں اُنکے اختیارات کا استعمال کرنا پڑا تو کیا وہ میری مدد کر سکیں گے؟۔"

"چیف احسان اللہ میرا قریبی دوست ہے۔تمہیں جہاں کہیں ضرورت پڑی وہ حاضر ہوگا۔"

"آپ ایڈوانس میرے اکاؤنٹ میں ٹرانسفر کروا دیں۔جیسے ہی مجھے رقم مل گئی۔میں کام شروع کر دونگا۔ اللہ حافظ۔"

وہ اپنی جگہ سے اُٹھا۔فائل بازو میں دبائی اور وہاں سے نکل گیا۔

☆......☆......☆

اُٹھتے ہی اُسکی نظر فون کی چمکتی سکرین پر پڑی۔دل نے بیٹ مس کی۔اس وقت صرف ایک ہی شخص کا میسج آ سکتا تھا۔جو اُسکی ہر منت سماجت کے باوجود کسی طرح کی پابندی نہیں مانتا تھا۔تاشفہ صرف ایک مخصوص وقت میں اُس کے ساتھ بات کرنا چاہتی تھی۔مگر وہ اُسکی بات کبھی نہیں مانتا تھا۔جس پر اُسکو غصہ بھی آتا۔مگر پھر بھی وہ اُسے جھٹلا نہیں سکتی تھی۔

ابھی بھی اپنی جگہ اُٹھ کر بیٹھی بکھرے ہوئے بالوں کو ہاتھ سے سیدھا کیا۔دوپٹہ کندھے پر پھیلا کر فون ہاتھ میں لیا۔لاک کا پن ٹائپ اِن کرنے کے بعد واٹس ایپ کھولا۔اس وقت بھی اُسکو اپنے پیٹ میں تتلیاں اُڑتی محسوس ہو رہی تھیں۔جب بھی وہ اُس کے ساتھ بات کرتی ایسا ہی ہوتا تھا۔

میسج کو آئے پانچ منٹ گزر چکے تھے۔

"میں تم سے ملنا چاہتا ہوں۔"

"مجھے کوئی دلیل دیکر قائل کرنے کی کوشش نہ کرنا۔مجھے صرف تمہیں دیکھنا ہے۔"

اُسکی ہتھیلی میں پسینہ آ گیا۔

آج سے پہلے دوسری جانب سے ملنے کا مطالبہ نہیں ہوا تھا۔اُس نے اپنی سیٹنگ میں لاسٹ سین کا آپشن بند کر رکھا تھا۔اس لیے وہ نہ جان پائی کب آف لائن ہوا ہوگا۔مگر پھر بھی جلدی سے اپنا جواب لکھ بھیجا۔

"آپ جو چاہ رہے ہیں۔ وہ ممکن نہیں ہے۔"

ابھی ایپ بند کر کے فون رکھا بھی نہیں تھا۔ دوسری جانب سے جواب مل گیا۔ ناچار اُسکو دوبارہ سے فون کو کھولنا پڑا۔

"مجھے ناممکن لفظ سے شدید نفرت ہے۔"

"آپکو محبت کس سے ہے۔"

"صرف تم سے۔۔۔"

تاشفہ نے فون کو بستر پہ پھینک دیا۔ ایسا لگا جیسے سامنے بیٹھ کر کہہ رہا ہو۔ سکرین اب بھی روشن ہی تھی۔ اگلا میسج آیا۔

"فون بند مت کرنا۔ کم از کم جب تک میرے سوال کا جواب نہ دے دو۔"

گہرا سانس لیتے ہوئے اُس نے فون واپس اُٹھایا۔

"مجھے نماز پڑھنی ہے۔ پھر بات ہو گی۔"

"مجھے ناراض کر کے اللہ کو کیسے مناؤ گی؟۔"

"آپ سدا کے ناراض ہیں۔"

"تم نے کبھی منانے کی کوشش جو نہیں کی۔ ایک دفعہ آزما ہی لو۔"

"مجھے کسی کی آزمائش مطلوب نہیں ہے۔"

"ڈرتی کس سے ہو؟۔"

"اپنے آپ سے۔۔۔"

"آج تک تم نے مجھے اپنی ایک تصویر نہیں بھیجی۔ اب میں تمہیں روبرو دیکھنا چاہتا ہوں۔"

"اگر میں پسند نہ آئی تو؟۔"

"ایسا کوئی اگر میری زندگی میں نہیں ہے۔"

"لوگ بدل جاتے ہیں۔"

''ہاں بدلتے ہیں۔انسان ہی کیا ساری کائنات ہی مسلسل ارتقا کا شکار ہے۔کوئی چیز' حیوان انسان سدا ایک سے نہیں رہ سکتے۔''

''میں نے یہ بات سنجیدگی سے کی تھی۔''

''مذاق تو میں نے بھی نہیں کیا۔جب میں پیدا ہوا تھا۔چند سینٹی میٹر میرا قد تھا۔اور صرف چار کلو وزن تھا۔ آج میں چھ فٹ ایک انچ لمبا ہوں۔اسی کلو میرا وزن ہے۔جب تم مجھے ملیں تھیں۔میں نے تعلیم بھی مکمل نہیں کی تھی۔اس گزرے وقت میں ایک سٹوڈنٹ سے ترقی کرکے بزنس مین بنا ہوں۔اسلیے جب ویسا نہیں رہا جیسا تھا۔تو تم پر بھی تو وقت نے اثر چھوڑا ہوگا۔میں وہی دیکھنے کے لیے بے قرار ہوں۔''

وہ پھر سے بات کو کسی اور سمت لے جا رہا تھا۔وہ جلدی سے لکھنے لگی۔

''مجھے نماز پڑھنی ہے۔''

''میرے لیے ایک دُعا کرو گی؟۔''

''جی۔۔۔''

''جو میرا نصیب ہے۔وہ مجھے جلد مل جائے۔''

تاشفہ نے سمائل آئی کان بھیج دیا۔

''تم نے تو آمین تک نہیں کہا۔مجھے نہ جانے کیوں یقین ہے۔تم دُعا بھی نہیں کرو گی۔''

''انسان کا نصیب صرف اُسی کے پاس آتا ہے۔بس کامل ایمان ہونا چاہیے۔جس پر پیچھے سے جس انسان کے نام کی چٹ لگ کر آئی ہو۔وہ اُسی کو ہی ملتا ہے۔آپکو تو مل چکا ہے۔پھر یقین کیوں نہیں آتا۔''

''یقین اس لیے نہیں آتا۔کیونکہ ابھی تک میں نے اُسکو نہ قریب سے دیکھا ہے۔نہ محسوس کیا ہے۔''

''اللہ حافظ وڈی اماں اُٹھ گئی ہیں۔''

''تمہیں اللہ پوچھے گا تاشفہ بیگم بول لو جتنے جھوٹ بول سکتی ہو۔۔۔''

اُسکے چہرے پہ مُسکراہٹ دوڑ گئی۔فون اُسی وقت واپس لاک کرکے باہر نکل آئی۔

☆......☆......☆

''ستیاناس ہوگیا ہے۔۔۔''

اماں وڈی کی دھاڑ پہ اُس نے سہم کر اُنکی جانب دیکھا۔ جو خطرناک تیور لئے اُس کے پیچھے کھڑی تھیں۔

''کیا ہوا اماں وڈی۔۔۔''

''ہائے معصوم تم مجھ سے پوچھتی ہے۔ کیا ہوا؟۔ کیا تو بھول بھی گئی ہے۔ ہیں نی پہلے مجھے یہ بتا آخر کب سے تو اتنی بھلکو ہوگئی ہے۔''

''اماں وڈی قسم لے لیں جو مجھے کچھ اندازہ ہو آپ کس بات پہ ناراض ہو رہی ہیں۔''

''یہ مجھے میری جتی پکڑا ذرا میں ماروں۔ شائد پھر تجھے کچھ یاد آجائے۔ میں نے کل رات فون سنتے ساتھ ہی تجھے بتایا تھا۔ آج میرا پتر آرہا ہے۔ سونے سے پہلے میرے کپڑے لتے تیار کر کے رکھ دینا۔ مجھے نوازش علی کے ساتھ اپنے پتر کو لینے جانا ہے۔''

''ہاں جیسے آپ نہ جائیں گی۔ تو آپکے بیٹے کو گھر کا راستہ نہیں ملے گا۔''

''صبح صبح بکواس کر کے میرا میٹر نہ گھما۔ یہ گز بھر لمبی تو تیری زبان ہے۔''

''لائیں ذرا انچی ٹیپ آج میں ماپ ہی لوں۔ اگر میری زبان گز بھر لمبی ہے۔ تو اب تک میرا نام ورلڈ بکس آف گینیس میں کیوں نہیں آیا۔ میں اُنیس سال کی ہوگئی ہوں۔ اور دنیا کو ابھی تک میری یونیک خوبی کا علم ہی نہیں ہوا۔ بڑا ظلم ہے۔''

''کتنی دفعہ کہا ہے۔ مجھے انگریزی میں گالیاں مت دیا کر۔''

''استغفراللہ اماں وڈی۔ کیا تھا جو آپ نے چار حرف مجھ سے سیکھ لیے ہوتے۔ بات میں سیالکوٹ کی کرتی ہوں۔ اور آپکی گاڑی سیدھا ملتان پہنچ جاتی ہے۔''

''آج میرا پتر آرہا ہے۔ آج کے بعد وہ تجھے میری طرف سے تیری انگریزی گالیوں کا جباب دیا کرے گا۔''

''لو کر لو گل۔۔۔ کاش آپ اتنی بوڑھی نہ ہوتیں۔''

''خبردار جو مجھے بڈھی کہا تو۔۔۔''

وہ جواب دینے ہی لگی تھی۔مگر اپنی کی جھنجھلاہٹ بھری آواز کان میں پڑتے ہی فنافٹ اپنے پیر ٹونٹی کے نیچے رکھ دیئے۔کیونکہ باہر وہ وڈی اماں سے بحث ومباحثہ کرنے کی بجائے وضو کرنے نکلی تھی۔

''تاشفہ اماں جی تو بزرگ ہیں۔بچوں کی طرح ہر بات پہ لڑنے بیٹھ جاتی ہیں۔جواب میں تم ہی احساس کر لیا کرو۔ہر روز میری آنکھ تم دونوں کے جھگڑے پر کھلتی ہے۔سارا گاؤں آپ کی صبح خیزی کی عادت سے تنگ ہے۔خود تو سونا نہیں ہوتا۔دوسروں کو بھی سکون کرتا نہیں دیکھ سکتی ہیں۔''

اب یہ کیسے ممکن تھا۔پھوپھو نے اپنی ساس سے پنگا لیا ہو۔اور وہ اُنہیں بخش دیتیں۔

''شمیم پتر اگر آنکھ کھل ہی گئی ہے۔تو میری دھی چار سجدے ہی دے لے۔ہماری اُستانی بننے کے لیے تیرے پاس سارا دن ہوتا ہے۔صبح صبح تو ہمیں گالیاں دینے کی بجائے۔اللہ کا نام لیا کرو۔۔۔''

''توبہ ہے اماں جی میں نے کب آپکو گالیاں دی ہیں۔اگر آپ اپنی الماری کے ہینڈل میں لٹکا ہوا ہینگر دیکھ لیتیں تو یہاں کھڑے ہوکر تقریر نہ کرنی پڑتی۔تاشفہ رات کو آپکا لباس تیار کر کے ہی سوئی تھی۔میں الحمد اللہ پانچ وقت کی نمازی ہوں۔پر آپکی طرح نمائش نہیں کرتی ہوں۔''

تاشفہ وضو پورا کر کے اپنی مُڑی ہوئی آستین سیدھی کرتی چُپ چاپ اندر کو بڑھ گئی۔ہمیشہ ایسا ہی ہوتا تھا۔اماں جی اور اُس کی تکرار پر پھوپھی شمیم کا پارا ساتویں آسمان پر پہنچ جاتا۔کبھی تو وہ منہ میں ہی بڑبڑا کر خود کو کنٹرول کر جاتیں۔پر بعض اوقات میدان میں کود پڑتیں۔ساس بہو کی آپس میں ذرا نہیں لگتی تھی۔

ساری جائیداد ابھی تک اماں وڈی کے ہی نام تھی۔جس کی وجہ سے مصلحت پسند شمیم بیگم ساس کی کھری کھری سُننے پر مجبور تھیں۔ورنہ کس مائی کے لال کی جرات تھی۔اُن سے ٹکر لیتا۔

تاشفہ سُنتیں پڑھ چکی تھی۔جب اماں وڈی چھڑی کی ٹک ٹک سمیت کمرے میں داخل ہوئیں۔

''بس بہت ہوگیا۔آج سے میں نے اپنی رہائیش الگ کر لینی ہے۔اس کے ساتھ رہتی ہے میری جوتی۔میڈم جی کو بس رُعب ڈالنا آتا ہے۔بندہ پوچھے کیا ایک بے زبان غلام کم ہے۔جو تمہیں دیا ہوا ہے۔دن رات اُس کے کان کھا کھا کر تم نے میرے بچے کو عمر سے پہلے بوڑھا کر دیا۔اُس پہ چاہتی ہے۔مجھے بھی ڈانٹ ڈپٹ کر ایک کونے میں ڈال دے اور پھر آزادی سے اپنی من مانی کرتی رہے۔میرے جیتے جی تو ایسا نہیں ہوسکتا۔''

"اب تم نے کیا سو رکعت کی نیت باندھ لی ہے۔ مجھے وضو تمہارے فرشتے کروائینگے۔ باہر دن نکل جائے گا۔ پر تمہیں کیا پرواہ ہر روز قسم کھائی ہوئی ہے۔ مجھ سے پہلے اپنی حاضری لگوانی ہوتی ہے۔ کم بخت کو نیند بھی نہیں گھیرتی۔ تیری ہم عمر میری پوتیاں مُردوں سے شرط لگا کر سوتی ہیں۔ ایک تُجھے جانے اللہ نے کس مٹی سے بنا دیا ہے۔"

اُس نے سلام پھیرنے کے بعد جائے نماز کا کونہ موڑا۔ اور اُن کے پاس آ کر ہاتھ آگے بڑھایا۔

"باہر ابھی گھپ اندھیر ہے۔ کیوں اتنی انرجی ضائع کر رہی ہیں۔ اتنے لمبے سفر پہ جانا ہے۔ راستے میں پھر سر درد کی شکایت ہو گی۔ آ جائیں وضو کروا دوں۔"

وہ خود بھی بول بول کر تھک گئی تھیں۔ اسلیے خاموشی سے اُسکے ساتھ واش روم کی جانب بڑھ گئیں۔

واش روم کافی کشادہ بنا ہوا تھا۔ جو اماں وڈی نے اپنی پسند اور مرضی سے بنوایا تھا۔

اُنکو کرسی پہ بیٹھا کر اُس نے ٹب میں پانی بھر بھر کر اُنہیں وضو کرنے میں مدد دی۔

اماں وڈی اپنے لکڑی کے نقش و نگار والے جائے نماز پہ بیٹھ کر نماز کی ادائیگی میں مشغول ہوئیں۔

تاشفہ نے اپنا پنج سورہ لیا اور واپس اپنی جگہ پہ بیٹھ کر پڑھنے لگی۔

جلدی جلدی میں یاسین پڑھی پھر ہاتھ پہ بندھی گھڑی پہ نظر ڈالی۔ ساڑھے چار ہو رہے تھے۔

پوری ٹیم نے درخواست کر رکھی تھی۔ ساڑھے چار سے نہ ایک سوئی پیچھے نہ آگے۔

پنج سورہ چوم کر واپس رکھا۔ جائے نماز کو تہہ لگا کر دراز میں ڈالا۔

فون چارجر سے ہٹا کر ایک نمبر ملایا۔

دوسری طرف سے کوئی جواب نہ آیا۔ وہ بھی ڈھیٹ بنی لگی رہی۔ دس دفعہ ملا لینے کے بعد بھی جب جواب موصول نہ ہوا تو وہ کمرے سے نکل آئی۔

اور مطلوبہ دروازے کو پیٹ کر رکھ دیا۔

حواس باختہ سی حرا باجی نے دروازہ کھولتے ہی پوچھا۔

"کیا وڈی اماں کو کُچھ ہو گیا؟"

"جی نہیں آپکے اتنے اچھے دن نہیں آئے ہیں۔ پر اگر اگلے تیس منٹ میں آپ لوگ بستر چھوڑ کر تیار نہ ہوئیں۔ تو ائرپورٹ صرف اماں وڈی ہی جائینگی۔"

ائرپورٹ کا نام لینے کی دیر تھی۔ کمرے میں کھلبلی مچ گئی۔ تاشفہ کو یوں لگا جیسے بکھرے بالوں والی چڑیلیں قبروں سے برآمد ہو رہی ہوں۔ لاحول پڑھتی واپس اماں وڈی کے پاس آ گئی۔

"اُٹھا آئی ہو اُن منحوسوں کو پڑ گئی ہو گی کلیجے میں ٹھنڈ۔ اب ساری فوج جائے گی۔"

"جانے دیں ناں بچیوں کے یہی تو دن ہوتے ہیں ہنسنے کھیلنے کے۔"

"ہاں درست کہہ رہی ہو۔ فرعون کی ہم عمر۔۔۔"

"میرا نام کبھی کسی اچھے انسان کے ساتھ بھی لے لیا کریں۔"

"ہمارے ملک کا سب سے بیبا بندہ تو اب صرف ممنون حُسین ہی ہے۔ نہ کسی کی چنگی مندی کرتا ہے۔ نہ کسی کے کام میں دخل اندازی کرتا ہے۔ وہ ٹھیک ہے؟۔"

"بیچارے کے اتنا بیبا ہونے کے باوجود آپ جیسی ظالم عورت نہیں بخشتیں۔۔۔"

باتوں باتوں میں اُس نے اُنکے کپڑے بدلوا دیئے۔ کنگھی کر کے نفاست کے ساتھ چوٹی بنائی۔

دروازے پہ دستک ہوئی تو اماں وڈی نے بارُعب آواز میں پوچھا۔

"کون اے؟۔۔۔"

جواب میں نوازش علی کی باوقار آواز میں جواب آیا۔

"امی جی میں ہوں۔ آپ تیار ہیں تو باہر آ جائیں۔ دیر ہو رہی ہے۔"

"اچھا پُتر ہُنے آئی۔"

"چل تشفی جلدی سے اپنی چادر لو اور مجھے اُٹھنے میں مدد دو۔"

اُس نے ہینڈ بیگ میں ساری ضروری چیزیں رکھیں بمعہ اماں وڈی کی دواؤں کے چادر لینے کے بعد بیگ کندھے پر ڈالا اور اُنکا ہاتھ تھام کر باہر لے آئی۔

لڑکیوں پر نظر پڑتے ہی اماں وڈی نے کڑک کر کہا۔

”ائر پورٹ جا رہی ہو۔ ماے کے ولیمے پہ نہیں۔ جلدی سے اپنے رنگے ہونٹ صاف کرو۔ ماؤں نے تو قسم کھائی ہوئی ہے۔ مجال ہے جو کبھی جوان جہان لڑکیوں کے کُھلے فیشن۔ پر جو کبھی روک ٹوک کی ہو۔

تاشفہ نے لڑکیوں کے اُترے چہرے دیکھ کر بمشکل مسکراہٹ چُھپائی۔ دل میں سوچا اماں وڈی آپکی اولاد ایویں آپ سے خار نہیں کھاتی۔

اماں وڈی ماں بیٹے نے لڑکوں سمیت مکھن والی لسی کے گلاس اندر پھینکے۔ لڑکیوں نے سیدھا انکار کر دیا۔ اتنی صبح کون ٹھنڈی لسی یا دہی لے۔ مگر تاشفہ کے پاس یہ سہولت نہیں تھی۔ اماں وڈی کے کبھی نہ ختم ہونے والے لیکچر سے بہتر یہی تھا۔ چُپ چاپ اُنکا حکم مان لیا جائے۔ ایویں تو سب بچے اُسکو اماں وڈی کی چمچی نہیں کہتے تھے۔

روانگی کے وقت وڈی چوہدرائن کی ساری آل اولاد کوچ میں بیٹھی تھی۔ اور تاشفہ اماں وڈی کے ساتھ اُنکی علیحدہ گاڑی میں جسے اُنکا چھوٹا بیٹا چوہدری دستگیر چلا رہا تھا۔

سارا راستہ چوہدرانی جی خود تو سوتی رہیں۔ مگر بہو بیٹیوں نے جلے دل کے پھپھولے پھوڑے۔

رخشندہ چچی کو یہی بڑا غم تھا۔ ”اماں جی نے کبھی جو گھر کی بچیوں کو اپنے قریب آنے دیا ہو۔ ایک غیر لڑکی کو سارے پوتے پوتیوں پہ فوقیت دیتی ہیں۔“

شمیم بیگم کو بھی موقع مل گیا۔

”میری بھابھی نے ساری عمر میرے بھائی کو تعویز گنڈے کروا کر قابو کیئے رکھا تھا۔ بیچارہ مرا تو اُس فریبی عورت سے جان چھوٹی۔ اب یقیناً مفت کی روٹیاں توڑنے کے لالچ میں اماں پہ تعویز ڈالے ہونگے۔ ایسے ہی تو ایک بیٹی کی اتنی دھوم دھام سے نہیں شادی کر لی۔“

اُنکی نفرت سے ناک چڑھا کر کی گئی گفتگو پر رضیہ چچی نے معصومیت سے سوال کیا۔

”بھابھی جی میں نے تو سُنا تھا۔ آپ کی بڑی بھتیجی کسی فیکٹری میں ترقی ہو کر اچھی پوسٹ پر بیٹھ گئی ہے۔ شادی سے پہلے بھی اور بعد میں بھی تاشفہ سے زیادہ کما لیتی ہے۔“

شمیم بیگم نے ناک سے مکھی اُڑائی۔ اور حقارت سے بولیں۔

”اللہ ہی جانے۔ یہی ماں بیٹیاں ایسی خبریں پھیلاتی رہتی ہیں۔ ورنہ کوئی اندھا بھی دیکھ سکتا ہے۔ اماں وڈی جتناں خرچ بیٹوں سے لیتی ہیں۔ وہ کہاں جاتا ہے۔“

پچھلی سیٹ پہ بیٹھی باجی حرا اپنی تائی امی کی غلط بیانی پر اُنہیں ٹوکنا چاہتی تھی۔ پر کُچھ سوچ کر خاموش ہی رہیں۔ ویسے بھی آج تائی امی اپنے اکلوتے سپوت کی آمد کے دن سویرے سویرے چوہدرانی جی سے ہونے والی منہ ماری کی وجہ سے ابھی تک بدمزا تھیں۔ بھتیجی اور اُسکی ماں کو بُرا بھلا کہنا تو اُنکی پُرانی عادت تھی۔ وہ کبھی اس کام سے بھولتی چوکتی نہ تھیں۔

حرا سے چھوٹی صائمہ نے دھیرے سے سرگوشی کی۔۔۔

”ویسے تو تائی امی نے سارے خاندان کے سامنے علی اعلان کہا ہوا ہے۔ کیونکہ گھر میں ہر ایک کی دو چار لڑکیاں ہیں۔ اور اُنکا ایک ہی بیٹا ہے۔ ایک دیور سے رشتہ لیا تو دوسری دیورانی ناراض ہوگی۔ دوسری سے لیا تو نندوں کے ارمان ٹوٹ جائینگے۔ اسلیے سُسرال میں وہ بیٹے کی شادی ہی نہیں کریں گی۔ پھر آ گیا اُنکا میکہ ایک بھائی کو تو لسٹ میں شامل بھی نہیں کرتی ہیں۔ کیونکہ وہ کونسا زندہ ہے۔ اُنکی یتیم اولاد تائی امی کو دنیا بھر کی سازشی اور چلتر باز لگتی ہے۔ دوسرے دونوں بھائیوں کی اولاد ویسے ہی بڑی الٹرا ماڈرن ہے۔“

رضیہ چچی کی بیٹی مریم بولی۔۔۔

”اچھا تو اگر اُنہوں نے میکے کی لڑکی بہو بنائی تو سُسرال کو دُکھ نہ ہوگا۔ میں تو اس فیصلے کے خلاف اپنی ماؤں سے دھرنا کرواؤنگی۔ خاندان کے سب سے پیارے لڑکے کو تو میرا بھائی بنا دیا ہوا ہے۔ آ جا کے بچ جاتے ہیں۔ غفور اور شکور میں نہیں کرنی اُن سے شادی۔۔۔“

پچھلی سیٹوں پر قہقہے گونجے تو اگلی سیٹوں پر موجود عوام نے گردنیں موڑی تھیں۔

درمیاں میں براجمان مائیں ابھی تک اپنی ہی دنیا میں مگن تھیں۔

فضیلہ پھوپھو کی بیٹی بولی۔

”میری تو دُعا ہے۔ فربود بھائی خود ہی اپنی اماں کے سامنے ڈٹ جائیں۔ شادی کرونگا تو تاشفہ سے ورنہ کنوارا مر جاؤنگا۔“

حرا نے اُسکی کمر پہ ایک دھموکا جڑا

''تمہارے منہ میں خاک کمینی مریں اُسکے دُشمن میرے ویر کو تو اللہ عمرِ خضر عطا کریں۔''

عائیشہ اپنا کندھا سہلاتے ہوئے بولی۔

''حرا باجی قسم سے آپکا ہاتھ مرد کی طرح بھاری ہے۔ایسا معلوم ہو رہا ہے۔جیسے میرے کندھے پہ کسی نے ہتھوڑا مار دیا ہو۔اور فکر نہ کریں اگر فربود بھائی نے ایسا کوئی مطالبہ کیا نا تو ممانی نے تاشفہ کو کالے پانیوں میں پھینکوا دینا ہے پر شادی نہیں ہونے دینی۔''

''تم یہ بھول رہی ہو۔فربود بھائی بیٹے کس کے ہیں۔حد سے زیادہ ماں کا فرمابردار۔اُن سے تو اُمید ہی نہ رکھو کبھی ایسا کوئی بُخار اُنکو چڑھے گا۔جدھر اماں کہیں گی۔چُپ چاپ اُسی کھونٹے سے بندھ جائینگے۔''

یہ خیال چھوٹی پھوپھو کی فاطمہ کا تھا۔جس پہ عائشہ بولی

''ویسے مزا ہی آجائے اگر وہ باہر سے اپنی اماں کے لیے بہو لے آئیں۔قسم سے ممانی کی ساری اکڑ نکل جانی ہے۔نہ گوری کو انکی سمجھ آنی ہے۔نہ انکو گوری کی۔گھر میں کوئی جھگڑا ابھی نہیں ہوا کرے گا۔اور سارے علاقے میں ہماری مفت کی مشہوری ہونی ہے۔چوہدریوں کا بیٹا باہر سے گوری بیاہ کر لایا ہے۔میں نے تو اُس پر ٹکٹ لگا دینی ہے۔جو بھی دیکھنا چاہے سو روپیہ فی دیدار کیسا؟۔۔۔''

حرا نے تاسف سے سر ہلایا۔۔۔

''جیسی تم خود ہوشوں شرک ویسے ہی تمہارے خیالات ہیں۔دادی نے بیچاری گوری کو گھر کی دہلیز بھی پار کرنے نہیں دینی۔یاد ہے ناں بکو سائی نے ٹرے حویلی سے لا کر گھر پہ دی تھی۔دادی نے اُس ٹرے کو دس دفعہ کلمہ پڑھوا کر دھلایا تھا۔''

''حرا باجی سب سے لکی آپ ہیں۔واسع بھائی ہر وقت نظروں کے سامنے رہتے ہیں۔رُخصت ہو کر بھی گھر کے ایک حصے سے دوسرے میں جانا ہے۔دوپہر کا کھانا میکہ میں کھایا رات کا سُسرال میں ایک منٹ پہلے اپنی ماں کے پلو سے لگی بیٹھی ہونگی۔دوسرے پل ساس کی چاپلوسی کریں گی۔تند وہ ہے جو پہلے ہی آپکے مکوں سے ڈرتی ہے۔دُعا کریں میری ماں کا داماد بھی ایسا ہی نکلے۔''

ایک دفعہ پھر قہقہے گونجے۔۔۔

حرا نے چوری چوری ایک نظر واسع پر ڈالی جسکی اس طرف پشت تھی۔ وہ تو ایک گھر میں ہوتے ہوئے کبھی نظر اُٹھا کر نہیں دیکھتا تھا۔

حرا بولی۔۔۔

"تمہاری ساس تم پہ مرتی ہے۔ نند منہ پھٹ ہے۔ اور رہا میرا بیچارہ بھائی کرم نواز اُسکا تو نام ہی کرم ہے۔"

"ہاں بس نام کا ہی کرم نواز ہے۔ کبھی پچاس روپے تک کا ایزی لوڈ تو کروایا نہیں۔"

"جانے دو جانے دو کل کی بھابھی آج کی کزن۔ جب سے میرے بھائی کے پلے پڑی ہو۔ بیچارے کی اتنی سی شکل نکل آئی ہے۔"

عائشہ کے جتانے پر فاطمہ نے اپنی نند کا گھر پورا کرنے کو منہ کھولا ہی تھا کہ صائمہ نے اُسکے منہ میں چیونگم ڈال دی۔

"عائشہ بات تو سچ ہے۔ مگر بات ہے رُسوائی کی۔۔۔"

صائمہ کا اشارہ فاطمہ کی بات بے بات رُعب ڈالنے کی عادت کی طرف تھا۔ کیونکہ اپنے گھر میں اُس نے اپنے سے چھوٹے دونوں بہن بھائی کو آگے لگایا ہوتا ہے۔ یہاں تک کہ اپنی امی کے ساتھ بھی ایک دن میں نہ جانے کتنی دفعہ گرما گرمی ہوتی۔ جس پر قیصرہ پھوپھو اُکتا کر اُسکو کہتیں تم میری ماں نہ بنو۔

عائشہ کچھ سوچتے ہوئے بولی۔

"حرا باجی ویسے مذاق کے علاوہ ایک بات سچ سچ بتائیں۔ کیا آپ کو اُس لڑکی کا نام معلوم ہے۔ جس کے ساتھ فرہود بھائی شادی کرنا چاہتے تھے۔ جس پر چاچو نے اُنکو مارا بھی تھا۔ اُنکو سزا کے طور پر باہر اپنے دوست کے پاس بھیجا۔ امی نے ایک دن بتایا تھا۔ فرہود بھائی تو جانا ہی نہیں چاہتے تھے۔"

حرا چونک کو بولی۔

"یہ بات تمہیں بڑی یاد ہے۔ چھ سال ہو گئے ہیں۔ گھر میں تو اب کبھی ذکر بھی نہیں ہوا۔"

"ہاں تو ذکر کرنے والے کو شمیم چچی کچا نہ چبا جائینگی۔ بڑی مشکل سے بیٹا واپس اپنے ہاتھ میں کیا ہے۔

پورے چھ ماہ فربود کے ساتھ گزار کر اُسکی برین واشنگ کر کے اُسکو باہر بھیج پائی تھیں۔ تبھی تو اب اتنی مطمئن ہیں۔"

"پر میرا سوال اپنی جگہ ہے۔ وہ کون لڑکی تھی؟۔"

"آئے ہائے بھئی نام تو مجھے بھی نہیں معلوم بس یہ سُنا ہے۔ دوسرے گاؤں سے تھی۔ ایک دن وڈی اماں کہہ رہی تھیں۔ اب تو اُسکی شادی ہو چکی ہے۔"

حرا کے بتانے پر صائمہ نے آہ بھری۔۔۔

"ہائے بچارہ فربود چائیلڈ ہڈ پیار تو نہ ملا۔ پر اتنا شُکر ہے۔ یہ راہ راست پر آ گیا ہے۔ نہیں تو اس کے ساتھ لڑائی اُسکے ساتھ لڑائی بیس سال کی عمر تک پہنچتے پہنچتے ناک کی ہڈی تڑوائی' ایک دفعہ بازو فیکچر کروایا۔ ہائے اللہ اور جب چھت سے گرا تھا۔ توبہ توبہ مجھے وہ دن جب بھی یاد آتا ہے۔ تو رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔"

"ویسے مجھے لگتا ہے۔ جب بچوں کو زیادہ محبت اور توجہ ملتی ہے۔ اُنکی ہسٹری ایسے کاموں سے بھری ہوتی ہے۔"

سیالکوٹ بائی پاس پہنچ کر جب کوچ لوئیاں والا کو مڑی جہاں سے لوئیاں والا بائی پاس سے سیدھی جی روڈ پہ چڑھ گئی۔

روشنیاں دیکھ کر عائشہ نے معصومیت سے اونچی آواز میں پوچھا۔ واسع بھائی کیا ہم پہنچ گئے ہیں۔"

واسع نے ایک نظر گردن موڑ کر کہا۔

"ہاں میری بہن نکلو باہر اور ایک ایک بتی کے گلے ملو۔ چپ کر کے سو جاؤ جب پہنچو گی۔ پتا لگ جائے گا۔"

☆......☆......☆

"مجھے ڈاکٹر صاحب سے ملنا ہے۔"

"کیا تم اُنکے جاننے والے ہو؟۔"

"جی نہیں اُنہوں نے اخبار میں ایک ایڈ دیا تھا۔ آئی ٹی ایکسپرٹ چاہیے۔ جو مووی میکر بھی ہو۔"

"او ہاں۔۔۔ یاد آیا۔ ہم نے ایسا ایڈ دیا ہوا تھا۔ مگر یہ تو کوئی چار ماہ پہلے کی بات ہے۔ اب تو ہم کو کوئی

ضرورت نہیں ہے۔"

داڑھی والے لڑکے کی سُرمے سے بھری آنکھوں میں مایوسی جاگی۔

"دیکھئے میں بہت مجبور ہوں۔ مجھے نوکری کی اشد ضرورت ہے۔آپ چاہے مجھے کم تنخواہ پر ہی رکھ لیں۔"

ریسپشن پہ موجود لڑکے نے اُس ضرورت مند کو سرتا پیر دیکھا۔

ڈھیلی سی روایتی شلوار قمیض پہنے پیر میں کُھلے سینڈلز میں کالی جرابیں پہنی ہوئی تھیں۔سر کے بالوں کو تیل لگا کر درمیان میں مانگ بنا تھا۔آنکھیں کُچھ تو تھیں ہی اتنی لال انگارہ اوپر سے ڈوئی بھر بھر کر سُرمہ ڈالا گیا تھا۔ داڑھی بھی خوب گھنی تھی۔ایک دفعہ جب نظر اُٹھا کر دیکھتا ریسپشنیسٹ بچارہ نظر چُرا لیتا۔

"اگر یہاں نوکری چاہتے ہو۔تو پھر پہلے ان جرابوں سے جان چھُڑوانی ہوگی۔دوسرا اس سُرمے سے۔توبہ کیا آئٹم لگ رہے ہو۔یہ تمہاری آنکھیں کیوں اتنی لال ہیں؟ کیا کوئی نشہ لیتے ہو؟"

"یہ ہمیشہ سے ایسی ہی ہیں۔صاحب جیب میں روٹی کے پیسے نہیں ہوتے۔نشہ کیا کرنا ہے۔پر کبھی جو موقع مل جائے تو اپنی فقط ایک ہی عیاشی ہے۔سگریٹ پیتا اور وہ میں دل کھول کر پیتا ہوں۔"

ریسپشنیسٹ نے پُر سوچ آنکھوں سے ایک دفعہ پھر اُسکا جائزہ لیا۔

"تمہارا کیا نام ہے؟"

"میرا نام موتی۔"

"پڑھے لکھے ہو؟"

"آہو جی کمپیوٹر میں ڈپلومہ کیا ہوا ہے۔"

"کہاں سے؟"

"علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی سے۔"

"اچھا اچھا کیا پہلے کہیں نوکری کر چکے ہو؟"

"کی تو ہے۔مگر بتا نہیں سکتا کہ کدھر کی ہے۔"

"کیوں ایسا کیوں ہے؟"

موتی نامی لڑکے نے اردگرد کسی اور کی موجودگی نہ ہونے کی تصدیق کرنے کے بعد بڑے رازدارانہ انداز میں سرگوشی کی۔

''ایک سی ڈی والی دُکان پر دو سال لگائے ہیں۔''

''اس میں اتنی شرمانے والی کیا بات ہے۔''

''شرمانے والی نہیں جی خطرے والی بات ہے۔ سمجھا کریں۔''

موتی نے آنکھ ماری۔۔۔

سوال پوچھنے والے کی آنکھوں میں چمک جاگی۔ پوری توجہ سے بولا۔

''مجھ سے کیا خطرہ۔ تم مجھ پر بھروسہ کر سکتے ہو۔''

''او جناب جی آپ سے کیا خطرہ ہو سکتا ہے۔ میں تو اس بات سے ڈر رہا ہوں۔ کہیں کوئی مریض نہ اپنی گفتگو سُن رہا ہو۔ خوامخواہ لینے کے دینے پڑ جاتے ہیں۔''

''کیوں سی ڈیز کے کام میں کونسا کوئی کرپشن ہوتی ہے۔''

موتی ہاتھ پہ ہاتھ مار کر ہنسا۔

''آپ بھی بھولے بادشاہ ہی ہو۔ جناب جی یہ جو آپکے سامنے موتی شہزادہ کھڑا ہے نا۔ بڑے کام کا آدمی ہے۔ اسکو ایویں کیویں نہ سمجھا جائے۔ آپ کے اور میرے درمیان۔۔۔ میں انٹرنیٹ کی ساری فحش ویب سائٹس سے وڈیوز ڈاؤن لوڈ کرنے کے بعد سی ڈیز بھر بھر کر مارکیٹ میں سستے داموں بیچتا تھا۔''

اب تو سامنے والا دل ہی دل میں اُسکو داد دیے بغیر نہ رہ سکا۔

''تو پھر وہ کام کیوں چھوڑا؟۔۔۔''

''چھوڑنا کیا تھا جناب جی بس غلطی ہو گئی۔ دو نمبر آدمی پر بھروسہ کر کے اُسکے ساتھ مل کر کاروبار شروع کیا تھا۔ سرمایہ اُسکا تھا۔ محنت میری تھی۔ جگہ کا کرایہ دونوں مل کر دیتے تھے۔ کام چل نکلا وہ بے ایمان ہو گیا۔''

''ایسا کرو۔ اس پیپر پر اپنا نام اور فون نمبر لکھ جاؤ۔ میں مینجر سے مشورہ کر کے تمہیں بتا دوں گا۔''

موتی نے پیپر چھین ہاتھ میں لیا۔ اور اپنا نمبر لکھ دیا۔

''فون کرو گے بھی یا ویسے ہی ٹال رہے ہو۔ اگر ٹالنا ہی ہے۔ تو ابھی بتا دو تو تا کہ میں کہیں اور ٹرائی ماروں۔ اس مہینے نوکری ڈھونڈنا ضروری ہے۔ ورنہ میرا بجلی کا میٹر کٹ جانا ہے۔ میرے پاس پھوٹی کوڑی بھی نہیں ہے۔''

''کہا تو ہے۔ انتظار کرنا ایک آدھ دن میں فون آجائے گا۔ ایک بات بتاؤ اگر نوکری کسی دوسرے شہر میں ہوئی تو کیا تم کر لو گے۔''

''یار چاند پہ بھی ملتی ہے۔ تب بھی کر لونگا۔ بس کوئی کام دلوا دو۔''

''ٹھیک ہے۔ جلد ہی رابطہ کریں گے۔''

''یعنی اب میں جاؤں؟۔''

''ہاں جی آپ واپس جا سکتے ہیں۔''

''اتنا بڑا دفتر ہے۔ کیا تم لوگ آنے والوں کو چائے پانی کا نہیں پوچھتے؟۔''

ریسپشنیسٹ کے ماتھے پہ تیوری آئی۔

''چائے پانی کا آفر ہم اپنے خاص مہمانوں کو کرتے ہیں۔ ہر ایرے غیرے کو نہیں۔''

''چلو جی یہ بھی اچھی ہے۔ اُنہی کو کھلاتے ہو۔ جو پہلے سے بھرے پیٹ آتے ہیں۔ کبھی کسی غریب کا بھی بھلا کر دیا کرو۔ اچھا اچھا گھورنے کی ضرورت نہیں ہے۔ جا رہا ہوں۔ فون کرنا نہ بھولنا۔ ورنہ ساری عمر پچھتاؤ گے۔ موتی بڑے ہی کام کا آدمی ہے۔''

موتی باہر لو نکل گیا۔ دوسرا آدمی سر جھٹک کر رہ گیا۔

☆......☆......☆

چوہدری سرور مرحوم ایک زمیندار تھا۔ جسکا تعلق ڈسکہ کے قریب ایک گاؤں سے تھا۔ جنت بی بی سے شادی ہوئی تو اللہ نے بھاگ لگا دیئے۔ دونوں میاں بیوی انتہا کے محنتی ثابت ہوئے۔ کھیتی باڑی کا کام پھیلتا چلا گیا۔ ماں باپ تو اتنے امیر نہیں تھے۔ مگر چوہدری سرور نے گاؤں میں اپنی ایک الگ پہچان بنائی۔ زمانے بھی بھلے تھے۔ روٹی کی خاطر ہی کئی لوگ کام میں ہاتھ بٹانے آجاتے۔ کیونکہ گھر میں چوہدرائن جنت بی بی ہاتھ کی کھلی

تھی۔ ماپ تول میں زیادہ تو ہو جاتا مگر کمی کبھی نہ ہوتی۔ اللہ نے تین بیٹوں اور دو بیٹیوں سے نوازا۔ بیٹیوں میں بڑی والی تو بس حرف شناس ہی ہوئی کہ شادی کر دی۔ چھوٹی نے میٹرک کیا۔ ابھی بس بڑی بیٹی بیٹے کی ہی شادی ہوئی تھی۔ جب سرور چوہدری کی زندگی دغا دے گئی۔

گھر میں سربراہ کی کُرسی پہ اپنے بیٹوں کو بیٹھانے کی بجائے جنت بی بی آپ بیٹھ گئی۔ کیونکہ اُنکے خیال میں اولاد پر بھروسہ نہیں ہے۔ کیا پتا کل کو بڑا چھوٹے کا حق مار جائے۔ یا چھوٹے بھائی بڑے کو قبول نہ کریں۔ اُنہوں نے سارے اختیار اپنے ہاتھ میں ہی رکھے۔ پوری برادری کے بعد پورے گاؤں اور خاندان نے دیکھا۔ کیسے جنت بی بی نے اپنا گھر سنبھالا بچوں کی شادیاں کیں۔ برادری میں اپنا مقام بنایا۔ سارا گاؤں اُنکو اب وڈی چوہدرانی کے نام سے پکارتا تھا۔ یہ ٹائٹل انہوں نے اپنے لیے خود نہیں چُنا تھا۔ بلکہ لوگوں نے انکی شخصیت اور اخلاق کی وجہ سے چوہدرائن کہنا شروع کیا۔

غریبوں کے ساتھ بڑی نرمی سے پیش آنا۔ ہر کسی کی دادرسی کرنا۔ ہر چھوٹے بڑے تہوار پر کھانا بنا کر بانٹنا۔ کسی کی بچی کی شادی ہے۔ تو وہ پیش پیش ہیں۔ کسی لڑکے کی شادی ہے تو خود بڑے چاؤ سے بارات کے ساتھ جاتیں۔ اُنہوں نے کبھی گاؤں والوں کے ساتھ روکھا پھیکا رویہ نہ رکھا۔

چوہدریوں کے گھر کے دروازے ہر کسی کے لیے کُھلے تھے۔

اب تو ماشااللہ سے اولاد کی اولاد جوان تھی۔ سب سے بڑے بیٹے زمان علی اور رخشندہ زمان کے چار بچے تھے۔ سب سے بڑی حرا اُسکے بعد صائمہ اور دونوں بہنوں سے چھوٹے بھائی تھے۔ عدیل اور نبیل۔۔۔ حرا نے تعلیم کو خیر باد کہا تو چوہدرائن نے اُسکا نکاح چچا کے بیٹے واسع سے کر دیا۔ زمان کی شادی پہلے ہوئی تھی۔ مگر اولاد شادی کے چھ سال بعد نصیب ہوئی۔ زمان سے چھوٹے نوازش علی تھے۔ جنکی شادی شمیم کے ساتھ ہوئی تھی۔ دونوں کا ایک ہی بیٹا تھا۔ پھر کوئی اولاد نہیں ہوئی۔ بہت علاج بھی کروایا مگر اللہ کی یہی مرضی تھی۔

نوازش علی کے بعد دستگیر تھے۔ جنکی بیگم رضیہ چوہدرائن کی پسندیدہ بہو تھیں۔ انتہائی سُلجھی ہوئیں۔ اپنی اولاد سمیت سب کے بچوں کی ہر دلعزیز تھیں۔ گھریلو سیاست سے بہت دور رہتیں۔

بڑی بیٹی فضیلہ اپنے چچا کے گھر بیاہی تھیں۔ قریب ہی سُسرال ہونے کی وجہ سے ہر خاص و عام موقع پر ماں

کی طرف آجاتیں۔ اُنکی اولاد بھی اب جوان ہے۔ جس میں سب سے بڑا کرم نواز اُس سے چھوٹی ہادیہ اور سب سے چھوٹا حق نواز جو ابھی میٹرک میں تھا۔

چوہدرائن کو اپنی سب سے چھوٹی بیٹی کی طرف سے بڑا دُکھ ملا تھا۔ جب وہ عین جوانی میں بیوہ ہوگئی تھیں۔ ماں بیٹی کو اُسکے بچوں سمیت اپنے گھر لے آئی۔ علیحدہ رہائش بنا کر دی۔ ہر ماہ گھر چلانے کو ایک مخصوص رقم اُنکی لگی ہوئی تھی۔ اسکے علاوہ بچوں کی پڑھائی وغیرہ کا خرچ بھی نانی خود دیتی تھیں۔ قیصرہ کی سب سے بڑی بیٹی کا نام خدیجہ ہے۔ جسکی شادی اُنہوں نے برادری سے باہر کردی۔ وہ اپنے گھر میں خوش باش ہے۔ اُسکے بعد فاطمہ ہے۔ جسکا رشتہ اُسکے خالہ زاد کرم نواز سے کیا گیا ہے۔ سب سے چھوٹا عاقب جو تقریباً حق نواز کا ہی ہم عمر ہے۔

چوہدرائن کو اپنے بچوں سے پیار تو بہت ہے۔ مگر اُنہوں نے کبھی اُنکو سر پہ سوار نہیں کیا۔ تینوں بیٹوں کو علیحدہ کرکے اُنکے درمیان جائیداد تقسیم تو کردی ہوئی تھی۔ مگر ملکیت اُنکے نام نہیں کی تھی۔ سب سے بڑے بھائی نے ڈیری فارم بنایا ہوا تھا۔ جس میں چار سو سے زیادہ گائے بھینسیں تھیں۔ سارے علاقے میں اُنکا دودھ جاتا تھا۔

نوازش علی کا اپنا شیلر تھا۔ وہ ہر سیزن پر چاول اور گندم بڑے پیمانے پر خرید کر باہر ایکسپورٹ کرتے تھے۔ سب سے چھوٹے دستگیر کے پاس ساری زمین کی دیکھ بھال کا کام تھا۔ ساتھ میں اُنہوں نے کٹائی والی مشینیں رکھی ہوئی تھیں۔ اگر یہ کہا جائے کہ اس گھرانے پر اللہ کا خاص فضل ہے۔ تو غلط نہیں ہوگا۔



”سر کیا آپ میرے آفس میں آسکتے ہیں؟۔“

”کیا سب ٹھیک ہے؟۔“

”مجھے آپ کو کچھ دیکھانا ہے۔“

”ابھی آیا۔“

اُس نے انٹرکام واپس رکھا۔ اپنا لیپ ٹاپ بند کرتا ہوا اپنے کیبن سے نکل آیا۔ سیڑھیوں سے گزرتے ہوئے نیچے والی بلڈنگ میں داخل ہوا۔ سیدھے ہاتھ پہ پہلا کیبن منیر کا تھا۔ ہلکا سا ناک کرکے اندر آگیا۔

”آئیں سر۔۔۔“

منیر چار بڑی بڑی سکرینز کے سامنے کرسی پہ ہاتھ باندھے کھڑا تھا۔ اپنے باس کے قریب آنے پر اس نے ہاتھ سے سکرین کی جانب اشارہ کیا۔

"یہ سارا کنٹینٹ دو ہفتے پہلے اپ لوڈ کیا گیا ہے۔ اور یہ سب کا سب اسی ویب پہ ڈالا گیا ہے۔ جس پہ پچھلے ہفتے ڈالا گیا تھا۔"

باس کے چہرے پہ حد سے زیادہ سنجیدگی تھی۔ کچھ پل سکرین کو غور سے دیکھنے کے بعد اس کے منہ سے بڑی گندی گالی نکلی تھی۔

"کہاں سے اپ لوڈ کیا گیا ہے۔ اس کا آئی پی ٹریک کیا؟"

"سر آئی پی ٹریس کیا ہے۔ میں کل تک اس کی پوری تفتیش کر کے آپ کو تفصیل سے آگاہ کر دوں گا۔"

"کیا یہ کسی فرد کا کام ہے؟"

"سر لگ تو ایسا ہی رہا ہے۔"

"سر کیا کرنا ہے۔ یہ سب کچھ رہنے دیا جائے؟ یا ہٹا دوں۔"

"جس ویب سائٹ پہ سارا مواد ڈالا گیا ہے۔ وہاں سے ہٹا دو۔"

"جی سر۔۔۔"

"نظر رکھو۔ کچھ بھی نیا آتا ہے۔ اسے ڈیلیٹ کرو۔ اور ہاں ہمارا کوئی سارے چہروں کی تصویریں کھینچ کر ان کی عمر اور آئی ڈی نکلواؤ۔ میں فریڈ کو بتاتا ہوں۔ وہ کورٹ سے وارنٹ نکلوالے گا۔"

"جی بہتر سر۔۔۔"

"اس چیز کا ختم ہونا بہت ضروری ہے۔ منیر یہ چیز دوبارہ کہیں بھی آنے والی نسلوں کو لگ جائے گی۔"

"سر آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں۔ پہلے بھی کارروائی ہوئی ہے۔ وہ زیادہ تر بڑے شہروں میں تھی۔ اس دفعہ ایسا نہیں ہے۔ کوئی چھوٹا شہر ہے۔"

"مجرم کے بارے اتا پتا تک رسائی حاصل کرو۔"

"جی سر۔۔۔"

وہ ماتھے پہ تفکرات کا جال لئے دروازے کی جانب بڑھ گیا۔ کمرے سے نکلنے سے پہلے پلٹ کر بولا۔

''ان وڈیوز میں جتنی لڑکیاں موجود ہیں۔ اُن کے چہرے کی بسٹ کلوز اپ تصویریں لیکر مجھے فارورڈ کرو۔''

''جی سر''

''پھر جیسے ہی نادرا کی جانب سے جواب آئے مجھے بتاؤ۔''

''ایسا ہی کرونگا سر۔''

''شکریہ منیر بلاشبہ تم ایک محنتی لڑکے ہو۔''

''بہت نوازش سر۔''

وہ سر کو ذرا خم دیکر باہر نکل آیا۔

ایک نظر تمام کیبنز کے بند دروازوں پہ ڈالی۔ سیڑھیوں کی طرف آنے کی بجائے ٹیرس پہ نکل آیا۔ جو کچھ وہ ابھی اندر دیکھ کر آیا تھا۔ ایسا نہیں تھا۔ کہ اُس نے اس قسم کی کوئی چیز پہلی دفعہ دیکھی تھی۔ مگر ہر دفعہ ایسی صورتحال کا سامنا ہونے پر اُس کے دل پہ گہری اُداسی چھا جاتی تھی۔

وہ ہمیشہ ایک ہی بات سوچتا۔ ''انسان اور جانور کے درمیان فرق کیا ہے؟۔''

ابھی وہ مزید سوچ کے گھوڑے دوڑاتا مگر فون کی بیپ نے یہ سلسلہ فی الحال ملتوی کر دیا۔

کالر آئی ڈی نے بتا دیا اُس کے افسر کا فون تھا۔

فون کان سے لگا کر لمبے لمبے ڈگ بھرتا واپس اپنے آفس کو چل پڑا۔

''سر مجھے بس کورٹ وارنٹ کا انتظار ہے۔ میں اور میری ٹیم کارروائی کے لیے بالکل تیار ہیں۔''

''تم جانتے ہو ناں اُس آدمی کے پاس ڈوئل نشنیلیٹی ہے۔ میری تازہ ترین اطلاعات کے مطابق وہ بیرونِ ملک جانے کے لیے بالکل تیار ہے۔ اگر وہ یہاں سے کامیابی کے ساتھ نکل گیا۔ ہمارا بہت بڑا نقصان ہوگا۔''

''سر میں ایسا ہونے نہیں دونگا۔ میرے بندے چوبیس گھنٹے اُس پہ نظر رکھے ہوئے ہیں۔ ایف آئی اے کو میں نے اُس کی تفصیل مہیا کی ہوئی ہے۔ اگر خُدانخواستہ وہ میرے آدمیوں کو جھانسہ دیکر یہاں سے نکل بھی جاتا ہے۔ تب بھی ائرپورٹ پر پکڑا جائے گا۔''

”وہ ایک بہت پیشہ ور مجرم ہے۔اُس کے پاس ایک سے زیادہ نام کی آئی ڈی ہو سکتی ہے۔اور یقیناً ہونی ہیں۔جو رپورٹ تم نے مجھے پچھلے ہفتے دی تھی۔اُس کے مطابق اُس آدمی کے پاس وہ ڈیوائیس ہیں۔جن سے پچاس فیصد ڈیٹا اپ لوڈ ہوا ہے۔اُسکا ہمارے ہاتھ آنا بہت ضروری ہے۔کیونکہ بغیر ثبوت کے ہم عدالت میں اپنا کیس نہیں لے جا سکتے۔"

”سر میں نے نادرا سے اُس کا ڈیٹا نکلوایا ہوا ہے۔آپ میرا یقین کر سکتے ہیں۔تو بڑی مہربانی ہوگی۔کیونکہ میرے پاس سب ثبوت ہونے کے باوجود میں وارنٹ کے بغیر اسکو اریسٹ نہیں کر سکتا ہوں۔یہ آدمی اس سارے گروہ کا سربراہ نہیں ہے۔سربراہ تک پہنچنے کے لیے مجھے بڑی صفائی سے کام کرنا پڑے گا۔تاکہ میں اس کے ساتھیوں کو محتاط نہ کر سکوں۔سر اس سارے گند کے پیچھے بہت سے شُرفا کی پشت پناہی کے ثبوت بھی مل رہے ہیں۔اگر میں سرِ عام کارروائی کرتا ہوں۔ہمارا کیس کہیں نہیں جائے گا۔آپکو اور مجھے خریدنے کی کوشش کی جائے گی۔جب ہم بکیں گے نہیں تو ہمیں گولی مروادی جائے گی۔یا ہماری فیملی کے ذریعے بلیک میل کر کے اس سارے کام سے باز رکھنے کی کوشش کی جائے گی۔میں ہر قدم بہت سوچ کر اُٹھا رہا ہوں۔نادرا اور ایف آئی اے میں اپنے تعلقات استعمال کرتے ہوئے ساری معلومات لے رہا ہوں۔میں نے کوئی بھی کام پراپر چینل سے نہیں کیا۔“

”مجھے اگر تمہارے پر اعتماد نہ ہوتا تو میں تمہیں اس کیس پر بھی کام نہ کرنے دیتا۔تمہیں جہاں کہیں میری مدد کی ضرورت ہو۔میں حاضر ہوں۔اللہ تمہارا حامی و ناصر ہو۔اللہ حافظ۔۔۔

”بہت شکریہ سر اللہ حافظ۔۔۔“

☆......☆......☆

سفیدی پوری طرح پھوٹ چکی تھی۔راستے میں کہیں بھی رُکا نہیں جا سکا۔کیونکہ فلائٹ پہنچنے والی تھی۔وہ لوگ پہلے ہی لیٹ ہو رہے تھے۔مگر جونہی گاڑیاں ائیرپورٹ کو جانے والے راستے کو مُڑیں دادی والی گاڑی تو سیدھی آگے نکل گئی۔پر کوچ کو وہیں روک دیا گیا۔

سیکیورٹی پہ مامور افسر آگے آیا۔کوچ کے کُھلے دروازے سے اندر دیکھتے ہوئے سامنے بیٹھیں خواتین کو

مخاطب کر کے بولا۔" آپ سب کے سب کہیں جا رہے ہیں؟"

" رخشندہ نے فوراً ہاں میں جواب دیا۔

" کیا میں آپ سب کے پاسپورٹ دیکھ سکتا ہوں۔"

" وہ کیوں۔۔۔؟۔"

" صرف ایک کارروائی ہے۔"

" مگر ہم میں سے تو کسی کا بھی پاسپورٹ نہیں بنا ہوا۔"

رضیہ چچی کی معصومیت دیکھنے لائق تھی۔ بولیں۔

" ہائے بھائی جب میرے ابا جی حج کر کے آئے تھے۔ پوری بس اُنکو لینے آئی تھی۔ تب تو کسی کا بھی پاسپورٹ نہیں مانگا گیا تھا۔ آخر اب کیوں؟"

" محترمہ اگر آپ کے پاس پاسپورٹ ہی نہیں ہے۔ تو آپ یہاں کیوں آئی ہیں؟"

اس سے پہلے کہ وہ دونوں دوبارہ سے کوئی جواب دیتیں۔ واسع اپنی جگہ سے اُٹھ کر باہر آ چکا تھا۔

" دیکھئے جناب ہم یہاں اپنے بھائی کو لینے آئے ہیں۔"

" آپ ساری کوچ بھر کر فقط ایک آدمی کو لینے کے لیے آئے ہیں؟۔"

" جی سر۔۔۔"

" جسکو لینے آئے ہیں وہ کون ہے؟۔ اور کہاں سے آ رہا ہے؟۔"

" میرا چھوٹا بھائی ہے جناب۔ امریکہ پڑھنے کے لیے گیا ہوا تھا۔ آج واپس آ گیا ہے۔"

سکیورٹی والے کے چہرے پر مُسکراہٹ دوڑ گئی۔

" آپ لوگ کہاں سے ہیں؟۔"

" ڈسکہ سے آئے ہیں۔"

باتوں کے دروان واسع نے دو ہزار ہزار کے نوٹ آفسر کی مُٹھی میں رکھے۔ اُس نے پھاٹک کھلوا دیا۔

واسع وہیں کھڑے کھڑے اپنی فیملی پر نظر ڈال کر بولا۔

”یہ پہلی اور آخری دفعہ میں نے آپ لوگوں کی خاطر رشوت دی ہے۔چل پڑتی ہیں منہ اٹھا کر۔“

”تو اب کیا منہ گھر پہ چھوڑ کر آیا کریں؟۔“

واسع نے مُڑ کر عائشہ کو گھورا۔

”جتنی تمہاری زبان ایسی باتوں میں چلتی ہے۔اگر پڑھائی کی جانب دھیان دو تو کوئی فائدہ بھی ہو۔“

”ہائے ہائے واسع بھائی کم از کم آپ تو سب کے سامنے بے عزتی خراب نہ کیا کریں۔“

”میں صرف تم سے ہی نہیں ساری پلٹون سے مخاطب ہوں۔“

”اوہ تو پسِ پردہ آپ اپنی زوجہ سے مخاطب ہیں۔“

”جی نہیں۔“

”کھائیں قسم۔۔۔“

”کوئی ضرورت نہیں سمجھتا ہوں۔اُلٹی سیدھی قسمیں کھانے کی۔“

کوچ ایک جگہ رُکی سب نے شکر کیا۔پہلے لڑکے باہر نکلے۔اونچے لمبے قد' سادہ شلوار قمیصیں' پیاری صورتیں' پیارے رنگ' صحت مند چہرے' پھر لڑکیاں باہر آئیں۔روائتی لباس' لمبے لمبے دوپٹے' کھلتے ہوئے رنگ' کچھ شرماتی ہوئیں۔کچھ آنکھیں پھاڑ کر جائزہ لیتی ہوئیں۔مائیں آئیں نفیس مہنگے لباس' ہاتھوں' کانوں' کلائیوں پہ سونا۔چہروں پہ بُردباری' رکھ رکھاؤ۔

اُنہیں دیکھ کر ہی انسان سمجھ جاتا تھا۔کہ چوہدرائن کو جو اتنا غرور ہے۔خوامخوہ نہیں ہے۔اُس نے واقعی اپنے خاندان کو سمیٹ کر رکھا ہوا ہے۔جس پر اُسکو بڑا ناز ہے۔وہ بڑی پُرسکون رہتی ہے۔

ابھی یہ سب چلتے ہوئے بیرونی ملک آمد والے ٹرمینل کے سامنے آ کھڑے ہوئے۔چوہدرائن پہلے سے ہی اپنی اسسٹنٹ تاشفہ اور بیٹے زمان کے ساتھ موجود تھیں۔

لڑکیاں سیلفیاں لینے میں مگن ہوگئیں۔لڑکے اِدھر اُدھر کھڑے ہو کر انتظار کرنے لگے۔

آہستہ آہستہ لوگ آتے گئے آتے گئے۔مگر وہ کہیں نظر نہ آیا۔جسکو لینے کے لیے یہ لوگ یہاں آئے تھے۔

پہلے اُلجھن ہوئی' پھر پریشانی۔

اتنے میں واسع کے فون پہ کال آگئی۔

''مجھے پتا چلا ہے۔آپ لوگ مجھے لینے آئے ہیں۔پر نظر تو کہیں نہیں آرہے؟''

''یار ہم لوگ ادھر انتظار کر کر کے اکڑ رہے ہیں۔تم باہر تو آؤ۔ہم ادھر ہی ہیں انٹرنیشنل ارائیول کے باہر۔''

''میں آتا ہوں۔''

واسع نے چوہدرائن کو فون کا بتایا سب کی سانس میں سانس آئی۔

دس منٹ بعد ہی وہ باہر آتا دکھائی دیا۔

خاکی کے اوپر کالی شرٹ' خاکی بھاری بوٹ' بال بے ترتیبی سے بکھرے ہوئے تھے۔اور کندھے پہ ایک ٹریولنگ بیگ تھا۔باقی دو بڑے سوٹ کیس ٹرالی میں رکھے تھے۔

سب سے آگے اُسکو زمان تایا اور واسع ہی نظر آئے۔بڑی خوش دلی سے ملا۔

مگر پیچھے موجود ساری فیملی پر نظر پڑتے ہی ماتھے پہ تیوری لیے بولا۔

''ساری بارات آئی ہے۔ڈھول والے کو بھی لے آتے۔''

''اُف اللہ فربود دو سال پردیس کی چکی بھی تمہیں نہیں بدل سکی۔آتے ہی رُعب ڈالنا شروع ماں سے تو ملو۔ دن رات تمہیں یاد کرتی ہیں۔''

رخشندہ کے کہنے پر وہ ماں کے آگے جُھکا۔باری باری سب سے سلام دُعا ہوئی۔

دو چار منٹ کی کوفت کے بعد چہرے پہ مُسکراہٹ نے جگہ بنا ہی لی۔سب سے اینڈ پہ وہ سیٹ پہ بیٹھی چوہدرائن کے پاس آیا۔

اُنہوں نے دونوں ہاتھوں میں اسکا چہرہ بھر کر پیشانی چومی ہاتھ سے اُسکے بکھرے ہوئے شرارتی بال سنوارے۔اور بولیں۔۔۔

''تم میرے نوازش علی کے بچے ہو۔مجھے اپنی ساری اولاد کی طرح عزیز ہو۔اسی لیے بیماری کے باوجود تمہیں لینے کو خود آئی ہوں۔''

''بہت مہربانی۔مگر اب اگر مجھ سے یہ توقع کی گئی کہ سب کے ساتھ مل کر اسلام آباد اور مری کی سیر کر کے ہی

گھر واپس جاؤں۔تو بھول جائیں۔"

پھر اُسکی نظر تاشفہ پر پڑی۔

وہ تو پہچانا ہی نہیں۔

وڈی اماں نے اُسکے چہرے کی اُلجھن دیکھتے ہوئے تعارف کروادیا۔

"یہ تاشفہ ہے۔تمہارے چھوٹے ماموں کی بیٹی۔یہ میرے پاس نوکری کرتی ہے۔"

فربود نے سرتاپیر غور سے اُسکا جائزہ لیتے ہوئے۔سر ہلا کر سلام لی۔

جواب میں تاشفہ نے ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ جواب دے دیا۔اُسکو فربود کی نظروں سے انتہائی کوفت ہوئی۔جو ہٹنے کا نام ہی نہیں لے رہی تھیں۔

"یہ فربود تو ہی بدتمیز ہے۔اسکے بارے میں جتنی باتیں مشہور ہیں۔یقیناً سب کی سب سچ ہی ہیں۔"

اُس نے جواباً گھوری سے نوازا۔فربود کے چہرے پہ ہلکی سی مُسکراہٹ اُبھری ساتھ ہی اُس نے نظروں کا زاویہ بدل لیا۔

ائرپورٹ سے نکل کر قافلے نے فیصل مسجد کا رُخ کیا۔فربود اپنے تایا کے برابر اگلی سیٹ پر بیٹھا۔اس دفعہ اُسکی امی بھی گاڑی میں موجود تھیں۔

ایک تو بیٹے کے قریب رہنے کی خواہش دوسرا تاشفہ سے دور رکھنے کی شعوری کوشش۔سارا راستہ وہ اُس سے سوال وجواب کرتی رہیں۔

وڈی اماں چونکے سب سمجھ رہی تھیں۔اسلیے ناگواری سے تھوڑی دیر بعد کچھ بُڑبڑادیتیں۔

فیصل مسجد گھومنے اور بہت سی فیملی تصویریں لینے کے بعد اُن لوگوں نے شکر پڑیاں کا رُخ کیا۔راستے میں پیک کروایا گیا کھانا بھی وہیں بیٹھ کر کھایا۔

سارے انجوائے کر رہے تھے۔سوائے فربود کے جو گاڑی میں سو گیا تھا۔اُسکے خیال میں اتنی لمبی فلائٹ کے بعد اُس میں ذرا ہمت نہیں تھی۔پکنک منانے کے لیے کسی اور دن کا انتخاب کرلے گا۔

سارے ٹولیوں کی شکل میں بکھر گئے۔تاشفہ آج بھی آن ڈیوٹی تھی۔مگر اُسکا اور اماں وڈی کا تعلق ان دو

سالوں میں اس نوعیت کا ہو چکا تھا۔اب وہ دوست زیادہ تھیں۔ مالکن اور ماتحت والی بات کم ہی رہ گئی تھی۔
اس وقت بھی اُنکا ہاتھ تھام کر ساری سیر کرواتے ہوئے وہ بولی۔
''ایک مشورہ دوں۔''
''دے لو بھئی مشورہ سُننے پر میں کونسا فیس چارج کرتی ہوں۔''
''آپ فیس چارج کر بھی نہیں سکتی ہیں۔ ہر وقت تو خود دوسروں کو نصیحتیں کر رہی ہوتی ہیں۔''
''بول بھی چکو۔۔۔''
''آپ اپنے لیے وہیل چیئر بنوالیں۔''
''واہ کیا مشورہ دیا ہے۔یعنی تم چاہتی ہو۔ یہ جو میری ہڈیوں میں تھوڑا دم خم رہ گیا ہے۔وہیل چیئر کی محتاجی لیکر وہ بھی گنواں لوں۔ بڑی عقل کی بات کی ہے۔''
''یہ بات نہیں ہے۔دیکھیں اتنی لمبی لمبی واک سے تھک بھی تو بہت جاتی ہیں۔''
''تھکاوٹ کا کیا ہے۔فائدہ بھی تو دیکھو رات کو بڑی پُر سکون نیند آتی ہے۔کل ٹی وی شو پر ایک لڑکی کہہ رہی تھی۔ جتنا ہم چلتے پھرتے ہیں۔ بڑی عمر میں آ کر ہمارا جسم اُتنا ہی سہولت میں رہتا ہے۔جو ایک دفعہ دل چھوڑ کر بیڈ پہ لیٹ جاتے ہیں۔ کبھی اُٹھ نہیں پاتے۔میرے لیے تو کتنے ہی لوگ انتظار میں ہیں۔مائی کل کی مرتی آج مرے تا کہ اپنی زندگی اپنی مرضی اور اصول سے گزاریں۔میری بات لکھ کر رکھ لو ادھر میری آنکھیں بند ہونی ہیں۔ اُدھر تمہاری پھوپھی نے اپنا مال اسباب اُٹھا کر شہر کا رُخ کر لینا ہے۔بڑی دفعہ باتوں باتوں میں جتا چکی ہے۔ اُسے گاؤں اور گاؤں کا ماحول پسند نہیں۔اپنے بیٹے کی ہر بُری عادت کو بھی وہ گاؤں کی صحبت کا اثر سمجھتی ہے۔''
''آپ نے بات چھیڑی ہے۔تو مجھے یاد آیا۔کیا آپ مجھے کُچھ عرصہ کی چھٹی دے سکتی ہیں؟۔''
''کیا ماں بہنوں سے اُداس ہو؟۔''
''نہیں ابھی پچھلے ہفتے مل کر جو آئی تھی۔اُداسی تو اتنی نہیں ہے۔پر آپ کہ بہو کا بیٹا آ گیا ہے۔آپکو تو علم ہے ۔وہ ہم لوگوں سے کس قدر نفرت کرتی ہیں۔اُنکے بیٹے میں تو ذرا شرم حیا نہیں یوں آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھ رہے تھے۔اگر یہی عالم رہا۔پھوپھی نے مجھ پر الزام لگا دینا ہے۔کہ میں اُنکے بیٹے پر ڈورے ڈال رہی ہوں۔''

”اپنی عمر دیکھو اور جو بات ابھی تم نے کی ہے۔اُس پہ غور کرو۔جو میں تمہیں فرعون کی ہم عمر کہتی ہوں۔ایویں تو نہیں کہتی۔“

”سخت بُرا لگتا ہے۔جب آپ مجھے فرعون کی ہم عمر کہتی ہیں۔“

”لگتا ہے۔تو لگتا رہے۔اور میری بہو سے ڈرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔تم یہاں میری مددگار کے طور پر نوکری کرتی ہو۔اُسکے گھر نہیں رہتی ہو۔میں تمہیں تنخواہ دیتی ہوں۔اُسکے باپ کا کیا جاتا ہے۔اُس کے اندر اگر اتنا ہی نخرہ ہے۔تو اپنے بیٹے کو قابو کرے۔دوسروں کی بچیوں پر اُنگلی نہیں اُٹھانے دونگی۔میری زندگی میں یہ نہیں ہوگا۔“

”وہ ہر بات آپ کے سامنے نہیں کرتی ہیں۔مگر میں کہہ رہی ہوں۔فربود کے سامنے اُنہوں نے فُل وقت اپنی نظریں مجھ پہ ہی رکھنی ہیں۔“

”میں فربود کو سمجھا دونگی۔تم چُھٹی پہ جانے کے خواب دیکھنا چھوڑ دو۔تمہارے بغیر تو اب میرا ایک دن نہیں گزرتا۔نہ کسی کو تم جیسے کپڑے استری کرنے آتے ہیں۔نہ تمہاری طرح سر میں مالش کر کے چوٹی بنانا جانتی ہے۔پچھلی دفعہ تمہاری غیر موجودگی میں حرا کو میں نے کہہ تو دیا میری چوٹی بنا دو۔مگر اُس نے کھینچ کھینچ کر سر درد لگا دی۔“

”جیسے مجھے پیسے دیتی ہیں۔اُنکو بھی دے دیا کریں۔تب وہ بھی آپکا کام دل لگا کر کریں گی۔اُنکو تو کھری کھری سُنا کر خود سے دور کیا ہوا ہے۔“

”آئے ہائے یہ سب باتیں ہوتی ہیں۔جھلی دھی۔۔۔جن کے دل میں چاہت ہو وہ ماؤں کی لعن طعن سُن کر بھی منہ نہیں موڑتے۔وہ اپنی رحمت بی بی کو دیکھا ہے۔اُسکو ذرا کُچھ ہو جائے۔بیٹے منہ چومتے ہیں۔میرے بیٹے دروازے میں دور سے کھڑے ہو کر ہی حال احوال پوچھ کر بڑا احسان کرتے ہیں۔“

”جانے دیں۔پچھلی دفعہ جب آپکی طبیعت بہت خراب ہو گئی تھی۔سارا گھر اتنا پریشان تھا۔کھانا تک کھانے بنانے کا کسی کو ہوش نہیں رہا تھا۔“

”تم تو ہو ہی گوند سے بنی جوڑنے کی تمہیں بڑی عادت ہے۔رشتے ہوں یا دل۔۔۔ورنہ جانتی ہوں۔سب کیوں پریشان ہونگے۔مائی مر گئی تو جائیداد کی تقسیم میں کتنا مسئلہ ہوگا۔سچ تو یہ ہے۔میں نے اپنی بچیوں اور

بیٹوں کا جائیداد میں جو جو حصہ رکھا ہے۔اپنی وصیت میں لکھ چھوڑا ہے۔کہیں ایک پیسے پہ لڑائی نہیں ہوگی۔"

بہت خوبصورت موسم اوپر اسلام آباد کی ہوائیں اور منظر سب مل کر بڑا اچھا تاثر چھوڑ رہے تھے۔وہ دونوں ساتھ چلتے ہوئے۔لمبا راؤنڈ لگا کر ساری پارک دیکھ آئیں۔حرا لوگ میوزیم کے اندر گئی ہوئی تھیں۔

سارے لڑکے گروپ کی شکل میں بیٹھے نظاروں سے لطف اندوز ہو رہے تھے۔اماں وڈی پہ نظر پڑتے ہی واسع اپنی جگہ سے اُٹھا۔

"چوہدری صاحب مانا کہ آپ جوان ہیں۔پر پھر بھی تھوڑا ہولا رکھیں۔آج کی جوان نسل سے ہی کچھ سیکھ لیں۔گاڑی سے نکل کر ادھر آئے تھے۔ابھی تک ادھر ہی جمے ہوئے ہیں۔"

وہ واسع کی خالی کی کرسی پہ بیٹھ گئیں۔

پانی کا ایک گھونٹ لیکر بولیں۔

"بھئی تم لوگ تو یہاں لڑکیاں تاڑنے آئے ہو۔میں تو گھومنے آئی ہوں۔"

لڑکے ٹھاٹھا کر کے ہنسے۔

"قسم لے لیں۔جوان گناہگار آنکھوں نے جس کو بھی دیکھا ہو اُس نے جواب میں مسکراہٹ نہ پھینکی ہو۔یہاں تک کہ نمبر مل جانے کا چانس بھی پورا ہے۔پر اپنے حاجی صاحب اجازت ہی نہیں دیتے۔"

عدیل کا اشارہ واسع کی جانب تھا۔وہ عمر میں سب لڑکوں سے بڑا تھا۔انتہائی شریف اور سُلجھا ہوا ہونے کی وجہ سے لڑکے اُسکو حاجی بولتے تھے۔کچھ اُس نے داڑھی رکھی ہوئی تھی۔نماز روزے کا پابند نہ خود کوئی گری ہوئی حرکت کرتا۔نہ ہی اپنی بھائیوں کو کرنے دیتا۔وہ ہر لڑکے کی سرگرمی پر نظر رکھتا تھا۔بڑی بات یہ کہ سب اُسکی سنجیدہ طبیعت کی وجہ سے اسکے رُعب میں آجاتے تھے۔

ہاماں لڑکیوں کو نکالیں کیونکہ تھوڑا وقت دامنِ کوہ چلتے ہیں۔پھر واپس گھر کہ راہ لیں گے۔"

زمان علی نے آکر کہا تو اماں وڈی واسع کی جانب دیکھتے ہوئے حکم دیا۔

"زمان ٹھیک کہہ رہا ہے۔واسع جاؤ تم لوگ اُنکو لے آؤ۔میں گاڑی کی جانب چلتی ہوں۔"

"جی اچھا۔"

اس دفعہ زمان علی نے ماں کا ہاتھ پکڑ کر اُٹھایا اور ساتھ لیکر چل پڑے۔
تاشفہ بھی پیچھے پیچھے تھی۔ واسع لوگ دواری جانب نکل گئے۔
موبائل وائبریٹ ہوا۔ تصویریں لینے کی نیت سے ابھی تک موبائل ہاتھ میں ہی پکڑا ہوا تھا۔
لاک کھول کر میسج دیکھا۔
''میں صبح والے مطالبے پر ابھی تک قائم ہوں۔''
تاشفہ کو ہنسی آئی۔ فوراً شیر بن کر جواب لکھا۔
''میں اپنی پھوپھی کی فیملی کے ساتھ اُنکے بیٹے کو لینے آئی تھی۔ اس وقت گھر سے باہر ہوں۔''
''میں جانتا ہوں۔ اسلام آباد میں ہو۔ یہاں پر تو ملاقات کرنا اور بھی آسان ہے۔''
تاشفہ کی مُسکراہٹ غائب ہوگئی۔ وہ بھی تو یہیں تھا۔
''نہیں ہم اب واپس جانے والے ہیں۔ ملاقات کا وقت نہیں ہے۔''
''ملاقات کا یہی وقت ہے۔ اور آج کی تاریخ میں ہی ہوگی۔ بتا دوں میں اس وقت پارک میں تم سے چند گز کی دوری پر موجود ہوں۔ کیا تم میرے پاس آسکتی ہو؟''
''ہرگز بھی نہیں۔''
''ٹھیک ہے۔ میں خود آجاتا ہوں۔''
''نہیں۔۔۔ پلیز آپ ایسا کچھ نہیں کریں گے۔ اگر آپ نے میری بات نہ مانی تو میں آئندہ بات تک نہیں کرونگی۔''
''اور اگر تم میرے اتنے قریب ہو کر ملے بغیر گئیں تو میں جو کروں گا۔ اُسکا تمہیں اندازہ بھی نہیں ہے۔''
''آپ کیا مجھے دھمکی دے رہے ہیں؟''
''نہیں جانے من مطلاع کر رہا ہوں۔ اپنے پیچھے دیکھو۔۔۔''
میکانکی انداز میں مڑی اور اُسکو چند قدم کی دوری پر کھڑا پایا۔ ہاتھ سے فون چھوٹتے چھوٹتے بچا۔ گھبرا کر اماں وڈی اور انکل زمان کی جانب دیکھا۔

اسکے رُک جانے کی وجہ سے وہ تھوڑی آگے جا چکے تھے۔وہ بھی فوراً بھاگ جانا چاہتی تھی۔مگر قدم جیسے زمین نے جکڑ لیے ہوں۔اُس نے گردن موڑ کر ایک دفعہ اُس سمت دیکھا جہاں وہ کھڑا تھا۔

چندپل کو نظر ملی۔تاشفہ کو اپنی ریڑھ کی ہڈی میں سرد لہر دوڑتی ہوئی محسوس ہوئی۔وہ سنجیدہ چہرہ لیے بغیر پلکیں جھپکائے یک ٹک اُسکو دیکھے جا رہا تھا۔تاشفہ کو لگا اگر مزید دو سیکنڈ بھی یہاں رُکی تو کبھی ہل نہیں سکے گی۔اسلیے ہمت کر کے بڑے بڑے ڈگ بھرتی اماں وڈی کے پیچھے بھاگ گئی۔

دل بُری طرح دھڑک رہا تھا۔جیسے ابھی پسلیاں توڑ کر باہر آجائے گا۔آج اُس نے پہلی دفعہ اُسکو روبرو دیکھا تھا۔

گاڑی کے قریب پہنچ کر اُس نے مُڑ کر دیکھا۔وہ کہیں نظر نہ آیا۔مگر واسع لوگ آرہے تھے۔

''تم اماں وڈی کی بجائے ہمارے ساتھ تھوڑا گھوم پھر لوگی۔تو مر نہیں جاؤ گی۔''

عائشہ کے کہنے پر اُس نے اپنی نظریں اُس کے چہرے پر رکھیں۔

''اُنکو چلنے میں مدد چاہیے ہوتی ہے۔اسلیے اُنکے ساتھ کسی کا ہونا ضروری ہے۔''

''ہاں تو امی اُنکا ساتھ دے دیتی ہیں۔امی جائیں آپ اماں وڈی کے ساتھ بیٹھ جائیں۔تاشی کو میں اپنے ساتھ بیٹھا رہی ہوں۔اماں وڈی کو بتا دیجیے گا۔''

وہ تاشفہ کا ہاتھ پکڑ کر کوچ میں لے گئی۔

جہاں سب سے پچھلی سیٹ پر فربود چادر اوڑھے بے خبر سو رہا تھا۔

''فربود بھائی آخر کتنے دنوں کی نیند پوری کر رہے ہیں۔سورج غروب ہو رہا ہے۔باہر دیکھیں تو سہی اسلام آباد کی شام کا حُسن پورے جوبن پر ہے۔''

وہ اس مداخلت پر آنکھیں مسلتا ہوا۔اُٹھ بیٹھا۔

''میرے حصے کا تم ہی دیکھ لو۔تمہارے پاس کھانے پینے کو کُچھ ہے؟''پوچھ وہ عائشہ سے رہا تھا۔مگر دیکھ اپنی مغرور سی نظر آنے والی کزن کو رہا تھا۔جو ابھی بھی اُڑے ہوئے رنگ سے باہر دیکھنے میں مصروف تھی۔

فربود کی آواز سُن کر ہی اُسکی والدہ ایکٹیو ہوگئی تھیں۔فٹ آگے سے آواز آئی۔

"فربود چندہ ادھر آ جاؤ۔ میں نے تمہارے لیے پانی وغیرہ لیا تھا۔ آؤ کچھ کھا لو"

عائشہ کی زبان میں کھجلی ہوئی۔

"چھوٹی تائی تا لڑکیوں کی طرح آپکا خیال رکھتی ہیں۔ ہماری مائیں مجال ہے جو کبھی ہماری ٹینشن لے جائیں۔ کیا کھا رہی ہو۔ کس سے لیکر کھا رہی ہو۔ کس سے بات کر رہی ہو۔ پر آپکی اماں آپ باہر بھی تھے۔ تو بس یہی وظیفے کرتی رہی ہیں۔ یا اللہ میرا بیٹا کسی لڑکی کے چکر میں نہ پڑ جائے۔"

"تم جیلس ہو کہ تمہیں اتنی توجہ نہیں ملتی۔ یا پھر مجھے میری ماں کے خلاف بھڑکانا چاہ رہی ہو۔"

بھاری سوئی ہوئی آواز میں بولا تو عائشہ کے علاوہ ساری لڑکیاں ہنسنے لگیں۔

"ہاں تو جیلس ہونا بنتا ہے ناں۔ کیوں ملے آپکو اتنا پروٹوکال ہم کیا کسی سے کم ہیں؟"

"سارا پروٹوکال لے لو۔ میں ہاتھ جوڑ کے بنتی کرتا ہوں۔"

فربود آ جاؤ بیٹا شوارمہ منگوایا ہے۔ ٹھنڈا ہو جائے گا۔"

"ممانی میں نے بھی شوارمہ کھانا ہے۔ بلکہ ہم سب نے کھانا ہے۔"

فاطمہ نے نعرہ لگایا۔ فربود جانتا تھا۔ جب تک امی کے پاس جا کر نہیں بیٹھے گا۔ وہ اُسکو آوازیں دیتے جائینگی۔ اس لیے اُٹھ کر آگے آ گیا۔ اکلوتا بچہ ہونے کے کبھی کبھی منفی نتائج بھی ہوتے ہیں۔ وہ وہی نتائج بھگت رہا تھا۔ گاڑی میں ہی سب کے لیے شوارمہ آ گیا۔ سارا راستہ کھاتے اور گپیں لگاتے گذرا۔

"اب گھر چلنا ہے۔ یا ابھی کہیں رُکنے کا پروگرام ہے؟"

"دامن کوہ جاتے تو بہت اندھیرا ہو جائے گا۔ اس لیے اب صرف راول ڈیم رُکیں گے۔ اُسکے بعد واپس گھر۔"

واسع اور فربود باتوں میں مصروف ہو گئے۔

تاشفہ شوارمہ ختم کرنے کے بعد ٹشو سے اپنا منہ صاف کر رہی تھی۔ جب فون نے وائبریٹ کیا۔ سب کی باتوں کے شور میں کسی نے نوٹس نہیں لیا۔ اُس نے ہاتھ بیگ میں ڈال کر فون آف کر دیا۔

عائشہ وغیرہ کیسامنے فون کے میسج دیکھنا تو ممکن ہی نہیں تھا۔

اُس نے سیٹ کی پُشت سے سر ٹکا کر آنکھیں موند لیں۔تو آنکھوں میں ہونے والی جلن سے پانی جمع ہو گیا۔ کبھی کبھی اپنے مرحوم والد سے ہلکا سا شکوہ جاگتا تھا۔جو جانے سے پہلے اُسکی زندگی کو ایک بہت بڑے امتحان میں ڈال گئے ہوئے تھے۔اُسکا اپنی زندگی پہ کوئی اختیار نہ تھا۔یہ امتحان یا تو اُسکی جان لینے والا تھا۔یا پھر عزت کا جنازہ ہی نکلنا تھا۔اور دونوں باتیں خطرناک تھیں۔بڑی باجی کی شادی کے بعد اب وہی اپنی ماں اور چھوٹی دونوں بہنوں کی کفالت کر رہی تھی۔

اُن دنوں وہ کسی سکول میں نوکری ڈھونڈنے میں مصروف تھی۔کیونکہ اُنکے علاقے میں آجا کر یہی ایک کام نظر آتا تھا۔یا پھر اپنا سالون کھول لیتی۔اُس کے لیے بھی اُس نے ڈیڑھ سال لگا کر بیوٹیشن کا کورس کیا۔مگر ایک مہینہ کسی اور کے بیوٹی پارلر میں ٹرائل دینےکے بعد اپنا سالون کھولنے کا ارادہ بدل گیا۔وہ مختلف لوگوں کے چہروں کے مساج اور منہ سے نکلنے والی باس برداشت نہیں کر سکتی تھی۔

ویسے بھی اُس وقت وہ اتنا گھر سے باہر نہیں آتی جاتی تھی۔اور پارلر میں صبح سے شام تک ایک کے بعد ایک نئی عورت سے ملنا وہ بھی خوش اخلاقی کا مظاہرہ کرتے ہوئے ملنا۔جب کے تب وہ کسی کی سلام کا جواب تک نہ دے پاتی تھی۔ابو کی سالانہ برسی پہ پھوپھو اپنی ساس کے ساتھ آئی ہوئیں تھیں۔چاچو اور تایا ابو بھی موجود تھے۔ جب امی نے ذکر کیا۔

"بھائی صاحب اگر کسی سکول میں نوکری مل جائے تو تاشفہ کے لیے کوشش کیجیے گا۔ڈسکہ میں دو جگہ انٹرویو دیکر تو آئی ہے۔مگر آپ تو جانتے ہیں۔یہ زیادہ فری نہیں ہوتی نہ ہی کسی پر اعتبار کرتی ہے۔تو اگر کسی اپنے جاننے والے کے سکول میں نوکری مل جائے تو مجھے اسکی جانب سے تسلی رہے گی۔"

امی نے کہا تو تایا اور چاچو سے تھا۔مگر دو دن بعد جواب چوہدرانی کی جانب سے آیا۔

تاشفہ کے اپنے گھر فون کی سہولت نہیں تھی۔ہمسائی نے آکر پیغام دیا۔تمہاری پھوپھی شمیم کی ساس کا فون آیا ہے۔اُس نے باجی کوثر کو بلایا ہے۔امی جا کر فون سُن آئیں۔سوچوں میں ڈوبی واپس آئیں۔تاشفہ سے بڑی سیماب کے پوچھنے پر اُنہوں نے ساری بات کھول کر بتا دی۔

"چوہدرانی کہہ رہی ہیں۔اُنکو اپنے ذاتی کاموں کے لیے ایک لڑکی کی ضرورت ہے۔جو حساب کتاب بھی

جانتی ہو۔تا کہ انکا بینک اکاؤنٹ وغیرہ دیکھ سکے۔سلیقے مند ہوتا کہ اُن کے کپڑوں وغیرہ کا خیال کرے۔اخبار پڑھ کر سُنا سکے۔اور بڑی بات یہ کہ اُسکو رہنا بھی اُنکے ساتھ ہوگا۔رہائش اُنہی کے کمرے میں ہوگی۔اس سب کے بدلے میں مہینے کی تیس ہزار تنخواہ دینے کو تیار ہیں۔"

بتانے کے دوران وہ تاشفہ کو ہی دیکھ رہی تھیں۔

سیماب سمجھتے ہوئے بولی۔

"کیا یہ آفر انہوں نے تاشی کو کی ہے۔؟"

"ہاں۔۔۔کہتی ہیں اگر تاشفہ راضی ہو تو میں اُسکے کھانے پینے پہننے اوڑھنے کا سارا خرچا اپنے سر لینے کو تیار ہوں۔"

"میں وہاں کام نہیں کرونگی۔"

"ایسے ایک دم سے تو انکار نہ کرو پاگل لڑکی۔"

"آپ پھوپھی کے گھر جا کر رہنا چاہیں تو رہ لیں۔ مجھے وہ اس قدر نفرت سے دیکھتی ہیں۔ جیسے مجھے اچھوت ہے۔اُنکے دیکھنے پر ہی اُنکو بیماری لگا دوں گی۔میں ہرگز بھی ایسی جگہ نہیں جا سکتی جہاں وہ ہونگی۔"

"پر میری جان تمہیں کونسا اُسکے منہ لگنا ہے۔ایسے گھر میں بند ہو کر بھی تو گزارا نہیں ہوسکتا۔تمہارے باپ کی جو تھوڑی بہت پراپرٹی ہے۔تمہارا تایا رو دھو کر کرایہ دیتا ہے۔سیماب بھی اتنی محنت کے بعد صرف دس ہزار کما پاتی ہے۔"

"میں ہی کیوں اگر یہ آفر اتنی ہی اچھی ہے۔تو باجی کو کروا لیں۔میں ہرگز وہاں نہیں جاؤنگی۔" پھوپھی کے گھر کا سوچ کر ہی جان نکل رہی تھی۔وہاں جا کر رہنے اور نوکری کرنے کا تو سوال ہی پیدا نہ ہوتا تھا۔

"وہ پہلے ہی فیکٹری میں لگی ہوئی ہے۔وہاں پہ ترقی کا چانس بھی ہے۔"

"امی میری طرف سے نہ سمجھیں۔میں کوشش مزید تیز کرتی ہوں۔جہاں بھی ہاں ہوئی اُسی سکول میں لگ جاؤنگی۔چاہے تنخواہ اچھی نہ بھی دیں۔"

"بیٹی بڑے اچھے سکول بھی اپنی اُستانیوں کو زیادہ سے زیادہ دس ہزار دے رہے ہیں۔تمہاری تو تعلیم بھی

واجبی سی ہے۔ کسی انگلش میڈیم میں تو نوکری ملتی نہیں ہے۔ کسی عام سے گلی کونے میں کُھلے سکول میں مل بھی جائے تو سارا دن سر کھپائی کے بعد مر کے ہزار دو ہی ملتا ہے۔ اور ہمارے گھر کے حالات ایسے ہیں جن میں ہمیں پیسوں کی ضرورت ہے۔ تیس ہزار منہ سے کہہ دینا آسان ہے۔ ہم لوگ کئی ماہ کی محنت کے بعد بھی اتنی رقم نہیں بنا سکتے۔"

سیماب نے بھی سمجھاتے ہوئے مشورہ دیا۔

"بہتر یہی ہے۔ فٹ سے جواب دینے کی بجائے سوچ سمجھ کر جواب دو۔ پھوپھو کے گھر میں اُنکی ساس کی ہی بات چلتی ہے۔ اُنکی تنقید اور طنز صرف ہمارے لئے ہی ہیں۔"

"باجی وہ مجھے وہاں برداشت نہیں کریں گی۔ ادھر چند گھنٹوں کے لئے آتی ہیں۔ وہ بھی مہینوں سالوں بعد۔۔۔ میرے سلام کا جواب نہیں دیتی ہیں۔ میرے ہاتھ کا دیا پانی کا گلاس تک پینا برداشت کرتیں۔ اور آپ کہہ رہی ہیں۔ میں چوبیس گھنٹے اُنکی نفرت بھری نظروں کے تیر کھانے کے لیے اُنکے گھر ہی جا بیٹھوں۔"

"ہاں تو اچھا ہے ناں اُنکے سینے پر بھی مونگ دلی جائے گی۔ ساس کے سامنے چوں بھی نہ کر پائینگی۔ میں تمہاری جگہ ہوتی تو سارے بدلے لینے کا یہ سُنہری موقع کبھی نہ گنواتی۔"

اگلے دو دن تک وہ انتظار کرتی رہی۔ جن سکولوں میں انٹرویو دیا تھا۔ وہاں سے جواب آجائے مگر مکمل خاموشی رہی۔

اگلے دن صبح صبح ہمسائی آئی۔ تاشفہ تمہاری سہیلی کا فون ہے۔ تاشفہ کو اُمید جاگی دوست کسی کا تو نہیں ضرور سکول والوں کا فون ہوگا۔ اُنہی لے پاس نمبر دیا تھا۔ دوست کسی کو تو آج تک نمبر دیا ہی نہ تھا۔

بڑے جوش سے جا کر ریسیور اُٹھا کر کان سے لگایا۔

"ہیلو۔۔۔؟"

"اسلام علیکم۔۔۔تاشفہ؟۔۔۔"

"وعلیکم اسلام جی بول رہی ہوں۔"

"کیسی ہو؟۔۔۔"

"میں ٹھیک ہوں۔مگر آپ کون ہیں؟۔"

"تمہارا کوئی بہت اپنا کیا تم نے مجھے پہچانا نہیں؟۔۔۔"

"جی نہیں۔"

"اُف کاش میں روبرو کھڑے ہو کر تمہیں یہ الفاظ ادا کرتے دیکھ سکتا۔"

تاشفہ کے دماغ میں کچھ کلک کیا۔

"آپ۔۔۔؟"

"ہاں میں۔"

اس کے بعد دونوں جانب خاموشی چھا گئی۔وہ ہاتھوں کی کپکپاہٹ کو کنٹرول کرتے ہوئے بمشکل فون تھامے کھڑی تھی۔ماتھے پہ پسینے کے قطرے نمودار ہونے لگے۔

"تاشفہ۔؟۔۔۔"

"جی؟۔۔۔"

"کبھی میری یاد آئی ہے؟۔۔۔"

"وہ کیوں؟۔۔۔"

اُس کے سوال پر دوسری جانب محفوظ سی ہنسی کی آواز اُبھری۔۔۔

"مجھے تم بہت یاد آتی ہو۔ہر وقت ہر پل ہر لمحہ۔۔۔"

"آپ کی با۔۔۔بات مکمل ہو گئی ہو تو میں جاؤں؟۔۔۔"

"کیا تمہیں میرا فون کرنا اچھا نہیں لگا؟۔"

"پتا نہیں۔۔۔"

"تم بہت معصوم ہو۔"

تاشفہ کا دل دھڑک اُٹھا۔

"ن نہ نہیں ہوں۔میں سب کچھ ہوں۔پر معصوم نہیں ہوں۔"

وہ ناخن سے دیوار کا پینٹ اکھیڑنے لگی۔آواز میں ضد تھی۔دبہ دبہ سا غصہ تھا۔

"کسی کو خود سے کبھی علم نہیں ہوتا وہ معصوم ہے یا نہیں۔جب میں کہہ رہا ہوں۔تم معصوم ہو۔تو مان لو کہ تم معصوم ہی ہو۔"

"آپ یہ کہنے والے کون ہوتے ہیں۔اور کیوں میں آپکی بات کا یقین کروں۔آپ میرے ہیں ہی کون۔"

دوسری جانب خاموشی میں گہری سانس خارج کی گئی۔پھر بڑے تحمل سے بولا۔

"اپنی معصومیت کا اس سے بڑا بھی کوئی ثبوت چاہتی ہو۔تم مجھ سے پوچھ رہی ہو۔میں تمہارا کون ہوں ؟۔اُتو سُنو جانے من میں تمہارا سب کچھ ہوں۔"

"آپ جھوٹ بولتے ہیں۔میں فون رکھ رہی ہوں۔"

"شوق سے رکھو۔پر جو نوکری کی آفر آئی ہے۔اُسے قبول کرلو۔"

"اگر نہ کروں تو ؟۔۔۔"

"تو میں تمہیں مہینے کا خرچ گھر بیٹھے ہی بھیج دیا کرونگا۔کہیں بھی نوکری کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔"

وہ کال کاٹ کر گھر آگئی۔شکر ہوا۔ہمسائی پاس اپنی چھت پر کپڑے ڈالنے گئی ہوئی تھی۔ورنہ وہ سو سوال کرتی تھی۔کس کا فون تھا۔یہ وہ۔۔۔

چوہدرانی کا دوبارہ فون آیا تو امی نے انکار کردیا۔اگلے ماہ چھوٹی بہن کو ہیضہ ہوگیا۔اُسکے علاج کے لیے ماں کے پاس پیسے نہ تھے۔تاشفہ سے دیکھا نہ گیا۔ماں کو پریشانی میں گھرا دیکھ کر اپنا آپ مجرم لگنے لگا۔

خود کو تنہائی میں بیٹھ کر سمجھایا اگر ماضی میں میرے ساتھ کوئی بُرا واقع ہوا ہے۔اُس میں میری بہنوں کا کیا قصور؟۔میرے ساتھ ساتھ یہ کیوں سزا بھگتیں؟۔اگر میں اپنی ماں کے کندھوں سے تھوڑا سا بھی بوجھ ہٹانے میں اپنا کردار ادا کرسکتی ہوں۔تو میں کیوں نہ ماں کی مدد کروں؟۔آخر یہ وہی ماں ہے۔جس نے مجھے تڑپتے دیکھ کر کئی دن تک پانی کا ایک گھونٹ تک لبوں سے نہیں لگایا تھا۔میرے اور دنیا کے درمیاں ایک دیوار بن کر کھڑی ہوگئی تھی۔شیرنی کی طرح میری طرف بڑھنے والی ہر زبان کو کاٹنے دوڑتی تھی۔میں اسکا حق کیوں کر ادا کرسکتی ہوں۔اس کی جھولی میں پہلے ہی بڑے غم ہیں۔اولاد کھونے کا دُکھ۔سُہاگ کے اُجڑنے کا دُکھ وہ آخر کتنے زخم

سینت سکتی ہے۔میری طرح عام گوشت پوست کی انسان ہی تو ہے۔

تنہائی میں بیٹھ کر آنسو بہائے خود ہی پونچھ لئے۔۔۔کیونکہ یہ حقیقت ہے۔جو لوگ اپنے ہاتھوں سے اپنے اشک صاف کرنے کی بجائے کسی کے انتظار میں رہتے ہیں۔آنسو کبھی بھی اُنکا پیچھا نہیں چھوڑتے۔جیسے کوئی اور انسان آپ کے لیے اُس تڑپ اور لگن سے دُعا نہیں کر سکتا جیسے آپ خود اپنے لیے اپنے رب سے مانگ سکتے ہیں۔اسی طرح اپنے اشک بھی خود سے صاف کرنے کا ہُنر ہر خاص و عام کو آتا ہونا چاہیے۔

اُس نے امی کو بھیجا وہ جا کر پی سی او سے چوہدرانی کو فون کر کے آئیں۔کیا اب بھی وہ تاشفہ کو اپنے ساتھ رکھنے اور نوکری دینے پر تیار ہیں۔

دوسری جانب سے ہاں میں جواب آیا۔دوسرے ہی دن ڈرائیور ایڈوانس کی رقم لیکر آ گیا۔جو تاشفہ کی ماں کے حوالے کی اور تاشفہ کو لیکر روانہ ہوا۔حالانکہ تاشفہ کا تعلق پسرور سے تھا۔مگر سات سال پہلے وہ لوگ سیالکوٹ شفٹ ہو گئے تھے۔باقی کا اُسکا سارا ددھیال لاہور میں تھا۔ابو محکمہ زراعت میں ملازم تھے۔مگر بھری جوانی میں دل بے وفائی دے گیا۔وہ سولہ سال کی تھی۔جب ابو اس دنیا سے چلے گئے۔زندگی پہلے ہی امتحان تھی۔مگر باپ نے اپنے پروں میں چُھپا کر رکھا ہوا تھا۔اُنکے جاتے ہی لگا کسی نے ٹھنڈی میٹھی چھاؤں سے نکال کر کڑی دھوپ میں جلنے کو پھینک دیا ہو۔مگر کہتے ہیں ناں جسکا کوئی نہ ہو۔اُسکا اللہ ہوتا ہے۔اللہ پاک نے وقت کے ساتھ صبر دے ہی دیا۔جینے کا ہُنر بھی سکھا دیا۔مگر پُرانے روگ آج بھی دل کے تہہ خانے میں محوِ رقص تھے۔

چوہدرانی نے اُسکے تمام خدشات غلط ثابت کر دیے۔یہاں کسی کو بھی اُسکو حکم دینے یا بُرا سلوک کرنے کی اجازت نہ تھی۔اُنہوں نے پہلے ہی دن اپنی بہوؤں کو خبردار کیا۔

''تم لوگ بھی بیٹیوں والی ہو۔اور مجھے یقین ہے۔تم میں سے کوئی بھی بچوں کے سامنے تاشفہ کا بچپن نہیں کھولے گی۔جس دن اس گھر میں اُس بچی کی ذات کا مذاق اُڑایا گیا۔یا اپنی ذاتی عدوت کا شکار کیا۔میں یہ گھر چھوڑ دونگی۔''

شمیم نے اُس وقت بھی اپنا احتجاج ان لفظوں میں نوٹ کروایا تھا۔

''آپ جانتی ہیں۔اُسکا ہمارے گھر میں رہنا اچھی بات نہیں ہے۔جوان ہوتی لڑکیوں پر کیا اثر پڑے گا۔

دوسرا لڑکوں سے بھرے گھر میں ایسی لڑکی کو لا بیٹھانا سراسر حماقت ہے۔ کیا آپ کو نوکروں کی کمی ہے؟"

چوہدرائن نے واضح کر دیا کے وہ کسی کے سوال کا جواب دینے کی پابند نہیں ہے۔ کسی اور پر جب کوئی زور چلتا نظر نہ آیا تو تاشفہ کے گھر آنے سے پہلے ہی شمیم نے بیٹے کا بندوبست کر دیا۔

بظاہر آج تک گھر کے سارے فرد یہی سمجھتے تھے۔ شمیم نے فربود کی کسی لڑکی میں دلچسپی کا بھوت اُسکے سر سے اُتارنے کے لیے ملک سے باہر بھیج دیا تھا۔ مگر حقیقت یہ تھی۔ اُنہوں نے بھتیجی سے بیٹے کو محفوظ کیا تھا۔ وہ فربود کو تاشفہ کے ساتھ ایک ہی گھر میں دیکھ ہی نہیں سکتی تھیں۔

☆......☆......☆

گرمی میں نیند ویسے بھی بہت آتی ہے۔ خاص کر صبح کے وقت کوئی ماں کا لال ہی منہ اندھیرے بیڈ چھوڑ کر روزمرہ کے دھندے کے لیے نکلتا ہے۔ کیونکہ جوں جوں دن نکلتا ہے۔ ویسے ہی نیند زیادہ طاقت کے ساتھ حملہ آوار ہوتی ہے۔

پر گاڑی کی ڈرائیونگ سیٹ کے اوپر قدرے پیچھے کو سیٹ لٹا کر نیم دراز آدمی اس وقت صبح کے پونے پانچ کا وقت ہونے کے باوجود پوری طرح چوکس تھا۔

اُس نے سر کے اوپر جو ہیٹ پہنا ہوا تھا۔ اُسکو جان بوجھ کر آگے کو جھکا رکھا تھا۔ نظریں مسلسل بیک ویو مرر کے ذریعے فٹ پاتھ کو گھور رہی تھیں۔ اُس کو بڑی بے چینی سے کسی کی آمد کا انتظار تھا۔ پچھلے کئی دنوں کی محنت کے بعد وہ اس آدمی تک پہنچا تھا۔ اور آج پوری کوشش تھی۔ وہ یہ کام کر ہی جائے گا۔

فٹ پاتھ پر منظر بدلنے کی دیر تھی۔ اُس کے جبڑے کی ہڈی میں تھرتھراہٹ پیدا ہوئی۔

وہ ڈرائیونگ سیٹ کا دروازہ کھول کر نکلا۔ گاڑی کی اگلی جانب بونٹ کھول کر بظاہر یہ تاثر دینے لگا جیسے گاڑی میں کوئی فالٹ ڈھونڈ رہا ہو۔ مگر توجہ اسی جانب تیزی سے بڑھتے آتے قدموں کی جانب تھی۔

جیسے ہی فٹ پاتھ پر آہستہ آہستہ جوگنگ کرتا ہوا ایک ادھیڑ عمر آدمی اُسکی گاڑی کے قریب آیا۔ انجن کا کور بند کرتے ہوئے فٹ پاتھ پر چلنے والے کے ساتھ کندھا ہی مس کیا تھا۔ اب یہ تو کوئی بہت باریک بینی سے جائزہ لے رہا ہوتا۔ تو جان پاتا کندھے مس ہونے کے عمل کے دوران گاڑی والے لڑکے کے ہاتھ میں پکڑی سرنج میں

بھرا مائع مواد اُس ادھیڑ عمر آدمی کے بازو میں منتقل کر دیا گیا تھا۔
سوئی کی چبھن محسوس کرتے ہوئے۔ وہ آدمی اس جوان کی جانب مُڑا۔ جواب باآوازِ بلند گنتی گن رہا تھا۔
''ایک۔۔۔دو۔۔۔تین۔۔۔چار۔۔۔پانچ۔۔۔''
ابھی وہ پانچ پر آیا ہی تھا۔ جب جوگنگ کرنے والا لڑکھڑایا۔ اس سے پہلے کے وہ زمین بوس ہوتا۔ گاڑی والے جوان نے اُسکے کندھوں میں دونوں جانب بازو ڈال کر کھینچ کر اپنی گاڑی کی فرنٹ پینجر سیٹ پر پٹخ دیا۔
مزے کی بات یہ تھی۔ کہ نیم تاریکی میں بھی نظر آرہا تھا۔ جوگنگ کرنے والے کی آنکھیں پھیلی ہوئی تھیں۔ یقیناً وہ مدد کے لیے چیخنا چاہتا تھا۔ تاکہ کسی طرح اپنے گھر کے دروازے پہ رُکے گارڈ کو متوجہ کر پائے۔ مگر چیخنا چلانا تو دور وہ ہونٹ تک نہ ہلا پا رہا تھا۔
گاڑی والا لڑکا۔ بڑے اعتماد سے چلتا ہوا آکر اُسکے برابر بیٹھ گیا۔ اللہ کا نام لیکر گاڑی اسٹارٹ کر دی۔ جب وہ جائے حادثہ کو بہت پیچھے چھوڑ آیا۔ تو ڈیش بورڈ کے خانے میں سے ایک کالے کپڑے کی پٹی نکال کر اُس آدمی کی آنکھوں پر باندھ دی۔
وہ آدمی بڑی دقت سے فالج زدہ مریض کی طرح بولا۔۔۔
''ت۔۔۔تم کون ہو۔۔۔؟''
گاڑی چلانے والے نے کوئی جواب نہ دیا۔ بلکہ گردن موڑ کر اُسکی جانب دیکھنا تک گوارا نہ کیا۔
''مجھے۔۔۔جاجان تے نہیں۔۔۔ہو۔۔۔''
''بہت اچھی طرح جانتا ہوں۔ بلکہ ضرورت سے کچھ زیادہ ہی جان گیا ہوں۔ اب تو اللہ کے فضل سے وہ وقت آیا ہے۔ جب تمہاری جوان اولاد نے تمہارے اندر کی کالک سے واقف ہونا ہے۔''
وہ آدمی اپنی سیٹ پر ہلنے کی کوشش میں بُری طرح ناکام ہوتے ہوئے پریشانی سے بولا۔۔۔
''مہ مجھے کیا کر دیا ہے؟۔ میرا جسم محسوس کیوں نہیں ہو رہا ہے۔''
''فکر نہ کرو۔ مرو گے نہیں صرف بے ہوشی طاری ہوگی۔ وہ بھی دس سے بیس منٹ کے لیے اُسکے بعد بالکل ٹھیک ہو جاؤ گے۔''

ابھی اُسکی بات پوری بھی نہیں ہوئی تھی۔ جب برابر سیٹ پر موجود آدمی کا بے جان ہوتا سر پوری قوت سے ڈیش بورڈ سے ٹکرایا۔ وہ بالکل غافل ہو چکا تھا۔

گاڑی چلانے والے نے سپیڈ بڑھائی اور گاڑی ہوا سے باتیں کرتی شہری آبادی سے نکل کر آگے ہی آگے بڑھتی جارہی تھی۔

☆......☆......☆

راولا ڈیم پہنچتے پہنچتے اندھیرا پھیل چکا تھا۔ اپنی سوچوں میں گم وہ نہ جانے کب نیند میں چلی گئی۔

حرا باجی نے متوجہ کیا۔

"تاشفہ اُٹھ جاؤ بھئی منزل آگئی ہے۔"

پہلی آواز پہ ہی آنکھیں کھول دیں۔ یوں نیند میں چلے جانے سے حیرت بھی ہوئی کیونکہ اُسکو تو نیند کبھی اتنی جلدی نہ آتی تھی۔ باری باری سب نیچے اُتر رہے تھے۔ وہ لوگ چونکے سب سے اینڈ پر بیٹھی ہوئی تھیں۔ سب سے آخر میں ہی باہر آئیں۔ اُترتے ہی اُس نے وڈی اماں کی جانب قدم بڑھائے جو ابھی تک گاڑی میں ہی موجود تھیں۔

"کیا آپ سب کے ساتھ نہیں آرہی ہیں؟"

"اب میری یاد آئی بے وفا لڑکی پہلے کہاں غائب ہوگئی تھیں۔"

"وہ عائشہ اپنے ساتھ لے گئی تھی۔ آئیں آپکو باہر آنے میں مدد کروں۔"

"نہیں میرا دل نہیں کررہا جانے کا۔ تم لڑکیوں کے ساتھ چلی جاؤ۔ میں اور زمان گاڑی میں ہی انتظار کریں گے۔"

"میرا دل بھی نہیں چاہ رہا ہے۔ میں آپکے ساتھ ہی رُک جاتی ہوں۔"

"ارے یہ کیا بات ہوئی۔ میں تو ٹھہری بوڑھی ہڈیوں والی تم کیوں ایسے زندگی سے بھاگتی ہو۔ جاؤ شاباش سب لڑکیوں کے ساتھ چلی جاؤ۔ انکی مائیں بھی جارہی ہیں۔ ڈرنے کی ضرورت نہیں ہے۔"

"اُنکی مائیں ساتھ ہیں۔ میری ماں تو اس وقت آپ ہی ہیں۔ بس آپ نہیں جانا چاہتی ہیں۔ تو میں بھی نہیں جاؤنگی۔ میں کونسا گھومنے پھرنے آئی ہوں۔ میرا کام تو بس آپکا خیال کرنا ہے۔"

”بہت ہی ضدی ہو۔ چلو میں ہی ہار جاتی ہوں۔ کھولو دروازہ چلتی ہوں۔ بھلا دیکھوں تو آخر کیا ہے اس ڈیم میں جو ہم دیکھنے آئے ہیں۔“

تاشفہ کے چہرے پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ کئی رشتے بڑے بے نام ہوتے ہیں۔ اُنگلی پکڑ کر چلنے والے لوگ انہی رشتوں کی بدولت زندگی میں آگے بڑھتے ہیں۔ کیونکہ یہ لوگ آپکو جتاتے بھی نہیں۔ مگر آپ کے لیے بہت کچھ کر جاتے ہیں۔ دوستی بھی اُنہی رشتوں میں سے ایک تعلق ہے۔

دوستی کی خوبصورتی یہ ہے۔ یہ نہ رنگ و نسل دیکھتی ہے۔ نہ عمروں کا فرق جانتی ہے۔ نہ اسکے فرقے ہوتے ہیں۔ یہ دو دلوں کو باہم جوڑتی ہے۔ عزت اور اعتماد دیتی ہے۔ اچھا مخلص دوست اللہ کی ایک خاص نعمت ہے۔

جو تاشفہ کو چوہدرانی کی شکل میں ملا ہوا تھا۔ بظاہر وہ اُنکے لیے کام کرتی تھی۔ مگر اندر ہی اندر وہ اُسکی شخصیت کو کس طرح مضبوط اور پُر اعتماد بنانے میں لگی ہوئی تھیں۔ یہ صرف دو تین لوگ ہی جانتے تھے۔

خوشی خوشی اُس نے انکا ہاتھ پکڑا اور دونوں چل پڑیں۔ سارے گروپ سے تھوڑا ہٹ کر۔ اپنی باتوں میں مگن اردگرد کا جائزہ لیتے ہوئے کمنٹ پاس کرتیں۔

”اپنی اور میری دو چار تصویریں لو۔ سیماب کو بھیجیں گے۔“

جنگلے کے پاس کھڑے ہو کر اماں وڈی نے کہا۔ جہاں پیچھے گہری ڈھلان تھی۔ اندھیرے میں نیچے دیکھتے ہوئے خوف ہی آجاتا۔

”میں اپنا بیگ تو گاڑی میں ہی بھول آئی ہوں۔ اور فون بیگ کے اندر ہے۔“

”چلو کام ختم۔ عائشہ تم لو میری اور تاشہ کی تصویر۔۔۔“

”انہوں نے کہا عائشہ سے مگر فریود اپنا موبائل آن کر کے آگے آ گیا۔

ایک ساتھ کئی تصویریں لے ڈالیں۔ رات ہونے کی وجہ سے تمام لوگ ایک ہی گروپ کی شکل میں گھوم رہے تھے۔ تصویروں کا دور چلا تو سب ہی بنوانے لگے۔ فیملی مگن ہوئی۔ تاشفہ اماں وڈی کے انتظار میں نیچے ڈیم کو دیکھتی تھوڑی دور آ گئی۔

اندھیرے میں پورا فوکس کر کے نیچے پانی دیکھنے کی کوشش میں تھی۔ جب اپنے بالکل پاس آواز اُبھری۔

''اسلام وعلیکم۔۔۔''

ایک جھٹکے سے مڑی۔۔۔مگر سر کسی کے سینے سے ٹکرا گیا۔تاشفہ کا دل حلق میں آ گیا۔

کئی پل تو وہ سمجھ نہ پائی کیا کرنا چاہیے۔سلام کا جواب بھی نہ دیا گیا۔

سر موڑ کر دیکھا اماں وڈی وہاں نہیں تھیں۔وہ یقیناً اُسکا پیچھا کرتے ہوئے موقع تاک کر آیا تھا۔

''میں نے کہا تھا نا ہماری ملاقات آج کی تاریخ میں ہی ہوگی۔یہ دیکھو بارہ بجنے میں ابھی تین گھنٹے باقی ہیں۔''اُس نے اپنی کلائی پر بندھی گھڑی کا ڈائل تاشفہ کے سامنے کیا۔

''کیا سلام کا جواب بھی نہیں ملے گا؟۔۔۔''

''وسلام۔۔۔''

وہ جنگلے پر ہاتھ رکھ کر دونوں طرف سے تاشفہ کو گھیرے میں لیے کھڑا تھا۔

''کیسی ہو؟۔۔۔''

کان کے پاس سرگوشی کی گئی۔

تاشفہ نے کسی شناسا چہرے کو ڈھونڈنے کی کوشش کی مگر کوئی نظر نہ آیا۔

''مجھے جانا ہے۔''

اُس کے اندر اُتھل پتھل جاری ہو گئی۔مگر بڑا تحمل رکھ کر بول رہی تھی۔پھر بھی لہجے میں کپکپاہٹ تھی۔

''چلی جانا میں کونسا تمہیں لیکر کہیں بھاگ رہا ہوں۔''

''میں صرف تم سے ملنے کے لیے آیا ہوں۔''

''میں تو کبھی بھی آپ سے ملنے کی خواہش مند نہیں رہی ہوں۔''

تاشفہ کا لہجہ سخت اور انداز بے لچک ہو گیا۔

''میں تمہیں بہت یاد کرتا ہوں۔تم میری تنہائی کی ساتھی ہو۔تم محفل میں میرے ساتھ ہوتی ہو۔جس دن سے تمہیں پایا ہے۔آج تک تم نے کبھی مجھے اکیلا نہیں چھوڑا۔مجھے اس بُری طرح سے قید کر کے اپنی دفعہ کہتی ہو۔تمہیں کبھی میری خواہش نہیں رہی؟۔''

اپنی پیشانی اُسکی گردن پہ جُھکا کر وہ سرگوشیوں میں بول رہا تھا۔

''اگر آپ اپنی حد سے نکل کر یوں سرِ راہ مجھے تنگ کریں گے۔ میرا تماشہ بنائیں گے۔ مجھے نقصان پہنچانے کی کوشش کریں گے۔ تو اس صورت میں آپ میری ناپسندیدہ ترین ہستی ٹھہریں گے۔''

وہ لوگ جنگلے کے ساتھ کھڑے تھے۔ جہاں پر نزدیک کوئی پول نہ ہونے کی وجہ سے قدرے تاریکی تھی۔ اور اگر کوئی پیچھے سے آ کر دیکھتا بھی تو اُسکو غور سے دیکھنے پر ہی معلوم ہوتا تھا۔ وہاں ایک نہیں دو لوگ موجود ہیں۔

''ہوش میں تو ہو؟۔۔۔ میں تمھیں نقصان پہنچاؤنگا۔۔۔ میں۔۔۔؟ جانتی بھی ہو کہہ کیا رہی ہو؟۔ تم میری ہو۔ صرف میری۔۔۔ کیا کوئی اپنی عزیز از جان ہستی کو بھی تکلیف دے سکتا ہے؟۔''

''آپ کا میرے جسم کو چھونا مجھے شعلوں پہ دھکیل رہا ہے۔ مجھ سے فاصلے پر کھڑے ہو کر بات کریں ورنہ۔۔۔'' تاشفہ کے الفاظ اُسکو جذبات کے بہاؤ سے باہر کھینچ لائے۔

''میں نے تمھیں ہاتھ بھی نہیں لگایا تم چھونے کی بات کر رہی ہو۔ میرا قریب آنا تمہارے لیے اتنا ناگوار کیوں ہے؟۔ اور اس ورنہ کا کیا مطلب ہوا؟۔۔۔''

''میری بات مذاق میں مت لیں۔ اگر اسی لمحے آپ مجھ سے دور نہ ہوئے تو میں نیچے پانی میں کود جاؤنگی۔''

وہ بُری طرح کانپ رہی تھی۔ دونوں ہاتھوں سے مضبوطی کے ساتھ جنگلے کو پکڑا ہوا تھا۔

''تم اتنا منفی ردِعمل کیوں دیکھا رہی ہو؟۔ میں تمہارا غیر تو نہیں ہوں۔''

''آپ میرے کُچھ نہیں لگتے۔ براہ کرم مجھ سے دور ہو کر کھڑے ہوں۔ نہیں تو میں نیچے چھلانگ لگا دونگی۔ آپ مجھے نہیں جانتے ہیں۔ مجھے موت سے قطعاً ڈر نہیں لگتا۔''

''تم مجھ پہ موت کو ترجیح دیتی ہو؟'' اُس کی آواز میں بے یقینی تھی۔

''مجھ سے دور ہو جائیں۔''

''میں کیوں دور ہو جاؤں؟۔۔۔ تم کسی بچے جیسا رویہ اپنا رہی ہو۔''

''مجھے آپ جیسے لوگوں سے نفرت ہے۔ جہاں کہیں موقع ملا وہیں اپنے ہوس کی پیاس بُجھانے شروع ہو گئے۔''

یہ الفاظ نہیں پگھلا ہوا سیسا تھا۔ جو اُس کے کانوں میں پڑا الفاظ سے زیادہ تاشفہ کا انداز چونکانے والا تھا۔
اُس نے اپنے ہاتھ جنگلے پہ سے ہٹا کر تاشفہ کی کمر میں حمائل کیا۔ وہ ایسے تڑپی جیسے ننگی بجلی کی تاروں نے چھو لیا ہو۔ اپنے دونوں پاؤں جنگلے کے پائپ کے اوپر رکھ کر پورے زور سے آگے کو جھک گئی۔
یہ صرف پلک جھپکنے کا کھیل تھا۔ اگر تاشفہ کی کمر میں اُسکا بازو نہ ہوتا تو اس وقت وہ کئی فٹ کی اونچائی سے نیچے گہرے پانی میں کود چکی ہوتی۔
اُسکا دماغ بھک سے اُڑ گیا تھا۔ وہ کبھی سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔ وہ ایسا بھی کر جائے گی۔ اور آخر کیوں؟ کس لیے؟ صرف اس لیے کہ وہ اُسکے قریب کھڑا ہے؟۔
دونوں کی سانس اتھل پتھل ہو رہی تھیں۔ تیزی سے ہوا کو اندر کھینچتا وہ تاشفہ کو اُسی طرح اپنے ساتھ لگائے رکھ کر جنگلے سے دور لے گیا۔ پیچھے سے تاشفہ کی کمر میں ایک بازو ڈال کر اُس کو مضبوطی سے تھامے کھڑا تھا۔ جیسے ابھی بھی ڈر ہو وہ کہیں کھو جائے گی۔ ایک ہاتھ تاشفہ کی پیشانی پہ رکھ کر اُسکا سر اپنے سینے سے لگایا ہوا تھا۔ ہونٹ اُسکے بالوں سے مس ہو رہے تھے۔ بولا تو آواز میں دھمکی اور غصہ تھا۔
''ایسی گھٹیا حرکت آئیندہ کبھی مت کرنا۔ ورنہ میں خود اپنے ہاتھوں سے تمہارا گلا گھونٹ دونگا۔''
ایک جھٹکے سے اُس کو چھوڑ دیا۔
''جاؤ چلی جاؤ یہاں سے۔''
وہ ابھی تک بے یقینی سے اُسکو دیکھ رہا تھا۔ جو ساکت کھڑی لب کاٹ رہی تھی۔
دونوں کی نظریں اک پل کو ملیں تو دونوں کی نظروں میں صرف ایک دوسرے کا عکس تھا۔ وہ مزید اُلجھ گیا۔ بولا تو اس دفعہ لہجے میں خفگی تھی۔
''وہ جس کے لیے میں کسی بھی حد تک جا سکتا ہوں۔ آج کم از کم یہ تو واضح ہوا۔ اُسکی نظر میں میرا مقام کیا ہے۔ میرے ساتھ چند پل کھڑے ہو کر بات کرنے سے بہتر موت ہے۔ اپنے آپ کو اس وقت دنیا کا احمق ترین انسان محسوس کر رہا ہوں۔ میں تو سراب کے پیچھے بھاگتا آ رہا ہوں۔ بہت شکریہ۔۔ اللہ حافظ۔''
وہ شکوہ بھر نگاہ ڈال کر لمبے لمبے ڈگ بھرتا وہاں سے چلا گیا۔

جوں جوں اُسکے چوڑے شانے نظروں سے دور ہوتے گئے۔توں توں تاشفہ کے آنسوؤں میں تیزی آتی گئی۔

☆......☆......☆

سر سسپیکٹ آن دا موو ہے۔پر سر ایک مسئلہ ہے۔"

"کیسا مسئلہ؟۔"

"سر قد کاٹھ وہی ہے۔مگر حلیہ اور ظاہری شکل میں تبدیلی لائی گئی ہے۔جس کہ وجہ سے سو فیصد یقین سے نہیں کیا جا سکتا کہ یہ وہی آدمی ہے۔"

"تم ایک ٹیم کو اُسکی رہائش پہ ہی چھوڑ کر دوسری ٹیم کے ساتھ اسکا پیچھا کرو۔اور جیسے ہی اسکی منزل واضح ہو مجھے مطلع کرو۔"

"جی سر۔۔۔"

اُس نے فون واپس رکھا۔اور دوبارہ اپنے کمپیوٹر کے کی بورڈ پہ تیزی سے انگلیاں چلانے لگا۔

سکرین پہ مختلف ڈیٹا کو ڈ شو ہو کر بڑی سپیڈ سے غائب ہوتے جاتے۔دس منٹ بعد دوبارہ پھر فون بجا۔

"جی۔۔۔؟۔"

"سر وہ ائرپورٹ کی جانب روانہ ہے۔"

اُس نے اُسی لمحے کمپیوٹر بند کیا۔اور اپنے آفس کی کُرسی سے اُٹھ کھڑا ہوا۔

"زبردست یار۔۔۔میں آگے اپنے بندوں کو رابطہ کر لیتا ہوں۔اس کو یہیں پکڑو۔"

"جی سر۔۔۔"

"کیا پورا کنفرم ہے کہ یہ ہی ہمارا ٹارگٹ ہے؟۔"

"سر لگ تو یہی رہا ہے۔پر دوسری ٹیم کی جانب سے بھی کوئی اطلاع نہیں آئی۔سر سو فیصد یقین اب بھی نہیں ہے۔"

"جو بھی ہو۔تم اسکو ائیرپورٹ پہ چیک اِن پہ پکڑ لینا۔"

''جی سر میں آپکو اپ ڈیٹ کرتا رہوں گا۔''

''اللہ حافظ۔۔۔''

وہ اپنے پیچھے اپنا آفس لاک کر کے باہر کو نکل رہا تھا۔ جب دوبارہ فون بجا۔

''ہیلو؟۔۔۔''

''ہیلو سر ٹیم براوو سپیکنگ۔۔۔''

''بولو۔۔۔''

''سر اُسی عمارت سے ایک اور آدمی اپنے ساتھ کافی زیادہ سامان لیکر گاڑی پہ روانہ ہوا ہے۔''

اُس کے قدم تھم گیے۔

''مجھے دونوں سسپیکٹس کی تصویریں میل کرو۔ کیا تم اُسکا پیچھا کر رہے ہو؟''

''جی سر میں نے اپنے ساتھی کو پیچھے ہی چھوڑا ہے۔ اور خود پیچھا کر رہا ہوں۔''

''تمہارے پاس اسلحہ ہے؟۔۔۔''

''جی سر۔۔۔''

''کیا اُسکو تمہاری موجودگی کا علم ہے۔؟''

''نہیں سر جیسے وہ جا رہا ہے۔ مجھے نہیں لگتا اُسکو شک بھی ہے۔ میرے خیال میں پہلا آدمی ہمیں ڈج دینے کے لیے روانہ کیا گیا تھا۔''

''بہت خوب تم اسکے ساتھ ہی رہو۔ مزید آگے یہ کدھر کو جاتا ہے۔''

''جی سر میں اسکی جان نہیں چھوڑنے والا۔''

''بہترین۔۔۔ مجھے تصویریں بھیج دو۔''

''جی سر۔۔۔''

فون بند کر کے ابھی دوسرا نمبر ملانے کا سوچ ہی رہا تھا۔ جب کال آ گئی۔ نمبر دیکھتے ہی اُس نے آسمان کی جانب دیکھا۔ اور کال اُٹھائی۔۔۔

"سر۔۔۔؟۔۔۔"

"تمہیں میں کہتا رہا ہوں۔اُس خبیث انسان کو پکڑو۔تم نے میری ایک نہیں سُنی۔اب تمہاری دو ٹیمیں لگی ہوئی ہیں۔اور دونوں کو ہی یقین نہیں ہے۔کہ یہ وہی آدمی ہے۔نہ ہی وہ یہ بات یقین سے کہہ سکتے ہیں۔آیا وہ آدمی اُس پتے پہ موجود بھی تھا یا نہیں۔مجھے لگتا ہے۔گیم تمہارے ہاتھ سے نکل چکی ہے۔"

"اللہ معافی دیں سر ایسی بات نہیں ہے۔جہاں تک رہی اریسٹ نہ کرنے کی بات تو سر میری تحقیق کے مطابق آج تک جو بھی ڈیٹا اپ لوڈ کیا گیا ہے۔اُسکے آئی پی پہ موجود لوکیشن اور ڈیوائس کی کنفرمیشن تو ہو گئی ہے۔ مگر سر سارا مواد بنایا اس جگہ نہیں جاتا۔بن کر کہیں اور سے آتا ہے۔یہ آدمی صرف انٹرنیشنل سرورز کو مواد فراہم کرتا ہے۔میں اسکے ذریعے انکے مین ونگ تک پہنچنا چاہتا ہوں۔"

"اگر آج وہ ملک سے باہر چلا جاتا ہے۔تو تم کیا کرو گے؟۔۔۔"

"ایسا نہیں ہوگا۔"

"تم نے دو دن پہلے بھی مجھے یہی بول کر تسلی دی تھی۔مجھے تسلیاں نہیں چاہیے ہیں۔مائے بوائے مجھے عمل چاہیے۔میں اس بات پر پچھتانا نہیں چاہتا ہوں۔شائد میں یہ کیس تمہاری بجائے کسی اور کو دے دیتا تو کامیاب رہتا۔"

"سر مجھے بس تھوڑا وقت دے دیں۔میں مایوس نہیں کرونگا۔"

"وقت ہی تو نہیں ہے۔

"انشاءاللہ سر ایسا ہی ہوگا۔۔"

"مجھے پل پل کی خبر چاہیے۔جیسے ہی کوئی کامیابی ہو۔مجھے بتاؤ۔"

"جی سر انشاءاللہ۔۔۔"

لائن بند ہو گئی۔ایک سیکنڈ وقفے کے بغیر دوبارہ بیل ہوئی۔

"جی۔۔۔؟۔۔۔"

"سر میں یعقوب بات کر رہا ہوں۔شبیر نے مجھے گھر پہ نظر رکھنے کا بولا تھا۔پر سر ابھی ابھی گھر سے ایک آدمی

چھوٹا سا بیگ ہاتھ میں لیے گھر سے برآمد ہوا ہے۔ مجھے کیا حکم ہے؟۔۔۔''

اُس کی آنکھوں میں سنجیدگی مزید گہری ہوگئی۔

''لگتا ہے۔ وہ ہماری اپنی جانب توجہ سے واقف ہوگیا ہے۔ اور اب کوئی کھیل کھیل رہا ہے۔ کیا تمہارے پاس اپنی سواری ہے؟''

''جی سر میں موٹر سائیکل پہ ہوں۔ مگر وہ آدمی پیدل ہی جا رہا ہے۔ سر سب سے حیرت انگیز بات یہ ہے۔ تینوں مشکوک آدمیوں کا حلیہ بہت تقریباً ایک جیسا ہی ہے۔''

''تم اسکے پیچھے جاؤ۔''

''جو حکم سر۔۔۔''

وہ نچلی منزل میں موجود منیر کے کیبن کی جانب بڑھ گیا۔ ابھی تین مختلف لوگ تین مشکوک لوگوں کا پیچھا کر رہے تھے۔ اور اُسلوا گلے کچھ گھنٹے' منٹ یا دن تک ابھی مزید انتظار کی کوفت سے گزرنا تھا۔

ٹیکسٹ میسج کی ٹون پر اُس نے ایک نظر سکرین پر آنے والے نوٹیفیکیشن کو دیکھا۔ سامنے موجود نام دیکھ کر ہی جبڑا سختی سے بھینچ گیا۔

سیڑھیاں اُترنے کی سپیڈ میں کمی ہوئی۔ پھر فون بند کر کے جیب میں رکھا۔ اور تیزی سے نیچے آگیا۔ چہرے پہ ہلکا ہلکا غصہ جھلک رہا تھا۔



ڈاکٹر نعیم نے اپنے چھوٹے بھائی کی رائے پر بھروسہ کرتے ہوئے۔ موتی کو نوکری دینے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ اُسکا چھوٹا بھائی فہیم جو کہ اُسی کے کلینک منیجر تھا۔ ساتھ میں ڈینٹسٹ کا کلینک چلاتا تھا۔

موتی کو پہلے ٹیسٹ کے طور پر کام دیا گیا۔ پورے ہفتے کا کام اُس نے دو دن میں ختم کر کے اور کام مانگا۔ سگریٹ پہ سگریٹ پھونکے جاتا اور جو جو فائل آن لائن اپ لوڈ کرنے کو دی جاتی۔ اندھا دھند اپ لوڈ کیے جاتا۔ پہلے پہل منیجر اُسکے سر پہ کھڑا ہو کر کام لیتا رہا۔ موتی کو ہرگز بھی اجازت نہیں تھی۔ وہ کوئی بھی فائل کھول کر جائزہ نہیں لے سکتا تھا۔ نہ یہ پوچھنے کی اجازت تھی۔ یہ سب مواد کہاں سے آ رہا ہے؟۔ کیوں آ رہا ہے؟ اُسکو بس

ویب سائیٹس کی تفصیل مہیا کی گئی تھی۔جس پر سارا مواد ڈالنا ہوتا۔

ایک دن مینجر نے پوچھ ہی لیا۔۔۔

''موتی تم نے کسی قسم کی حیرت یا تجسس کا اظہار نہیں کیا۔اسکی کیا وجہ ہے؟۔''

موتی نے فائل کے اپ لوڈ کی سپیڈ پر نظر رکھتے ہوئے سرسری سا پوچھا۔

''کس بارے میں جی؟۔۔۔''

''یہی کہ ہم ان ویب سائیٹس پر کیا ڈالتے ہیں۔نام اور لوگوں کو تو تم دیکھ ہی لیتے ہو۔تصویریں بھی صاف نظر آ رہی ہیں۔''

''جناب جی میں ایک آدھ وڈیو بھی دیکھ چکا ہوں۔اور یہ بھی بتا دوں۔ان کی کوالٹی بڑی خراب ہے۔روشنی کم ہے۔پرنٹ انتہائی نکما۔آپ لوگوں نے اگر کام کرنا ہی ہے۔تو ذرا ڈھنگ سے کریں۔''

وہ منہ میں سگریٹ رکھ کر ہاتھوں سے ٹائپ کر رہا تھا۔دھواں برابر کمرے میں پھیلتا جاتا۔

مینجر کا منہ کھلا رہ گیا۔وہ کم از کم اس جواب کی توقع نہیں کر رہا تھا۔

''تمہیں کیسے پتا کہ پرنٹ خراب ہے۔یا روشنی کا سسٹم ٹھیک نہیں؟۔''

''او جناب جی رئٹ ناؤ موتی از دا موسٹ ایکسپیرینسڈ بندہ ان دا ہول پاکستان جی۔''

''رئٹ نہیں ہوتا جاہل آدمی رائٹ بولتے ہیں۔''

''آہو آہو جی وہی۔۔۔رئٹ ہو یا رائٹ کیا فرق پڑتا ہے۔گل تو آپکو سمجھ آ گئی نا۔''

''تو تمہارے خیال میں ہم اس میں مزید بہتری کیسے لا سکتے ہیں۔''

''اگر میرا مشورہ چاہیے تو اُسکی میں اضافی فیس لونگا۔''

''لے لینا فیس کون انکار کر رہا ہے۔''

''یہ ہوئی نا بات۔۔۔ہاں تو جی پہلا مشورہ یہ ہے۔آپ لوگ انتہائی ناقص کیمرے استمال کر رہے ہیں۔کم از کم بھی ہو تو دس میگا فیکسل ہونا چاہیے۔اور آپ لوگوں کی ویڈیو دیکھ کر صاف لگتا ہے صرف دو میگا فیکسل استعمال ہوا ہے۔''

منیجر اتنے میں ہی قائل ہو گیا۔ وہ لوگ موتی کی صلاحیتوں سے کئی درجے کم کا کام لے رہے تھے۔ نوکری شروع کرنے کے دوسرے ہفتے ہی موتی کا تبادلہ ہیڈ کوارٹر میں کر دیا گیا۔ جہاں اُس نے پورا ایک ہفتہ تو کوئی بھی نیا کام کرنے نہ دیا۔ ساری مشنری بدلوادی۔ جس میں کم از کم ڈیڑھ کروڑ کا خرچ آ گیا۔ کیونکہ وہ صرف ایک جگہ ہی استعمال نہیں ہوتی تھی۔

موتی کی زیرِ نگرانی بننے والے کام اور پہلے کے کام میں فرق جب ڈاکٹر نعیم کے سامنے آیا۔ اُس نے خوش ہو کر موتی کو تمام امور کا ہیڈ بنا دیا۔

موتی جیسے ضمیر فروش کو اور کیا چاہیے تھا۔ کہاں گھر کی بجلی بھی کٹنے والی تھی۔ اور اب کہاں دو لاکھ مہینے کی آمدنی۔ وارے نیارے ہو گئے تھے۔ وہ بہت زیادہ خوش تھا۔ اب صرف ایک خواہش باقی رہ گئی تھی۔ وہ جو دن رات سپنوں میں آتی تھی۔ جس سے بات کیے بغیر ایک دن نہ گزرتا تھا۔ جسکو دیکھنے کے لیے آنکھیں بے تاب رہتیں تھیں۔ اب وقت قریب آتا جا رہا تھا۔ کہ وہ اُس کو ہمیشہ کے لیے اپنے پاس لے آتا۔ اُس نے پیسے جمع کرنے شروع کر دئے تھے۔ تا کہ ایک عدد اپنا گھر لے سکتا۔

گھر تو پہلے بھی تھا۔ مگر وہ گھر اُس کے شایانِ شان نہیں تھا۔ اگر اللہ نے اُسکو ہیرا لڑکی دے دی ہے۔ تو وہ گھر بھی ضرور دے گا۔ اُسکو اللہ پہ پورا یقین تھا۔

کس دل سے خود کو روکے ہوئے تھا۔ یہ وہی جانتا تھا۔ آخر وہ اُسکی پہلی اور شائد آخری محبت تھی۔



کیا آپ نے ایک بات نوٹ کی؟۔۔۔

"کس بارے میں؟۔۔۔" عائشہ کے پوچھنے پر اپنی قمیض کے گھیر پر کڑھائی کا کام کرتی صائمہ نے سوئی میں دھاگا ڈالتے ہوئے پوچھا۔

"یہی یار اپنے فرہود بھائی کے بارے میں۔"

"اُنکے بارے میں کیا نوٹ کرنا ہے۔ ہاں چچی کل ایک نئی جگہ رشتہ دیکھنے جا رہی ہیں۔ بچی تم نے اُنکے لہجے کا غرور نہیں دیکھا۔ صبح میں رشتے کروانے والی کو فون پہ بتا رہی تھیں۔ میرا بیٹا لاکھوں میں ایک ہے۔ بہو بھی مجھے

اس کے ہم پلہ چاہیے۔ باہر سے پڑھ کر آیا ہے۔ جانے سے پہلے جس کمپنی کے لیے کام کرتا تھا۔ واپس آتے ساتھ ہی اُس کمپنی نے دوبارہ سے جاب کی آفر دے دی۔ تنخواہ پہلے سے چار گنا زیادہ ہے۔ باپ کے کاروبار میں بھی ہاتھ بٹاتا ہے۔ اب بس شادی کرنی رہ گئی ہے۔ اگلے چند ماہ میں اس کام سے بھی فارغ ہونا چاہتی ہیں۔''

''باجی صائمہ آپ کیسے ایک وقت میں دو کام کر لیتی ہیں۔ باتیں بھی کیے جا رہی ہیں۔ اور کڑھائی بھی جاری ہے۔'' فاطمہ کو جواب صائمہ کی بجائے عائشہ نے دیا۔

''یہ تو کچھ بھی نہیں ہے۔ صائمہ باجی تو ایک اُنگلی پہ فٹ بال گھما سکتی ہیں۔ گیند کو ایک بلا مار کر وہ چاچے غفور کی حویلی کے اُس پار پہنچا سکتی ہیں۔ ایک ٹائر والا سائیکل چلا سکتی ہیں۔''

''بس کر دے بہن میں کسی سرکس میں کام نہیں کرتی ہوں۔''

عائشہ گنوائے گئی تو صائمہ نے اُسکے آگے ہاتھ جوڑ دیے۔

حرا نے ایک نظر سب لڑکیوں پر ڈالی۔ شدید گرم دن تھا۔ اوپر سے لائٹ بند اس لیے سب کی سب کمروں سے نکل کر باہر صحن میں لگے درختوں کے نیچے بیٹھی ہوئی تھیں۔ گرمی کہ شدت تو کم نہیں ہوئی تھی۔ مگر اندر کے مقابلے میں باہر پھر بھی سکون تھا۔ ہوا چل رہی تھی۔ جس کی وجہ سے پسینہ نہیں آ رہا تھا۔

حرا نے گوندھے ہوئے میدے میں سے تھوڑا سا آٹا لیا۔ باقی کو اُسی طرح ململ کے رومال میں اچھی طرح لپیٹ کر پیالے میں رکھ کر اوپر اپنا نیا نکور چھابا رکھ دیا۔

پہلے اُس چھوٹے سے پیڑے کو اچھی طرح ہاتھ میں مسلا پھر لمبی سی سپگیٹی کے سائز کی تار بنالی۔ جسے اپنے دونوں ہاتھ کے انگوٹھوں کے درمیان سپیڈ اور مہارت کے ساتھ مسل مسل کر چھوٹی چھوٹی سیویاں توڑ توڑ کر چھابے میں پھینکتی جا رہی تھی۔

ایک رنگلے پائے والی چارپائی پہ صاف سُتھری گہرے رنگوں کی چادر بچھی تھی۔ جس پہ وڈی اماں براجمان تھیں۔ اُنکے سامنے بھی ایک نیا چھابا پڑا تھا۔ جس میں سیویاں بنا رہی تھیں۔

رضیہ چچی ہمسائی کی بیٹی کا فراک کاٹ رہی تھیں۔ اُنکے ہاتھ کی صفائی سارے گاؤں کیا سارے خاندان میں مشہور تھی۔ سبھی لڑکیوں کے کپڑے ڈیزائن بھی وہی کرتی تھیں۔ کپڑے کے معاملے میں اُنکی پسند اور معیار

بڑا منفرد تھا۔ اسلیے جو بھی وہ بنا دیتیں ہزار نخروں والی لڑکیاں خوشی خوشی پہن لیتیں۔ عائشہ نے دونوں ہاتھوں سے دوپٹے کا پلو پنکھے کی طرح جھلاتے ہوئے دہائی دی۔

''ہائے وڈی اماں بڑی گرمی لگ رہی ہے۔''

''تو وڈی اماں کیا کرے۔ بارش بھی نہیں مانگ سکتی۔ کیونکہ تیرے باپ کی گندم ابھی تک باہر کھیتوں میں پڑی ہے۔ جا کر واسع کو فون کر کسی لڑکے کو بھیج کر تمہارا سڑا جنریٹر بنوا دے۔''

رخشندہ نے ساس سے اختلاف کرتے ہوئے کہا۔

''اماں رہنے دیں۔ موا جنریٹر خراب پڑا ہے۔ تب ہی تو یہ نواب زادیاں ذرا باہر نکلی ہیں۔ ورنہ چوبیس گھنٹے اے سی میں بیٹھ بیٹھ کر بالکل ہی نکمی ہوتی جا رہی ہیں۔ نہ انکو کسی کے کپڑے دھونے کی فکر نہ کھانے پکانے کی۔ مائیں ہی ابھی تک چولہوں میں کھپتی ہیں۔ انکی عمر میں ہم نے سارے گھر کی ذمہ داری اُٹھائی ہوتی تھی۔ امی جی کو بس چارپائی پہ بیٹھا دیا تھا۔''

''ہاں تو غلط کیا نا آپ نے۔ بیٹوں نے نانی اماں کو کام کرنے کی عادت رہنے ہی نہیں دی۔ اور ممانی کو کوئی کام آتا نہیں تھا۔ بیچاری نانی اماں کے لیے کتنا مشکل ہوا تھا۔ اگر آپ اپنی امی کا خیال کرتیں تو بھابھی اتنی مختلف بیک گراؤنڈ کی نہ لاتیں۔ نانی اماں تین تین پور تندور پہ اکیلی لگا لیا کرتی تھیں۔ اور ممانی اب بڑی مشکل سے سالن گھر بناتی ہیں۔ روٹیاں باہر سے لگواتی ہیں۔ ماڈرن اور روائتی ماحول کا کیا خوبصورت منظر ہے۔''

صائمہ کی بات پر رخشندہ کے جیسے زخم ہرے ہو گئے۔ فوراً بولیں۔۔۔

''ہائے ہائے ہمیں کیا پتا تھا۔ بھابھی اتنی نازک مزاج نکلے گی۔ وہ تو بس ایک کام ہی جانتی ہیں۔ سارے ہاتھ پیر کان ناک پہ بلیچ کیسے کرنی ہے۔ اب بھائی بھی ہمارا ایک ہی ایک ہے۔ دو چار ہوتے تو امی دوسرے بیٹے کے ساتھ رہ لیتیں۔ اس بہو کی نوکرانی تو نہ بنتیں۔''

''تو رخشندہ اسی بھائی کی دو شادیاں اور کروا دو۔ ماشاءاللہ جوان جہان ہے۔ رزق اللہ نے دیا ہوا ہے۔ اُسے کیا مشکل تین بیویاں آسانی سے رکھ سکتا ہے۔''

اماں وڈی کے مشورے پہ رخشندہ نے کانوں کو ہاتھ لگائے۔

”آئے ہائے اماں وہ شوہر کو ویسے ہی گنجا کردے گی۔ وہ تو اسکا بہنوں کے پاس بیٹھنا پسند نہیں کرتی کجا کہ ایک اور عورت برداشت کرے گی۔ اب تو اولاد ماشااللہ سے جوان ہوگئی ہے۔ اللہ انکو گرم ہوا بھی نہ چھوئے۔“

”شودھی جھلی۔۔۔!! دیکھو ذرا اسکو ابھی بھرجائی کی زیادتیاں یاد کر رہی تھی۔ اب اُسی کی اولاد کو دُعائیں دے رہی ہے۔“

”اماں میرے بھائی کی اولاد ہے۔ بھابھی بھی بدید ہے۔ تو ہمارے ساتھ ہی ہے۔ اپنے شوہر کا خیال تو کرتی ہی ہے۔ اور ہمارا کیا ہے۔ کبھی کبھار جانا ہوتا ہے۔ وہ بھی اپنی ماں کے دم کو۔ بس دُکھ آتا ہے۔ جب ماں کو مشقت کرتے دیکھتی ہوں۔ ساری عمر اُنہوں نے کام ہی کیے ہیں۔ آخری عمر تو آرام ملے۔“

”تائی اماں ابھی خود ہی تو کہہ رہی تھیں۔ آپ نے اپنی امی کی بڑی خدمت کی۔“

”پُتر ہم نے تو کی۔ اب تو بیٹے کی باری ہے۔ پر ہر کوئی ہماری اماں وڈی کی طرح خوش قسمت نہیں ہے۔ جنکی اولاد بوڑھی ہوگئی پر آج بھی ہر کام میں اپنی ماں کو آگے رکھتے ہیں۔“

”میری دھی یہ اُس ڈنڈے کا کمال ہے۔ جو آج تک میں نے اپنے ہاتھ میں رکھا ہوا ہے۔ ورنہ میرے گھر میں بھی کیسی کیسی تحریکیں جنم لے چکی ہیں۔ تم واقف ہی ہو۔“

اماں وڈی نے اندر سے آتی شمیم کی جانب آنکھ سے اشارہ کر کے جتایا تو رخشندہ سمیت سب کے لبوں پر مسکراہٹ دوڑ گئی۔

شمیم نے سوئس لان کا ہلکے رنگوں کا خوبصورت پرنٹ پہنا ہوا تھا۔ سلیقے سے سجا دوپٹہ صاف سُتھرے ہاتھ پیر ' ایک کلائی میں سونے کے کڑے دوسری میں راڈو کی گولڈن گھڑی ' سفیدی مائل سانولا رنگ ' وہ بلاشبہ ایک بڑی وضعدار خاتون تھیں۔

”اماں میری ابھی رشتے والی سے بات ہوئی ہے۔ اُس نے بتایا ہے۔ لڑکی کو دو دن کی چھٹی ملی ہے۔ کل اپنے گھر آرہی ہے۔ ہم لوگ بھی کل ہی جا کر اُسکو دیکھ آئیں۔

”اچھی بات ہے۔ کدھر جانا ہے؟۔۔۔“

”لاہور گلبرگ میں ہوتے ہیں۔ اُنکی طرف سے ایک مطالبہ ہوا ہے۔“

"رشتہ ابھی ہوا نہیں ہے۔ پہلے ہی مطالبے شروع ہو گئے۔ کیا کہتے ہیں؟"۔
"لڑکی کی بہنیں وغیرہ کہہ رہی ہیں۔ ہم لڑکے کو ساتھ لیکر ہی آئیں۔"
"ہم اکیلے لڑکے کو ہی بھیج دیتے ہیں۔"
"وہ کہہ رہی ہیں۔ اسطرح سے وقت کی بچت ہو گی۔ لڑکی ایک پرائیویٹ ہسپتال میں نوکری کر رہی ہے چونکہ ابھی نوکری نئی ہے۔ روز روز چھٹی نہیں مل سکتی۔ اسلیے اگر پہلی ملاقات میں ہی لڑکا لڑکی ایک دوسرے کو پسند یا ناپسند کر دیں۔ تو دونوں خاندانوں کا وقت بچ جائے گا۔"
رضیہ چچی بولیں۔
"مان گئے بھئی پڑھے لکھے لوگ کتنے سیانے ہوتے ہیں۔ کتنا وقت کا خیال کر رہے ہیں۔ ایک ہم ہیں دس دس دفعہ ایک جگہ رشتہ دیکھنے جاتے ہیں۔ اینڈ پر نہ بول کر واپس آ جاتے ہیں۔"
"بیٹھی رہو تم اتنی سیانی۔۔۔ دیکھ پرکھ کر ہی رشتے کرنے چاہیں۔ اور ایک ملاقات میں کسی کی اصلیت نہیں کھلتی ہے۔ پتا تو تب ہی چلتا ہے۔ جب لڑکی گھر آ جاتی ہے۔ پھر رنگ کھلتے ہیں۔ لڑکے کی ماں کے بھی اور نئی آنے والی کے بھی۔"
اماں وڈی کو درمیان میں ٹوک کر شمیم نے استفسار کیا۔
"اماں کیا پھر آپ کی اجازت ہے۔ میں اُنکو کل کے لیے ہاں کر دوں؟"۔
"اپنے بیٹے سے پوچھو' شوہر سے مشورہ کرو جنھوں نے جانا ہے۔"
"آپ نے بھی تو جانا ہے۔ اور بڑی تو آپ ہی ہیں۔ جیسے آپ کہیں۔۔۔"
"میں کیسے جا سکتی ہوں۔ تاشفہ چھٹی پر گئی ہوئی ہے۔ تمہیں علم ہی ہے اُسکے بغیر میں کہیں نہیں جاتی۔"
"جی جانتی ہوں۔ آپ نے خوامخواہ خود کو اُس لڑکی کا محتاج بنایا ہوا ہے۔ کرتی ہی کیا ہے آپ کے لیے جو پچاس ہزار تنخواہ رکھی ہوئی ہے؟۔۔۔ یہ پورا ماہ تو اُس نے ماں کے ساتھ ہی گزارا ہے۔ تنخواہ کاٹ لیجیے گا۔"
"دیکھ دجیے میں کسی کو اُجرت پر پچاس ہزار دوں۔ لاکھ دوں' یا مفت میں ہی دو چار دے دوں تم فکر یں نہ پالا کرو۔ یہ میری ذاتی کمائی ہے۔ جس میں سے اپنی مددگار کو اُسکا حصہ دیتی ہوں۔ پورے دو مربع زمین مجھے

باپ کی جانب سے ترکے میں ملی ہے۔ میں ایک چھوڑ چار لوگ اپنی مدد کے لیے رکھ لوں۔ مجھے کون روک سکتا ہے؟۔" بادلنخواستہ شمیم کو ہاں ملانی پڑی۔

"جی ٹھیک کہہ رہی ہیں۔ اُسکو فون کر دیں۔کل صبح تک آجائے۔"

"ہمارے پیچھے کوئی پولیس تو نہیں لگی ہوئی۔ کہ ابھی کے ابھی لڑکی والوں کی بات مانی جائے۔ اور وہ بن باپ کی بچی جیسے میرے فون کے ہی انتظار میں بیٹھی ہوگی۔ اور تو اُسکو کوئی کام نہیں ہے۔تمہاری سگی بھتیجی ہے۔ ہم سب اُس دن سے کہہ رہے ہیں۔ بیمار ہو کر چھٹی پر گئی ہے۔ اللہ شفایاب کریں۔تم اتنی پتھر دل ہو۔ اتنا نہیں ہوا۔ ایک دفعہ فون کر کے خیریت ہی پوچھ لو۔ جن سے دن رات رابطے میں رہتی ہو وہ اگر بھائی بہن ہیں۔ تو یہ بھی تمہارے مرحوم بھائی کی بیٹی ہے۔ اسکا تم پر زیادہ حق ہے۔"

"اماں میرے سامنے اُس منحوس کا نام مت لیا کریں۔ باپ اور بھائی کو نگل گئی ہے۔ میرے تو بس میں ہی نہیں۔ ورنہ میں اُسکا سایہ بھی اپنے گھر پر نہ پڑنے دوں۔ آپ کو بھی یہی کہوں گی۔ اُس سے جان چھڑوا لیں۔ ایسے غلیظ انسانوں کو تو موت بھی نہیں آتی ہے۔"

"استغفراللہ۔۔۔ استغفراللہ۔۔۔ استغفراللہ شمیم تم اپنا غرور کنٹرول کرو۔ اللہ کو ایسے بے درد دل ذرا بھی پسند نہیں ہیں۔کبھی قرآن کو ترجمے کے ساتھ پڑھ کر تو دیکھو۔ اللہ کہتا ہے۔ جب ان پر اپنی نوازشیں کروں تو کہتے ہیں۔ یہ سب ہماری اپنی کمائی ہے۔ اور جب ذرا تکلیف میں مبتلا کر دوں۔ تو دہائی دھاڑے دیتے ہیں۔ کہتے ہیں اللہ نے ہم پر مشکل ڈال دی۔ یہ اللہ کی طرف سے ہے۔ فرمایا نہیں بلکہ یہ جو تم یتیموں کے ساتھ بھلائی نہیں کرتے۔ غریبوں کا نہیں پوچھتے اُسکے بدلے میں اللہ تم پر مشکل ڈالتا ہے۔"

"اپنے بھائی کے بچوں کے لیے دل اتنا تنگ۔۔۔ مجھے اگر ساتھ لیکر جانے کی خواہش ہے۔ تو جان لو میں تو اُس بچی کی محتاج ہوں۔ وہ میرا بڑا خیال کرتی ہے۔ اللہ اُسکو دو جہان کی خوشیاں عطا کریں۔ قیامت والے دن وہ اپنے ماں باپ کے لیے آنکھوں کی ٹھنڈک ثابت ہو۔ بڑی صابر بچی ہے۔"

"اپنی سگی اولاد کو بھی کبھی اتنی دُعائیں دے دیا کریں۔"

"ایک ماں اپنی اولاد ہی کیا کبھی کسی غیر کے لیے بھی بددُعا نہیں کرتی۔ پر کئی لوگ ایسے ملتے ہیں۔ آپ کی

زُبان اُنگوٗ دعائیں دیتے نہیں تھکتی۔''

''میں لڑکی والوں کو ہاں کردوں؟۔۔۔'' شمیم نے ناک چڑھا کر پوچھا۔

''بولا تو ہے۔اپنے شوہر اور بیٹے سے پوچھ لو۔''

''وہ دونوں میرے کہے کا انکار نہیں کرتے ہیں۔صرف آپ کی جانب سے ڈر تھا۔اسی لیے آپ سے ہی پوچھ رہی ہوں۔''

''میرے سعادت مند بچے۔اگر وہ مرد ہو کر تم سے اختلاف کی جرات نہیں رکھتے تو میری کیا مجال ہے۔جاؤ کہہ دو ہم کل آجائینگے۔''

شمیم ساس کے طنز پر آنکھیں گھماتی ہوئیں چلی گئی۔

اُنکے وہاں سے جانے پر اماں وڈی با آواز بڑبڑائیں۔یہ عورت نہیں بدل سکتی۔چاہے دنیا ادھر کی اُدھر کیوں نہ ہو جائے۔عاشو پتر جا ذرا تاشی کا نمبر تو ملا۔''

''جی دادو۔۔۔''



دُکھ لکھے 'میں چاہتی ہوں کوئی میرے اندر کا دُکھ کاغذ پہ لکھے۔کیا بھلا میرا دُکھ دیکھ کر پڑھ کر کوئی محسوس کرے گا۔؟۔کسی کو احساس ہوگا میں کس قدر اذیت میں ہوں۔کیا صرف پڑھ لینے سے میرے دُکھ کی گہرائی ماپی جاسکے گی؟۔

جسم پہ روگ ہو انسان ڈاکٹر کے پاس جاتا ہے۔جنرل ڈاکٹر کو سمجھ نہ آئے تو سپیشلسٹ کے پاس جاتا ہے۔ جب روح روگی ہو جائے۔خود اپنے آپ سے نظر نہ ملائی جائے۔کہیں امان نظر نہ آئے۔زندگی کی ساری رنگینی کو کالے پینٹ کا برش مار کر سیاہ کر دیا جائے۔تو انسان کیا کرے؟۔۔۔کس طبیب سے رابطہ کرے؟ کس کو نبض دکھائے۔کیا خوشی کہیں دُکان سے ملتی ہے۔جو انسان ایک کلو کے حساب سے خرید لائے اور گھر آکر پانی کے ساتھ نگل لے۔اُسکے اندر باہر کا موسم بدل جائے۔جب تک دوا کی تاثیر رہے انسان سارے غم بھول جائے۔

مگر یہ ممکن ہوتا تو دنیا میں انسان کو چاہیے ہی کیا تھا۔ اپنے اپنے درد ایک باکس میں بند کرتے دریا میں بہا دیتے۔ خود خوش رہنے کی دوا کھا کر مست ہو جاتے۔

اُس نے ہتھیلی پہ رکھی گولیوں کو ایک بار پھر گھورا۔ نیلی پیلی سفید سُرخ پوری چار گولیاں تھیں۔ اُسکو انکے ذائقے سے کب کی نفرت ہو چکی تھی۔ مگر اس کے باوجود جب ضرورت پڑتی وہ فوراً سے اپنا باکس کھول کر دوا پھانک لیتی۔

وہ اپنے صحن میں لگے جھولے پر گردن جھکائے بیٹھی تھی۔ دونوں بازوؤں کے گھیرے میں جھولے کہ رسی تھی۔ مگر وہ جھولا جھول نہیں رہی تھی۔ ایسے ہی سر جھکا کر بیٹھے تین گھنٹے گزر گئے تھے۔ پہلے جھولے پر چھاؤں تھی۔ مگر جوں جوں سورج سوا نیزے سے اُتر کر دوسری جانب جا رہا تھا۔ سایے لمبے ہونے سے ذرا پہلے کا وقت تھا۔ ہلکی ہلکی دھوپ جھانکنے لگی تھی۔

اُسکی چھوٹی بہن پانچ منٹ پہلے ماں کے کہنے پر اُسکو دوا اور پانی کا گلاس پکڑا کر گئی تھی۔ ساتھ خاص تاکید کے کھالو۔ مگر وہ ابھی تک ویسے ہی بیٹھی گولیوں کو دیکھے جا رہی تھی۔

”تاشی آپی آپکا فون بج رہا ہے۔“

جس بے تابی سے وہ اُٹھ کر اندر کو بھاگی تھی۔ دوا ہاتھ سے گر گئی۔ پانی کا گلاس فرش گیلا کر گیا۔ ماں نے یہ منظر بڑی حیرت سے دیکھا تھا۔ اپنے کمرے میں تک وہ بھاگتی ہوئی گئی تھی۔ فون چوبیس گھنٹے ہاتھ میں لیے گھومتی تھی۔ اس وقت چارجر پر لگا ہوا تھا۔ کانپتے ہاتھوں میں فون تھام کر کالر کی آئی ڈی دیکھی۔

وڈی اماں کا نام دیکھتے ہی اُس نے غصے سے فون فرش پر دے مارا فون کی بیٹری اور باڈی الگ ہو کر کمرے کے کھلے دروازے سے باہر جا گری۔

اُس نے اپنے حلق سے نکلتی چیخوں پر بند باندھتے ہوئے جلدی سے دروازہ اندر سے لاک کر لیا۔

اور منہ پہ دوپٹہ رکھ کر اپنے آپ کو آنسوؤں کے حوالے کر دیا۔

”صرف ایک میسج ہی کر دیتے۔ یہ بتانے کو ہی میسج کر دو کہ اب تم سے محبت نہیں رہی۔ میں ایک مہینے سے پل پل مر رہی ہوں۔ کیا تم تک میرے دُکھ کی آواز نہیں جاتی ہے؟“

''اگر مجھے ایسے ہی چھوڑنا تھا۔تو کیوں اتنے قریب آئے۔ مجھے اپنا عادی کیوں بنایا۔دواؤں کے سہارے جی رہی تھی نا۔ میں جینا سیکھ لیتی تم نے مجھے ایسا نہیں کرنے دیا۔دن رات اپنی جانب متوجہ رکھا۔میری آنکھوں میں خواب سجائے۔''

''نہیں قصور تمہارا ابھی نہیں سارا قصور میرا ہے۔تم تو میرے بارے میں کچھ جانتے ہی نہیں ہو۔تم جس لڑکی سے آج تک محبت کرتے آئے ہو۔وہ میں کب تھی۔وہ تو نہ جانے کب کی مرگئی۔تم سے ملنے سے پہلے ہی مرگئی ہوئی ہے۔میں ہی غلط ہوں۔ظاہری بات ہے۔میری اصل شخصیت جاننے کے بعد تم نے کب مجھ سے تعلق رکھنا تھا۔اچھا ہوا جو بھی ہوا۔''

کرسی پر دونوں گھٹنوں میں سر دیئے خود ہی شکوے اور خود ہی دلیلیں دے رہی تھی۔دروازے کا لاک باہر سے کھولنے کے بعد خالدہ اندر آئیں۔کان کے ساتھ تاشفہ والا ہی فون لگایا ہوا تھا۔چہرے پر پریشانی ہی پریشانی تھی۔''میں تو خود سمجھ نہیں پارہی ہوں۔اسکو اچانک سے ہو کیا گیا ہے۔جس دن سے گھر آئی ہے۔دو وقت کی روٹی بھی مشکل سے کھلا رہی ہوں۔بس سمجھیں زبردستی کرکے اسکے پیٹ میں ایندھن بھیج رہی ہوں۔ڈاکٹر کے پاس جانے سے بھی مکر گئی تھی۔میں خود ہی جاکر اسکی حالت بتا کر اُس سے دوا لے آئی تھی۔وہ بھی یہ تین وقت لینے والی گولیاں دن میں بمشکل ایک دفعہ لے رہی ہے۔ساری رات نہیں سوتی ہے۔میں بار بار اُٹھ کر دیکھتی ہوں۔آیا نیند آگئی ہوگی۔پر ویسے ہی بیٹھی ہوتی ہے۔آنکھوں کے گرد حلقے حد سے گہرے ہو گئے ہیں۔وزن بھی کم ہو گیا ہے۔میں بڑی دُکھی ہوں۔مجھے سمجھ نہیں آتا میں مزید کیا کروں۔مجھے اپنی بیٹی جتنی عزیز ہے۔اُتنا ہی اسکی زندگی مشکل ہے۔''

''خالدہ بیٹی میری بات سُنو۔''

''چوہدرانی جی میرے میں اب حوصلہ نہیں رہا ہے۔آجاکر اسی کو دیکھ کر جیتی ہوں۔اور جب یہ کسی چیز کو سر پہ سوار کر لیتی ہے۔تب قطرہ قطرہ یہ نہیں مرتی۔میں مرتی ہوں۔''

وہ خود بھی رو رہی تھیں۔

تاشفہ ویسے ہی سر گھٹنوں میں دیئے بیٹھی تھی۔آنسو تھم گئے تھے۔آنکھیں موندے بیٹھی تھی۔کاش کسی کا بھی

سامنا نہ کرنا پڑے۔

''خالدہ ہمت سے کام لو بیٹی۔اور تم نے مجھے پہلے یہ سب کیوں نہیں بتایا۔میں اس پریشانی کی جڑ تک جاتی۔یہ تو آج میں نے خود فون کرلیا ہے۔ورنہ میں تو بے خبر ہی رہتی۔اُسکو فون دو میں اسکی خبر لوں۔بڑھاپے میں ماں کا خون جلا رہی ہے۔جھلی لڑکی۔۔۔''

خالدہ نے دوپٹے کے پلو سے آنسو صاف کرتے ہوئے اُسکو مخاطب کیا۔

''تاشو چوہدرانی جی سے بات کرلو''

''امی آپ فون رکھ دیں۔میں بات کرلونگی۔آپ یہاں سے جائیں۔''

اُس نے سر نہیں اُٹھایا کہ اپنی حالت ماں سے چُھپانا چاہتی تھی۔دھیمی سی آواز میں شرمندہ سے لہجے میں بول رہی تھی۔

خالدہ نے سر اثبات میں ہلایا اور فون اُسکے پاس رکھ کر باہر کو نکل گئیں۔چھوٹی مافیہ دروازے میں اُداس چہرہ لیے کھڑی تھی۔اُسکو بھی ساتھ لے گئیں۔اپنے پیچھے دروازہ بند کردیا۔جانتی تھیں۔چوہدرانی اب اُس سے سب اُگلوا کر ہی دم لیں گی۔

اُس نے سر اُٹھایا۔آنکھیں لال انگارہ ہو رہی تھیں۔بال پسینے اور آنسوؤں سے گیلے ہو کر چہرے پہ چپکے ہوئے تھے۔اُس نے بال ہٹائے دوپٹے سے چہرہ اچھی طرح صاف کرنے کے بعد فون اُٹھایا۔

''ہیلو؟۔۔۔''

''مجھے تم سے یہ ہرگز اُمید نہیں تھی۔تمہارے اور میرے درمیان بہت سال پہلے ایک وعدہ ہوا تھا۔اور یہ وعدہ تمہارے باپ کی موجودگی میں کیا گیا تھا۔اپنے باپ کے بعد تمہیں کبھی کوئی پریشانی ہوگی۔تم سیدھی میرے پاس آؤ گی۔ہوا تھا یا نہیں؟۔۔۔''

''جی ہوا تھا''

''پھر تم نے یہ حرکت کیوں کی ہے؟۔۔۔''

''وہ مجھ سے ناراض ہو گئے ہیں۔پورا مہینہ گزر گیا ہے۔اُنہوں نے ایک دفعہ بھی میسج نہیں کیا۔نہ میرے

کسی فون کا جواب دیا ہے۔''

''اتنی سی بات پر تم پریشان ہو۔؟

''یہ اتنی سی بات نہیں ہے۔ وہ مجھ سے ملنے آئے تھے۔ اور میں۔۔۔''

آگے آنسوؤں نے آواز بند کر دی۔

''تم یا تو رو لو۔ یا میرے سے بات کر لو۔''

اُس نے جیسے تیسے اُنکو ساری بات بتا دی۔

''پاگل لڑکی ملنے کیوں آیا تھا؟ مجھے تب بتایا ہوتا۔ میں جا کر اُسکی دُھلائی کر کے آتی۔ فون تک بات کرنے کی حد تک ٹھیک ہے۔ ملنے ملانے کے چکر میں بالکل نہیں پڑنا۔''

''آپ تو ایسے کہہ رہی ہیں۔ جیسے میں نے اُنکو بصد اصرار بلایا تھا۔''

''یہ مہینے بھر سے بیماری بس اس بات کی ہی ہے؟ یا کچھ اور بھی؟۔''

''یہ کیا کم ہے؟۔''

''میں ڈرائیور کو بھیج رہی ہوں۔ تم تیاری پکڑو۔ شام سے پہلے ادھر ہونا ہے۔''

''میری حالت کام پہ واپس آنے والی نہیں ہے۔ سب یونہی باتیں بنائینگے۔ کچھ دن اور چھٹی دے دیں۔''

''میں تو آ نہیں سکتی۔ تمہیں ہی آنا ہے۔ لوگوں کی فکر نہ کرو۔ تم اپنے کمرے تک محدود رہنا۔''

''پرسوں آجاؤنگی۔''

''نہ کل نہ پرسوں۔ میری الماری دھونے والے کپڑوں سے بھری ہے۔ دوا کی کل دو خوراکیں بھول گئی تھی۔ آج ایک بھی نہیں کھائی۔ میرے بستر میں سے بد بو آنے لگ گئی ہے۔ یہ سارے کام میرے کسی نے نہیں کرنے۔ جب سے تمہاری ذمہ داری لگائی ہے۔ یہاں تو سب کے سر سے جوں ہی مر گئی ہے۔ ہاں احسان کر کے دو وقت کھانا پوچھ لیتی ہیں۔ یہی بہت بڑی بات ہے۔''

''آپ کبھی کسی سے خوش نہیں ہو سکتی ہیں۔''

''اچھا اب میرا منہ نہ کھلوانا۔ یہاں کس کو پرواہ ہے مائی کل کی مرتی آج مر جائے۔ ہمیں تو آزادی ملے۔''

''باجی حرا' اُنکے بھائی' واسع بھائی سب تو آپکا اتنا خیال کرتے ہیں۔''

''رہنے دو تم آئیں بڑی حمایت کرنے والی۔ واسع کے ماں باپ کو بول دیا ہے۔ ایک مہینہ بعد کے دن رکھ کر اپنی بہو کو رخصت کروا کر اپنی طرف لے جائیں۔ یہ کام بھی نمٹے۔ تم تیاری کرو۔ ڈرائیور زمان کے کام سے اُسی طرف نکلا ہوا ہے۔ آتے ہوئے تمہیں لے آئے گا۔ چہرہ اگر زیادہ خراب لگ رہا ہو تو میک اپ کر لینا۔''

''میک اپ مجھ پہ نہیں جچتا ہے۔''

''ہر بات کا جواب تو تمہارے پاس پہلے سے تیار پڑا ہوتا ہے۔ میں فون رکھ رہی ہوں۔ شام کے کھانے پر ملاقات ہوتی ہے۔''

''اللہ حافظ اماں۔۔۔''

''اللہ دے حوالے میری دھی۔''

کال بند کرنے کے لیے سکرین پر نظر ڈالی تو نیا صدمہ ہوا۔ پھینکنے کی وجہ سے سکرین میں کریک آ گیا تھا۔ فون رکھ کر باہر آئی۔ بغیر کسی کے ساتھ نظر ملائے۔ باورچی خانے سے پانی کا گلاس بھرا اور باہر آ کر نیچے بیٹھ کر فرش پہ گری نیلی پیلی دوا اُٹھا کر پانی کے ساتھ پھانک گئی۔ اب دس پندرہ منٹ بعد اُسکے اعصاب پُر سکون ہونا شروع ہو جانے تھے۔ دماغ نے کام کرنا شروع کرنا تھا۔ امی کو ڈرائیور کی متوقع آمد کا بتانے کے بعد تیاری کرنے لگی۔

☆......☆......☆

''آپ پولیس سے رابطہ کیوں نہیں کرتے؟ میرا معصوم بچہ نہ جانے کس حال میں ہوگا۔ میں کیسے جیوں؟ میرا کلیجہ کٹ رہا ہے۔ مجھے کوئی کہیں سے میرا بیٹا کیوں نہیں لا دیتا۔''

''میں کوشش تو کر رہا ہوں۔ اور کیا کروں؟۔''

''آج پورے دو ماہ ہو گئے۔ کیسی کوشش کر رہے ہو۔ جو ابھی تک اُسکا ہلکا سا بھی سُراغ نہیں لگا پائے ہو۔''

''تم صبر کرو۔ دُعا کرو۔ انشا اللہ تمہارا بیٹا تمہیں واپس مل جائے گا۔''

''میرے میں اور صبر نہیں ہے۔ میں دُعائیں کر کر کے تھک گئی ہوں۔ میری کوئی سُنوائی ہی نہیں ہے۔ نہ اس

دنیا میں کوئی میرے سُن رہا ہے۔ نہ وہ نیلے آسمان والا میری سُن رہا ہے۔ میں کہاں جا کر فریاد کرو۔ کون میری جھولی میں بھیک ڈال دے گا۔ مجھے میرا بچہ لا دو۔ مراد علی تمہیں اللہ کا واسطہ ہے۔ مجھے میرا بابر لا دو۔ اُسکی کس کے ساتھ کوئی دشمنی تھی؟ وہ تو گھر سے کھیلنے کی نیت سے باہر گلی میں گیا تھا۔ پھر واپس کیوں نہیں آیا؟ ہائے مجھے علم ہوتا میں اُسکو کیوں جانے دیتی۔ میں اپنے چاند کے ساتھ چلی جاتی۔ وہ صرف چار سال کا ہے۔ مُراد علی میرا بابر صرف چار سال کا ہے۔ اُس نے تو ابھی دنیا بھی نہیں دیکھی۔ مجھ سے کہہ رہا تھا۔ ممی آج دودھ والی سوئیاں بنا دیں۔ میں بے خبر کملی جھلی سوئیاں بناتی رہ گئی ہوں۔ میرا بیٹا مجھ سے چھن گیا۔"

"کتنا رونا چاہتی ہو۔؟ پچھلے دو ماہ سے رو رہی ہو۔ کیا وہ تمہاری تڑپ سُن کر واپس آ گیا ہے؟۔ میری طرف دیکھو۔ میں زندہ لاش کی طرح چل پھر رہا ہوں۔ تم کیا سمجھتی ہو۔ مجھے تکلیف نہیں ہے۔ کیا میرا دل نہیں روتا ہے؟۔ میں تمہارے پاس تھوڑا سا حوصلہ اُدھار لینے کے لیے آتا ہوں۔ تاکہ میں دوبارہ سے اپنے پیروں پر کھڑا ہو کر جاؤں اور مزید جدوجہد کروں۔ اس لیے ایسی باتیں کر کے مجھے درگونہ کیا کرو۔"

مُراد علی نے بیوی کے روتے کانپتے وجود کو اپنی بانہوں میں سمیٹ لیا۔

لاہور کا رہائشی چالیس سالہ مراد علی ایک سرکاری آفسر ہے۔ اُسکی بیوی افشاں اٹھائس سال کی ہے۔ دونوں آپس میں کزن بھی ہیں۔

دو ماہ پہلے اُنکا چھوٹا بیٹا بابر علی شام کے وقت گھر پہ ٹیوشن پڑھ کر فارغ ہوتے ہی اپنے بھائی کے ساتھ باہر کھیلنے کو نکل گیا۔ بابر سے بڑا سعید تو آدھے گھنٹے بعد گھر واپس آ گیا۔ مگر بابر نہیں آیا۔ سعید ماں کے کہنے پر اُسکو لینے کے لیے گیا۔ سارے دوستوں کے گھر پہ دیکھ لیا۔ جس گراؤنڈ میں سب مل کر کھیلتے تھے۔ وہاں دیکھ لیا۔ کہیں نشان نہ ملا۔☆

نہ جانے زمین نگل گئی۔ یا آسمان کھا گیا۔ سارا علاقہ چھان مارا مگر بابر علی کا کہیں سوراغ تک نہ ملا۔ کوئی کہتا نہر کی طرف جاتے دیکھا گیا تھا۔ کوئی کہتا اُس دن ایک بہت بُرا ایکسیڈنٹ ہوا تھا۔ باڈی کو ہسپتال پہنچا دیا گیا تھا۔ مگر سارے ہسپتال چھان مارے۔ بابر علی کہیں نہیں تھا۔ ماں رو رو کر نیم دیوانی ہو چکی تھی۔ باپ صبر کا پہاڑ بنا ڈٹا ہوا تھا۔ اپنا پیسہ عہدہ تعلقات سب کچھ استعمال میں لانے کے بعد بھی ابھی تک کامیابی نہیں ملی تھی۔ یہ تک کا

علم نہ تھا۔آیا وہ زندہ بھی ہے۔یا۔۔۔؟۔۔۔
بابر سے بڑی ایک بہن اور ایک بھائی ہے۔ماں نے اُن دونوں کو سکول سے اُٹھوا لیا ہے۔اُنکو ایک پل اپنی نظر سے دور نہیں ہونے دیتی۔
ہر وقت بابر کی تصویر کو سینے سے لگائے یا تو روتی رہتی ہے۔یا پھر جائے نماز پر بیٹھ کر لمبے لمبے سجدے دیتی ہے۔دیکھنے والی آنکھ سے اُس ماں کا دُکھ دیکھا نہیں جاتا۔اُسکے ہاڑے سُننے والے کان دُعا کرتے ہیں۔کاش سماعت چھن جائے۔کیونکہ اُس ماں کا دُکھ سُنا نہیں جاتا۔اُس صورت میں جب وہ خود نہیں جانتی تھی۔زندہ بیٹے کی واپسی کے لیے رو رہی ہے۔یا وہ چلا گیا ہے؟۔۔۔"
ایسا خیال بھی اُسکو وقتِ نزع جیسی تکلیف دیتا تھا۔جیسے روح کو جسم میں سے کھینچا جا رہا ہو۔

محمد بخشا پُتر مرے نہیں پلدے
بھانویں ہو کے مرن فقیر۔۔۔

☆......☆......☆

کُرسی پہ ٹیک لگا کر نیم دراز بیٹھے ہوئے اُس نے ٹانگیں سامنے میز پر رکھی ہوئی تھیں۔ہاتھ میں کرکٹ گیند تھا۔جس کو سامنے دیوار پر اُچھالتا۔اور گیند کے واپس آنے پر لمبے بازو اُوپر کو اُٹھا کر اُسے کیچ کرتا۔
درمیان میں میز پر کُھلے کمپیوٹر پر ایک نظر ڈال لیتا۔آنکھیں نیند کی کمی کیوجہ سے کالی ہو رہی تھیں۔موبائل کی بیل پر اُس نے گردن موڑ کر سکرین پر آنے والے نمبر کو دیکھا۔چہرے پر اُلجھن آئی۔اگلے پل ٹانگیں میز سے اُتار کر فون اُٹھاتا ہوا۔باہر بالکونی میں نکل آیا۔
"بڑی بات ہے۔آج بڑے لوگوں کو ہماری یاد تو آئی۔"
"یاد کے کُچھ لگتے۔میں نے تمہاری خبر لینے کے لیے فون کیا ہے۔"
چوہدرانی کی گرج پر وہ دھیرے سے مُسکراتے ہوئے بولا۔
"خیر خبر یا بس خبر خبر۔۔۔؟۔۔۔"
"کیا تم تاشفہ سے ناراض ہو؟۔"

''اوہ۔۔۔تو سفارشی بن کر آئی ہیں۔''

''نہیں اُسکی بڑی بن کر آئی ہوں۔تم اُسکو ملنے کیوں آئے تھے؟''

''میرا اور اُسکا تعلق کتنا پرانا ہے؟ کیا آپ اس بات سے ناواقف ہیں؟''

''نہیں میں جانتی ہوں۔تم ایک دوسرے کو پانچ سال سے جانتے ہو۔''

''تو پھر بھی یہ سوال کر رہی ہیں۔کہ میں اُس سے ملنے کیوں آیا؟۔۔۔''

''تم نے اگر اُس سے ملنا تھا۔تو مجھے بتا کر آتے میری موجودگی میں ملتے۔''

''میں کیا دودھ پیتا بچہ ہوں۔جو سُپر ویژن کے بغیر ایک لڑکی کو مل بھی نہیں سکتا۔''

''دودھ پیتے بچے ملاقات کا مطالبہ بھی نہیں کرتے۔''

''میں بہت اچھی طرح سمجھ رہا ہوں۔آپ اس وقت میرے پر حملہ کر کے اُسکی غلطی کو چھپانے کی کوشش کر رہی ہیں۔''

''اُس نے کوئی غلطی نہیں کی۔''

''ہاں آپ کہہ سکتی ہیں۔مگر مجھے آپ سے اتفاق نہیں ہے۔''

''کیا تم اُسکے ساتھ مخلص ہو؟ یا ٹائم پاس کر رہے ہو؟''

اس بات پر غُصے سے لوہے کی گرل پر گرفت مضبوط ہو گئی۔

''کیا آپ جانتی بھی ہیں؟ وقت گزاری کے لیے بنے تعلق کیسے ہوتے ہیں؟ وقت گزاری کے لیے بنائے گئے تعلق آپ کی رات رنگین رکھتے ہیں۔دن میں عیاشی کرواتے ہیں۔میری طرح دل کے روگ نہیں بنے ہوتے۔آئیندہ سوچ سمجھ کر بولیے گا۔''

چوہدرانی یوں دب جانے والی ہوتیں۔تو چوہدرانی کیوں ہوتیں۔

''پھر تم اپنے ماں باپ کو اُسکے گھر بھیجو۔''

''پہلے تو شائد ایسا ہی کرتا۔مگر اب نہیں۔''

''اب کیوں نہیں؟۔۔۔''

''یہ آپ اُس سے پوچھئے گا۔جس نے مجھے ہوس کا مارا ہونے کا طعنہ دیا ہے۔''

''اچھا تو اب تم اتنی سی بات پر تعلق توڑ دو گے۔''

''تعلق نہیں ٹوٹ سکتا ہاں اُس کی طرح میں بھی بے حس ہونے کا سوچ رہا ہوں۔''

''آج کل اُسکی جو حالت ہے۔کیا اُس سے واقف ہو؟۔''

''میرا خیال ہے۔ہمیشہ کی طرح مزے میں ہوگی۔اب تو اُسکو دن رات کوئی تنگ بھی نہیں کرتا۔''

''وہ ٹھیک نہیں ہے۔''

''اسکا کیا مطلب ہوا؟۔''

''تمہارے یوں ناراضگی دیکھانے کی وجہ سے وہ شدید ڈپریشن میں ہے۔''

وہ بے یقینی سے اپنی جگہ تھم گیا۔جبکہ وہ مزید بتا رہی تھیں۔

''اُسکی ماں بہت پریشان ہے۔تاشفہ ڈپریشن برداشت نہیں کرسکتی۔اُسکی انگزائیٹی اتنی بڑھ جاتی ہے۔وہ راتیں جاگ کر گزارتی ہے۔اگر وہ تمہارے لیے واقعی کوئی اہمیت رکھتی ہے۔تو اُس کے ساتھ اپنا رابطہ بحال کرو۔ورنہ ایک دو ماہ اور گزر جائیں تو اُسکی جنازے میں شرکت کو آ جانا۔''

کال بند ہوگئی۔اور اُسکے کانوں میں سائیں سائیں ہو رہی تھی۔

بس ایک ہی جملے کی بازگشت رہ گئی۔

''اگر وہ تمہارے لیے اہمیت رکھتی ہے۔''

دور اُفق کی روشنی میں دیکھتے ہوئے یوں لگا جیسے دل نے اتنے دنوں بعد آج اسی پل دوبارہ دھڑکنا سیکھا ہے۔بے اختیار اُسکا سیدھا ہاتھ اپنے دل پر گیا۔یوں محسوس ہو رہا تھا۔اندر کوئی چیز پگھل کر قطرہ قطرہ ٹپک رہی ہو۔

☆......☆......☆

تین آدمیوں کی تصویریں اُسکے مانیٹر کی سکرین پر موجود تھیں۔دو کی تصدیق نادرا والوں نے کر دی تھی۔ایک کی ابھی نہیں ہو پائی تھی۔

''منیر جو تیسرے بندے کا پیچھا کر رہا ہے۔اُسکا نمبر ملاؤ۔''

''جی سر۔۔۔''

منیر نے نمبر ملا کر کارڈلیس اُسکے حوالے کر دیا۔وہ ایک بڑے سے بورڈ پر لگے نقشے کے اوپر مختلف شہروں کو ہائی لائٹ کر رہا تھا۔

''جی سر؟۔۔۔''

''کہاں پہنچے ہو؟۔۔۔''

''سر یہ آدمی بس سٹیشن کی جانب نہیں گیا۔نہ ہی اپنی سواری کروائی ہے۔سر عام سی چنگ چی پر جا رہا ہے۔ مجھے شک یہی ہے۔یہ ٹرین سٹیشن پر جا رہا ہے۔''

''تم اسکے ساتھ ہی رہو۔جیسے ہی کہیں پر رُکتا ہے۔مجھے بتاؤ۔''

''جی سر۔۔۔''

اُس لائن کاٹ دی۔ساتھ ہی پہلی ٹیم کی کال آ گئی۔

''بولو کیا اپ ڈیٹ ہے؟۔''

''سر ٹارگٹ ائرپورٹ پر گم ہو گیا ہے۔''

''یہ کیسے ممکن ہے۔کیا تم لوگ اُسکے ساتھ نہیں تھے؟۔''

''سر ہمارے سامنے ہی تھا۔چیک اِن ڈیسک سب مصروف تھے۔اسی لیے ہم ذرا ہٹ کر انتظار میں بیٹھ گئے۔سر وہ اچانک ہی غائب ہو گیا ہے۔''

اُس نے گالی دیتے ہوئے کہا۔

''بیٹا اگر وہ غائب ہوا ناں تو تم لوگوں کو میں غائب کر دونگا۔''

''سر ہم کوشش کر رہے ہیں۔''

''مجھے کوشش نہیں چاہیے ایوب صاحب مجھے ہر حال میں وہ آدمی چاہیے۔''

''سر ایک اور اہم بات بتانی تھی۔''

''بولو۔''

''سر وہ کسی بیرونی ملک سفر نہیں کر رہا ہے۔ وہ اندرونے ملک جانے والی پروازوں کا پلان پڑھ رہا تھا۔''

''تم بیرونی اور اندرونی دونوں فلائیٹوں کو چیک کرو۔ میں حکام کو اطلاع کر دیتا ہوں۔ وہ تمہاری مدد کریں گے۔''

''جی سر۔۔۔''

اُس نے لائن کاٹتے ہی منیر سے اگلا نمبر ملانے کا بولا۔

ایف آئی اے کے آن ڈیوٹی ایک آفسر کا نمبر تھا۔

''اسلام وعلیکم جناب آپ کا بتایا ہوا آدمی ابھی تک تو ایمی گریشن پر نہیں آیا۔''

''یار سعد میں نے تمہیں ایک نئی تصویر بھیجی ہے۔ یہ آدمی کا اصل حلیہ نہیں ہے۔ گیٹ اپ کیا ہوا ہے۔ اب یا تو اس نے گیٹ اپ اُتار دیا ہے۔ یا کسی طرح ائرپورٹ سے نکل گیا ہے۔ آخری دفعہ میرے آدمیوں نے اسکو ڈومیسٹک لاؤنج میں دیکھا ہے۔ اور وہیں غائب ہوا ہے۔ تم سی سی ٹی وی فوٹیج نکلوا کر کہیں بھی اسکا سُراغ نکالو۔ یہ بھاگنے نہ پائے۔''

''میں اسی وقت آنے جانے راستے والے راستوں کی فوٹیج چیک کرواتا ہوں۔ ہماری ہر طرف سے چوبیں گھنٹے ریکارڈنگ ہو رہی ہوتی ہے۔ اگر وہ ائرپورٹ کے اندر آچکا ہے۔ تو چُھپ نہیں سکے گا۔ میں نے یہ تصویر سب ڈیسکس پر فارورڈ کر دی ہے۔ جہاں کہیں نظر آیا۔ انشاللہ پکڑا جائے گا۔''

''نہیں پکڑنا نہیں ہے۔ پہلے میرا یہی پروگرام تھا۔ جیسے ہی یہ ایمی گریشن پر آئے۔ بہانے سے سائیڈ پر لے جا کر دھر لیا جائے۔ مگر اب صورتحال بدل گئی ہے۔ اگر یہ اندرونِ ملک سفر کر رہا ہے۔ تو مجھے اسکو محسوس بھی نہیں ہونے دینا کہ کوئی اسکا پیچھا بھی کر رہا ہے۔ سمجھ آئی میری بات؟۔۔۔''

''ہاں سمجھ گیا۔ تم چاہ رہے ہو۔ یہ اپنا سفر جاری رکھے تاکہ تم دیکھ سکو یہ کہاں جاتا ہے؟۔''

''ہاں بالکل اگر مل جاتا ہے۔ اور اندرونِ ملک پرواز کرنے کے لیے بورڈنگ کرتا ہے۔ تو اسکے سامان میں یا کپڑوں میں کہیں بھی جی پی ایس چپ لگا دی جائے۔ اس بات کا خاص خیال رکھنا اسکو شک بھی نہ ہونے

پائے۔"

"انشاءاللہ ایسا ہی ہوگا۔میں کام کرلوں۔پھر اپ ڈیٹ دیتا ہوں۔"

"اوکے اللہ نگہبان۔۔۔"

وہ پُرسوچ نگاہوں سے اپنے سامنے پھیلے سارے معلومات والے لیٹرز دیکھ رہا تھا۔اب تک کی گئی ساری تفتیش کی روشنی میں وہ نئے موڑ کو سمجھنا چاہ رہا تھا۔

جب اُسکے موبائل کی بیپ بجی۔۔۔

"ہیلو۔۔۔؟"

"سر مجھے آپکو بتانا تھا۔ابھی دس منٹ پہلے وہ آدمی ایک پیٹرول پمپ پر رُکا تھا۔موقع ملتے ہی میں نے اُسکی ڈکی میں موجود سامان میں جی پی ایس ٹریکر رکھ دیا ہے۔"

"آخر کار مجھے کوئی ایسی خبر مل ہی گئی جس کا مجھے صبح سے انتظار تھا۔ویل ڈن۔۔۔ویری ویل ڈن۔۔۔"

"سر کیا مجھے اسکے ساتھ ہی رہنا ہے؟"

"تم واپس آجاؤ۔فی الحال تم نے اپنا کام کردیا ہے۔"

"جیسے آپ ٹھیک سمجھیں۔"

"تم اپنے دوسرے ساتھی کے ساتھ رابطہ کرو۔مجھے تینوں سسپیکٹس پر جی پی ایس ٹریکر چاہیے۔یہ تین لوگ مختلف ہیں۔مگر ایک ہی لڑی کا حصہ ہیں۔ان میں سے ایک کو بھی اگنور نہیں کرنا۔"

"جی سر میری بات ہوئی ہے۔وہ ٹرین سٹیشن پر گیا ہے۔اگر آپ کہتے ہیں۔تو میں اُسی طرف نکل جاتا ہوں۔"

"ہاں پلیز ضرور۔۔۔کیونکہ پہلی ٹیم میں دو لوگ ہونے کے باوجود گڑبڑ ہوگئی ہے۔اور یہ تو اکیلا ہے۔"

اُس نے دو چار ضروری ہدایات دینے کے بعد فون بند کردیا۔

ڈیڑھ گھنٹے بعد اُسکو خوشخبری دی گئی کہ دونوں مشن خوش اسلوبی سے سرانجام دے جاچکے ہیں۔

"منیر نامی لڑکا مسلسل کمپیوٹر پہ موجود تھا۔

"سر تفتیش کے مطابق یہی لگ رہا ہے۔تینوں لوگ پنجاب کو سفر کر رہے ہیں۔"

"مجھے ہر اُس جگہ کا مکمل ایڈریس چاہیے جہاں بھی یہ لوگ دس سے پندرہ منٹ بھی رُکتے ہیں۔اگر واقعی پنجاب جا رہے ہیں۔تو راستے میں انکا جہاں بھی سٹے ہو۔اپنے لوگ اُدھر بھیج کر پوری چھان بین کرواؤ۔تیسری اہم چیز میرا اسلام آباد کا ٹکٹ کروادو۔"

"ابھی کے لیے ان پر نظر رکھو۔آخری منزل واضح ہوتے ہی اگلا قدم اُٹھائینگے۔میں گھر جا رہا ہوں۔کوئی بات ہو مجھ سے کسی بھی وقت رابطہ کر سکتے ہو۔"

اُس نے میز پہ رکھا اپنا فون اُٹھایا۔جیب میں گاڑی کی چابی کی تصدیق کرتا ہوا باہر نکل آیا۔

☆......☆......☆

"باجی اس دفعہ پورے ایک مہینے کے لیے تم گھر پہ رہی ہو۔مگر کتنے افسوس کی بات ہے۔ہم نے ایک دن بھی کوئی فن نہیں کیا۔نہ شاپنگ پہ گئے۔نہ ہی پیزا بنا کر کھایا۔نہ کوئی موی دیکھی۔اور اب آپ واپس جا رہی ہیں۔" بیگ میں اپنا سامان رکھتے ہوئے۔اُس نے نظر موڑ کر سب سے چھوٹی حرمین کو دیکھا۔جو بیڈ پہ بیٹھ کر منہ بسور رہی تھی۔

اُس سے پہلے ہی مافیہ بول اُٹھی۔

"حرمین تم آپی کو تنگ نہ کرو۔پہلے ہی اُنکی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔شاپنگ پہ تو تم جاتی ہی رہتی ہو۔سیماب آپی آتی ہیں۔تب بھی تمہاری فرمائشوں کی لمبی لسٹ ہوتی ہے۔بھوکی لڑکی۔"

"مافی میں تم سے بات نہیں کر رہی ہوں۔اللہ کرے چوہدرانی جی تاشفہ باجی والی جاب تمہیں دے دیں۔پھر میں اور تاشی باجی ہر وقت اکٹھے رہیں گے۔بڑا مزا آیا کرے گا۔"

"تاشی آپی کے ابھی اتنے بُرے دن نہیں آئے ہیں۔اور تمہیں میں اتنی ہی بُری لگتی ہوں۔تو آج سے اپنے کپڑے خود استری کرنا۔جوتے خود پالش کرنا۔اور ہوم ورک میں جب مدد چاہیے ہو۔تو میرے پاس مت آنا۔"

تاشفہ نے حسرت سے اپنی بہنوں کے بے فکر انداز کو دیکھا۔وہ خود کبھی بھی ایسی نہ بن سکی تھی۔کسی بہن کے ساتھ ایسی بے تکلفی نہ تھی۔بہن کیا اُسکی تو کسی کے ساتھ بھی گہری دوستی نہیں تھی۔فقط ایک اماں وڈی اُسکی زندگی

کا ایسا کردار تھیں۔جن کے سامنے وہ جو منہ میں آتا بول دیتی۔

''تاشفہ نکل آؤ بچے باہر ڈرائیور انتظار کر رہا ہے۔اگر آج ہی جانا ہے۔تو جلدی نکلو تا کہ شام ڈھلنے سے پہلے پہنچ جاؤ اور جا کر مجھے فون ضرور کر دینا۔''

''جی امی۔۔۔''

اپنی چادر ٹھیک کر کے بیگ کندھے پہ ڈالا۔باری باری بہنوں اور ماں کو مل کر باہر آ گئی۔

ڈرائیور نے اُسکو دیکھتے ہی دروازہ کھول دیا۔

چاچا غفور چوہدرانی جی کا پُرانا ملازم تھا۔جس پہ اُنکا سالوں کا اعتماد تھا۔

گاڑی جونہی نظروں سے دور ہوئی تو حرمین منہ پُھلا کر امی کے ساتھ اندر کو بڑھ گئی۔

''امی تاشی باجی ایسی کیوں ہیں؟''

''کیسی ہے؟

''نہ کبھی کُھل کر ہنستی ہیں۔نہ کبھی کُھل کر بولتی ہیں۔کبھی کسی رشتے دار کے گھر شادی پہ نہیں گئی ہیں۔نہ کوئی دوست ہے۔بھلا یہ کیسے ہوسکتا ہے۔انسان کی کوئی دوست ہی نہ ہو۔میری تو اتنی زیادہ دوست ہیں۔سکول کی دوست ہیں۔مدرسے کی دوست ہیں۔پھر اپنے محلے میں میری دوست ہیں۔ساری کزنوں سے میری یاری ہے۔تاشی باجی کی تو ایک بھی دوست نہیں۔کزنوں سے وہ ملتی ہی کم ہیں۔دوستی خاک ہونی ہے۔بس ایک ہی بوڑھی مائی کے ساتھ وہ نارمل رہتی ہیں۔''

''تم تو بگڑی ہوئی ہو۔تاشی آپی کا موازنہ اپنے ساتھ نہ کرو۔وہ سلجھے ہوئے مزاج کی لڑکی ہیں۔ایویں بول بول کر دوسروں کا سر نہیں کھاتی ہیں۔''

''امی آپ دیکھ رہی ہیں۔بات میں آپ سے کر رہی ہوں۔اسکو کیا تکلیف ہے۔پہلے بھی میں تاشی باجی سے بات کر رہی تھی۔یہ خوامخواہ بیچ میں کود پڑتی ہے۔اپنے آپ کو سمجھتی کیا ہو۔''

''دوپہر جب مل رہے ہوتے ہیں۔تب اللہ کا نام لیا کرو۔تم دونوں کی لڑائی ہی ختم نہیں ہوتی۔چلو دونوں وضو کر کے عصر کی نماز پڑھو۔

دونوں کی نوک جھوک کا فائدہ اُٹھا کر خالدہ نے اُنکی توجہ منتشر کی اور خود وضو کرنے کی نیت سے واش روم چلی گئیں۔وہ جانتی تھیں مافیہ سمجھدار ہے۔ ہمیشہ بہن کے بارے میں اُٹھنے والے سوالوں پر فوراً اُسکا دفاع کرنے کھڑی ہو جاتی۔اُنہوں نے اکلوتا خاموش آنسو خاموشی سے صاف کر دیا۔

گاڑی متوازن سپیڈ کے ساتھ ڈسکہ کی جانب گامزن تھی۔عصر کا وقت ہونے کے باوجود سورج سوا نیزے پہ ہی معلوم ہو رہا تھا۔گاڑی کے اندر تو ائر کنڈیشنڈ آن ہونے کی وجہ سے سکون تھا۔باہر سڑک کی دونوں جانب قطار در قطار لگے درختوں نے گھنی چھاؤں کی ہوئی تھی۔تاشفہ اپنا ہیڈ سیٹ لگائے اُداس نظروں سے کھڑکی کے باہر دیکھ رہی تھی۔ جہاں ہر سیکنڈ کے ساتھ منظر بدلتے جا رہے تھے۔اُسکو بچپن سے ہی یہ کھیل بڑا دلچسپ لگتا۔ ایک درخت کو دور سے دیکھنا شروع کرتی۔آہستہ آہستہ وہ قریب اور فل سپیڈ کے ساتھ نظروں سے اُوجھل ہو جاتا۔مگر آج وہ درختوں کے عقب سے جھانکنے والے تاحدِ نگاہ پھیلے کھیتوں کو دیکھ رہی تھی۔گندم کی کٹائی کے بعد کھیت خالی پڑے ہوئے تھے۔اور کہیں کہیں ابھی تک کٹائی کا کام چل رہا تھا۔

سمیع یوسف کی آواز میں پوری طرح ڈوبی ہوئی تھی۔اچانک گاڑی رُکنے پر چونکی۔

اس سے پہلے کہ وہ ڈرائیور سے بیچ راستے میں رُکنے کا سبب پوچھتی۔ بیک ویو مرر سے نظر پچھلی گاڑی سے نکل کر آنے والے شخص پر پڑ گئی۔

آنکھیں شیشے سے ہٹنے پر انکاری ہو گئیں۔

وہ آتے ہی ڈرائیور سے مخاطب ہوا۔

''کب سے میں پیچھے سے سگنل دے رہا ہوں۔تم نے گاڑی روکی کیوں نہیں۔''

''میری نظر اب پڑی ہے جی۔''

''بڑے ہی غافل ڈرائیور ہو۔نکلو اب میری گاڑی لے جاؤ۔''

تاشفہ دیکھتی رہ گئی۔ڈرائیور بغیر چوں چراں کئے گاڑی سے نکل گیا۔یہ ہی نہیں بلکہ دوسری گاڑی کو لیکر وہاں سے روانہ بھی ہو گیا۔تب وہ ڈرائیونگ سیٹ سنبھال کر بیٹھا۔

بیک ویو مرر کو اس اینگل پر سیٹ کیا جہاں سے تاشفہ کی صورت نظر آتی۔

وہ ابھی تک حیرت کے زیرِ اثر تھی۔ آخر یہ اچانک ٹپکا کہاں سے اور ڈرائیور کے ساتھ کیا پہلے سے ہی تعارف ہو چکا تھا۔ جو وہ یوں خاموشی کے ساتھ منظر سے ہٹ گیا۔ گھبراہٹ الگ حملہ آور ہو رہی تھی۔ وہ بغیر کچھ کہے یک ٹک اُسکو دیکھے جا رہا تھا۔ سفید لٹھے کے شلوار سوٹ پر ہلکی سی سلوٹیں پڑی ہوئی تھیں۔ چہرے پر ہلکی ہلکی داڑھی اُگی ہوئی تھی۔

تاشفہ نے کانپتے ہاتھوں سے ہیڈ سیٹ کانوں سے ہٹا دیا۔

کتنے پل گزر گئے نہ وہ بول رہا تھا۔ نہ ہی گاڑی آگے بڑھائی۔ اب تاشفہ کی جانب دیکھنا بھی بند کر چکا تھا۔

تاشفہ کو سمجھ نہ آئی کیا کرے یا کیا کہے۔ کچھ کہے بھی یا نہیں آخر جو بات ذہن میں بھاگ رہی تھی۔ وہی زبان سے ادا ہو گئی۔

''ڈرائیور چچا مجھے چھوڑ کر کیوں چلے گئے؟''

''جب ملاقات ہو گی خود ہی پوچھ لینا۔''

''آپ کو اُنکے بارے میں کس نے بتایا؟ کیا وہ آپکو جانتے ہیں؟''

''نہ بھی جانتا ہو۔ تعارف کروانے میں کونسی دیر لگتی ہے۔ تم اُسکی فکر چھوڑو۔ اپنی اور میری بات کرو۔''

تاشفہ سانس روکے شیشے میں نظر آتی اُسکی آنکھوں کو دیکھ رہی تھی۔

''تمہیں بتاؤں اس وقت تمہیں دیکھ کر مجھے خوش فہمی سی ہو رہی ہے۔ جو بات مجھے بتائی گئی ہے۔ نہ جانے وہ سچ ہے بھی یا نہیں۔ مگر میرا جی چاہ رہا ہے۔ میں آنکھیں بند کر کے مان لوں کہ تمہاری یہ حالت میرے نظر انداز کرنے کی وجہ سے ہوئی ہے۔''

تاشفہ کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔

''نہ نہ رونا مت۔ میں پہلے ہی خود کو بڑی مشکل سے روک کر بیٹھا ہوں۔ ورنہ میرا جی چاہ رہا ہے۔ جس لڑکی کی گلاب رنگت فقط میری ناراضگی کا سوچ کر پیلی پڑ گئی ہے۔ جو اتنی سی بات پر ہی برسوں کی بیمار نظر آ رہی ہے۔ چہرے کی ہڈیاں اُبھری ہوئی ہیں۔ آنکھیں اندر کو دھنسی ہوئی ہیں۔ اُسکو اس دنیا سے چُرا کر بہت دور لے جاؤں۔ اور تمہیں دُکھی کرنے کے قصور میں اپنے آپ کو بہت بُری سزا دوں۔ جس سے انسان محبت کرتا ہو۔ اُسکو

رُلانے کا سبب تو نہیں بن سکتا نا۔ میں بھی تو پچھلے طویل عرصے سے اس بات کا دعویدار ہوں۔ مجھے تم سے محبت ہے۔ ابھی ایسا لگ رہا ہے۔ جیسے میں پہلے امتحان میں ہی فیل ہو گیا ہوں۔ تم۔۔۔"

بات کرتے کرتے وہ درمیان میں ہی چُپ کر گیا۔ وجہ تاشفہ کے چہرے پر پھیلی ہوئی وحشت تھی۔ وہ اپنے سیدھے ہاتھ کے ناخن چباتے ہوئے خوفزدہ نظروں سے گاڑی کے بند دروازوں کو دیکھ رہی تھی۔

وہ میکانکی انداز میں اپنی سیٹ پر پوزیشن بدل کر پیچھے کو مُڑا۔ جہاں سے براہِ راست اب اُس ہرنی کی آنکھوں میں دیکھا جا سکتا تھا۔

"کیا تمہاری طبیعت ٹھیک ہے؟"۔

تشویش نہ صرف اُس کی آواز سے ظاہر تھی۔ بلکہ چہرے پر بھی رقم تھی۔ اُسکو احساس بھی نہ ہوا کب اُس نے تاشفہ کا ہاتھ اُسکے چہرے سے ہٹا کر اپنی گرفت میں لیا۔

تاشفہ نے اُسی تیزی سے اُسکا ہاتھ جھٹک دیا۔ اور زہر خند آواز میں بولی۔

"میں بھی کتنی بیوقوف ہوں۔ آپکی چلاکی کو آپکی معصومیت سمجھتے ہوئے۔ اتنے دن سے اپنی جان کو سولی پہ لٹکایا ہوا ہے۔ بہت خوب پلاننگ کی ہے۔ مبارک ہو آپ اپنے من پسند نتائج حاصل کرنے میں کامیاب رہے۔"

وہ ناسمجھی سے اُس کی جانب دیکھتے ہوئے بولا "مجھے تمہاری کسی بات کی سمجھ نہیں آئی"۔

"مگر مجھے آپکی نیت کی سمجھ آ گئی ہے"۔

"اچھا بتاؤ پھر میری کیا نیت ہے؟"۔

"مجھے بدنام کرنا چاہ رہے ہیں۔ اور کیا۔۔۔"

وہ کتنے پل اُسکی شکل ہی دیکھتا رہ گیا۔ اندر اس قدر اشتعال اُٹھ رہا تھا۔ کہ ایک پل میں تاشفہ کو اُٹھا کر کھڑکی سے باہر پھینک دے۔

جب بولا تو لہجہ دھیما اور انداز سرد تھا۔

"تو تمہیں لگتا ہے۔ میں تمہیں بدنام کرنا چاہ رہا ہوں؟"۔

"آخر اس طرح راستے میں روک کر ملنے کا اور کیا مقصد ہے؟۔ کیا آپ میرے ماں جائے ہیں؟ جو یوں اکیلے تنہا میرے ساتھ گاڑی میں موجود ہیں۔ وہ ڈرائیور سب کو جا کر بتائے گا۔ کسی کو نہ بھی بتائے تب بھی اُس کے دل سے میری عزت تو جاتی رہی ناں۔ اسلام آباد والی بات کا اچھا بدلا لیا ہے۔"

"اچھا۔۔۔!! تو کیا میں یہاں تم سے بدلہ لینے آیا ہوں؟۔

"تو اور کس لیے آئے ہیں؟"

پہلے ہر روز لڑکی سے فون پر بات کرو۔۔۔ اپنا عادی بناؤ پھر ملنے کا مطالبہ کرو۔ اور میں پاگلوں کی طرح اس سازش کا شکار ہو گئی۔"

وہ اپنا غصہ ضبط کر گیا۔ اور بڑے تحمل کے ساتھ اگلی سیٹ چھوڑ کر پیچھے اُسکے برابر پھیل کر بیٹھتے ہوئے آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بولا۔

"ہاں اب بولو کیا کہہ رہی تھیں؟۔۔۔"

تاشفہ کا ہاتھ لاک کی جانب بڑھا ہی تھا۔ جب دوسرے فریق نے اپنے ہاتھ میں پکڑے ریموٹ سے گاڑی اندر سے لاک کر دی۔

اُسکے اور اپنے درمیان فاصلہ پیدا کرنے کے چکر میں تاشفہ کی پشت دروازے سے جا لگی۔

"اگر آپ نے مجھے ہاتھ بھی لگایا ناں تو میں آپ کا منہ نوچ لونگی۔"

لہجہ کانپتا ہوا ہی سہی مگر انداز دو ٹوک تھا۔ جواب میں سامنے والا سنجیدگی سے اُسکی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے بولا۔ "دونوں دفعہ ہی میں تمہیں چھونے کی نیت کر کے نہیں آیا تھا۔ یہ تم ہی ہو جو مجھے اپنی طرف کھینچتی ہو۔"

"میں نہیں بُرائی آپکو اپنی طرف کھینچتی ہے۔ ورنہ آپ کبھی بھی ایک اجنبی لڑکی سے تنہائی مُلاقات کے متمنی نہ ہوتے۔" اس دفعہ وہ بولا تو آواز بلند تھی۔

"نہ میں تمہارا اجنبی ہوں۔ نہ ہی نامحرم ہوں۔ یہ بات تم بھی جانتی ہو۔ پھر کیوں یہ فضول بکواس کیے جا رہی ہو۔"

"اگر یہ بات ہے۔ تو چوروں کے طرح تنہائی میں بیٹھ کر بولنے کی بجائے۔ ساری دنیا کے سامنے اقرار کریں۔"

”جب وقت آئے گا۔وہ بھی کر لونگا۔“

”پھر جب ہی مجھے ملنے آئیے گا۔ابھی آپ جا سکتے ہیں۔“

”کیا تمہیں مجھ پر اعتبار نہیں ہے؟۔“

”مرد ذات اعتبار کے قابل نہیں ہوتی۔بھیڑ کی کھال میں بھیڑیئے ہوتے ہیں۔“

تاشفہ کی آواز میں نفرت ہی نفرت تھی۔

سامنے والے نے اُسکا ہاتھ پکڑ کر اپنی جانب کھینچا۔وہ کسی بے جان و وزن چیز کی طرح اُس کے ساتھ ٹکرائی۔اس اچانک حملے پر آنکھیں حیرت وخوف کی زیادتی سے مزید پھیل گئیں۔زبان گنگ رہ گئی۔

جبکہ وہ اُسکی نگاہوں میں سرد مہری سے دیکھتے ہوئے بولا۔۔۔

”کیا میں یہ سمجھوں کسی سابقہ تجربے نے مرد ذات سے نفرت کروادی؟۔“

تاشفہ شاک رہ گئی۔وہ کیا بول گیا تھا۔

”آپکو شرم آنی چاہیے ایسے گھٹیا الفاظ کا استعمال کر رہے ہیں۔“

”نہیں شرم کر سکتا ہوں۔کیونکہ انتہائی بے غیرت واقع ہوا ہوں۔آج دوسری دفعہ تم مجھ سے اپنی نفرت اور بیزاری کا اظہار علی اعلان کر رہی ہو۔اور میں مزے سے بیٹھا بس سُن رہا ہوں۔“

اُسکی گرفت سے اپنا آپ آزاد کرواتے ہوئے وہ دانت پیستے ہوئے بولی۔

”میں نے آپکو کہا تھا۔مجھے ہاتھ مت لگایئے گا۔“

”مجھ پر حکم چلاتے ہوئے احتیاط سے کام لو۔میں نے زندگی میں ہر وہ کام پوری ضد کے ساتھ کیا ہے۔جس سے مجھے منع کیا گیا ہو۔“

”تو آپ کیا چاہتے ہیں؟۔کیسے میری جان چھوٹے گی؟۔“

”مجھ سے جان چھڑوانے کا اتنا شوق ہے۔تو پھر میرے ہجر میں رونے کے ڈرامے کیوں کرتی رہی ہو؟۔۔۔“

”میں پھر سے ہجر میں رونے کے لیے تیار ہوں۔مگر مجھے یہ قُرب ہر گز نہیں چاہیے۔“

اندر سے وہ بہت زیادہ تشویش کا شکار ہوگیا تھا۔ نظروں میں گہری فکر کی پرچھائی جھلک رہی تھی۔
اُسکے چہرے کو دونوں ہاتھوں میں بھر کر اُسکی نظروں میں براہ راست جھانک کر آخری سی کوشش کرتے ہوئے نرمی سے بولا۔

''میں اُلجھنا نہیں چاہتا ہوں۔ جبکہ تمہارا رویہ مجھے اُلجھا رہا ہے۔ مجھے دوٹوک بتاؤ آخر کیا چاہتی ہو؟۔ مجھے ناپسند کرتی ہو؟۔۔۔''

تاشفہ نے ایک دفعہ پھر اُسکے ہاتھ جھٹک دیئے۔ اور دور ہٹتے ہوئے سرد لہجے میں بولی۔ ''میرے پاس آپکے کسی سوال کا جواب نہیں ہے۔ مہربانی کر کے ڈرائیور کو واپس بُلا دیں۔ مجھے گھر جانا ہے۔''

''اگر میں کہوں مجھے اپنے رویے کی وجہ بتائے بغیر جاؤ گی۔ تو ساری عمر کے لیے مجھے کھو دو گی۔ تب بھی جانے کی اتنی ہی جلدی ہوگی؟۔۔۔''

لمبی ٹانگیں آگے کو پھیلی ہوئی تھیں۔ اُس کے لباس سے اُٹھنے والا پرفیوم تاشفہ کو متوجہ تو کر رہا تھا۔ مگر وہ بے بس تھی۔ یہ حقیقت تھی۔ سامنے موجود شخص اُسکا سب کُچھ تھا۔ مگر تاشفہ کے دل و دماغ کو بے یقینی اور خوف نے اس بُری طرح سے جکڑا ہوا تھا۔ اس کالی کوٹھڑی میں کوئی راہزن نہ تھی۔ اور وہ تھک چُکی تھی۔ وجود بُری طرح کانپ رہا تھا۔

''مجھے گھر جانا ہے۔''

لفظ ٹوٹ ٹوٹ کر ادا ہوئے تھے۔

وہ جو منتظر نظروں سے اُس کو پڑھ رہا تھا۔ گہری سانس کھینچتے ہوئے لاک کھول کر گاڑی سے اُتر گیا۔

ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ کر انجن اسٹارٹ کیا ایکسلیٹر پر دباؤ بڑھاتے ہوئے گاڑی کو سڑک پر دوسری گاڑیوں کی ریس میں شامل کر دیا۔

لب سختی سے ایک دوسرے میں پیوست تھے۔ نظریں سامنے روڈ پہ لگی ہوئی تھیں۔

ڈسکہ آ گیا۔ مگر اُس نے گاڑی وہیں روک کر ڈرائیور کو ڈھونڈنے کی بجائے گاڑی گاؤں کی جانب ڈال دی۔ تاشفہ کا چہرہ سفید چادر کی طرح بے رنگ ہو رہا تھا۔

بمشکل مری سی آواز میں بولی۔

''مجھے یہیں اُتار دیں۔ میں آپکے ساتھ اُس گھر تک نہیں جاؤنگی۔ کوئی دیکھ لے گا۔''

مگر وہ کچھ بھی کہے بغیر گاڑی چلاتا رہا۔

تاشفہ کو لگا آج بس سب ختم ہو جائے گا۔ اگر اُسکی پھوپھو نے دیکھ لیا تو وہ تاشفہ کو جینے لائق کب چھوڑیں گی۔ سڑک سے لیکر گاؤں تک کا دس منٹ کا راستہ اُس نے خود کو کوستے گزارا کیوں آخر کیوں اس آدمی کے ساتھ ایسا رابطہ بنایا ہے۔ جو آج تاشفہ کی عزت اس آدمی کے اختیار میں جا چکی تھی۔ آنے والے خوفناک لمحات کی ساری تصویر اُسکی نظروں کے سامنے چل رہی تھی۔ سانس رُکتا ہوا محسوس ہوا۔

اُسکو جی بھر کر خود پہ غصہ آیا۔ نا اُسکے بغیر چین ہے۔ نہ اُسکے ساتھ میں سکون ہے۔ ایسے میں بہتر ہے میں مر ہی جاؤں۔ اپنے بہتے آنسوؤں کو بے دردی سے ہتھیلی کی پُشت کے ساتھ رگڑنے کے بعد بولی۔

''اچھا ہی ہے۔ نہ سُنیں میری بات۔۔۔ ویسے بھی آپکا میرا یہ بے نام رشتہ صرف اُسی وقت تک ہے۔ جب تک کسی کے علم میں نہیں ہے۔ آج سب کو علم ہو۔ کل آپکے میرے درمیان کچھ نہیں بچے گا۔''

عین گیٹ کے سامنے گاڑی کو بریک لگی۔ وہ سامنے دیکھتے ہوئے سرد آواز میں بولا۔۔۔

''تمہارے اور میرے درمیان فریب کے سوا کچھ نہ تھا۔ جسے آج سے ختم سمجھو۔ جاؤ اندر۔۔۔''

تاشفہ کو علم نہ ہو سکا کیسے گاڑی سے نکلی۔ کان سائیں سائیں کر رہے تھے۔ اُسکے اُترتے ہی گاڑی آگے بڑھ گئی۔ وہ چلا گیا تھا۔ اپنے پیچھے گرد کے بادل چھوڑتا ہوا واپس چلا گیا۔

تاشفہ کو اپنا دل' دامن' اور وجود سب خالی لگا۔

کسی نے گیٹ کھول کر باہر جھانکا تو وہ کچھ بھی کہے بغیر اندر کو بڑھ گئی۔

☆......☆......☆

وہ ایک کوٹھری نما کمرہ تھا۔ جس کی دیواریں دھویں نے کالی کی ہوئی تھیں۔ کمرے کے عین وسط میں لوہے کی کُرسی کے اوپر ایک بھاری بھرکم آدمی کو رسیوں سے کُرسی کے ساتھ باندھا گیا ہوا تھا۔ اُسکی آنکھوں پر بھی کالی پٹی بندھی ہوئی تھی۔

کوٹھری کے دروازے پر باہر کی جانب سے دستک ہوئی۔اندر موجود اسلحہ بردار لڑکے نے دروازہ کھول دیا۔

کمرے میں آنے والا نووارد بھی ایک نوجوان ہی تھا۔کالے رنگ کی شلوار قمیض پہنی ہوئی تھی۔ہاتھ میں ایک فائل تھی۔

آتے ہی اُس نے قید آدمی کو مخاطب کیا۔۔۔

''تمہارا نام کیا ہے؟۔''

جکڑے ہوئے آدمی نے کوئی جواب نہ دیا۔نووارد نے اُسکی کُرسی کو زوردار ٹھوکر ماری۔

''تم سے مخاطب ہوں۔تمہارا کیا نام ہے؟۔''

''میں۔۔۔میرا نام سرفراز ہے۔''

''تمہارا پیشہ کیا ہے؟۔''

''مجھے یہاں کون لیکر آیا ہے؟میری تم لوگوں کے ساتھ کیا دشمنی ہے؟۔''

''اتنی جلدی کس بات کی ہے۔میں جو پوچھ رہا ہوں۔اُن سوالوں کے جواب دو۔تمہیں تمہارے سوالوں کے جواب بھی اُسی میں مل جائینگے۔اب بتاؤ تم کیا کام کرتے ہو؟۔۔۔''

''پہلے میرے ہاتھ کھولو میری آنکھوں سے پٹی ہٹا۔۔۔''

ابھی اُسکی بات پوری نہیں ہوئی تھی۔نووارد کے اشارے پر وہاں پہ موجود تیسرے فرد نے ٹھنڈے برف والے پانی کی بالٹی اُس آدمی کے چہرے کو فوکس رکھ کر اُس پہ پھینکی۔پانی اتنا ٹھنڈا تھا۔ایک دفعہ تو اُسکے چودہ طبق روشن کر گیا۔

کمرے میں اُسکی چیخیں اُبھریں۔ابھی پہلے شاک سے نکلا نہیں تھا۔جب ایک اور بالٹی اُس کے اوپر گرائی گئی۔اُس کی ہمت یہاں تک ہی تھی۔اونچی آواز میں بولے گیا۔

''جو پوچھنا ہے۔میں بتانے کو تیار ہوں۔میں بتاتا ہوں۔بتاتا ہوں۔میرا نام سرفراز احمد ہے۔اور میں ایس ایچ او ہوں۔''

''اگر تم میرے ہر سوال کا جواب یونہی آسانی سے دے دو گے تو ہم دونوں کو ہی فائدہ رہے گا۔کتنے سال

ہو گئے تمہیں سروس کرتے ہوئے؟"

''پچھلے بیس سال سے۔۔۔''

نہ صرف اُس کی آواز کانپ رہی تھی۔ بلکہ وہ خود بھی تھر تھر کانپ رہا تھا۔

''ہاں تو ایس ایچ او سرفراز احمد تم نوکری کس کی کرتے ہو؟''

''سرکاری۔۔۔''

''تمہارے پیشے کا مقصد کیا ہے؟''

''عام عوام کو تحفظ فراہم کرنا۔''

''کیا تم نے عام عوام کو تحفظ فراہم کیا؟''

''میری بیس سالہ سروس ایک ریکارڈ ہے۔ جس سے مرضی جا کر پوچھ لیں۔ میں ایک ایماندار۔۔۔''

نووارد نے اُسکو درمیان میں ٹوک دیا۔

''تمہاری بیس سالہ سروس میں سُنہری حروف میں تمہاری بے غیرتی کے چرچے لکھے ہوئے ہیں۔ کن کن حکمرانوں کے تم نے تلوے چاٹے ہیں۔ کن کن کے دھندوں کو پھلنے پھولنے میں مدد دی ہے۔''

''یہ یہ یہ سب الزام ہے۔ تم ہو کون؟۔۔۔''

''مجھے اپنا باپ ہی سمجھو۔''

جس لہجے میں کہا گیا تھا۔ سرفراز کو سوچنے پر مجبور کر گیا۔

کیا اُس پر انکوائری لگائی گئی تھی؟ ان لوگوں کا تعلق کس محکمے سے ہے۔؟ اپنے رویے سے کوئی تخریب کار نہیں لگ رہے تھے۔ انکا انداز انتہائی پروفیشنل تھا۔

وہ صبح پانچ بجے گھر کی قریبی پارک میں چہل قدمی کے لیے آیا تھا۔ جب سے اُس بلڈ پریشر کی شکایت ہوئی تھی۔ ڈاکٹر نے صبح نہار منہ سیر کرنے کا مشورہ دیا ہوا تھا۔

پارک کے دروازے پر ہی پہلے سے رُکی ہوئی ایک گاڑی کو بظاہر بونٹ کھول کر دیکھنے والے آدمی نے سرفراز کے قریب آنے ہر نہ جانے کیا کیمیکل سرفراز کو انجیکشن کے زریعے لگایا تھا۔ جس نے اُسکو نیم فالج زدہ کر

دیا۔ سارا عمل چند سیکنڈ میں ہوا تھا۔ اُسکے بعد جب اُسکی آنکھ کھلی وہ اس کمرے میں موجود تھا۔

''تم نے کہا تمہارا کام عام عوام کی حفاظت کرنا ہے۔ٹھیک۔۔۔؟۔''

''ہاہاں۔۔۔۔''

''تین ماہ پہلے تمہارے تھانے میں ایک ماں اپنے بیٹے کے ساتھ ہونے والی جنسی زیادتی کا کیس درج کروانے آئی تھی۔کیا تمہیں یاد ہے؟۔''

''مجھے کچھ یاد نہیں۔نہ جانے ایک دن میں کتنے ہزاروں لوگ کیس جمع کرواتے ہیں۔مجھے ہر کیس تو ازبر نہیں ہو سکتا۔''

''ہاں ٹھیک کہہ رہے ہو۔مگر وہ کیس تو ازبر رہتے ہونگے۔جن میں تمہیں منہ مانگا مالی فائدہ حاصل ہوا۔''

''میں رشوت نہیں لیتا ہوں۔''

''کس کو بتا رہے ہو؟ میں کہہ چکا ہوں۔مجھے اپنا باپ سمجھو میرے پاس تمہارے اک ایک کرتوت کا ریکارڈ موجود ہے۔جو جو نوازشیں تم نے کالے دھندے والوں سے وصول کیں۔جواب میں تم نے بے قصور لوگوں کا خون چوس کر اپنی حرام کی کمائی حلال کرنے کی پوری جانفشا کوشش کی ہے۔مگر وہ کیا ہیکہ۔لوگوں کے ٹیکس سے ملنیوالی تنخواہ تم مفت میں کھاتے رہے ہو۔کیونکہ آج تک عوام کو تم سے بھلائی کوئی نہیں ملی۔اب وہ کمائی حلال کرنے کا وقت ہے۔''

''اب بتاؤ نوید نامی پندرہ سالہ بچے کے ساتھ کیا ہوا تھا۔کن لوگوں کا ہاتھ تھا۔اور جب وہ مدد لینے تمہارے پاس آیا تم نے جواب میں کیا سلوک کیا؟ ساری کہانی حرف بہ حرف دُہراؤ جہاں ایک لفظ کا بھی ہیر پھر ہوا۔میں تمہاری چمڑی اُدھیڑ کر تمہیں شکاری کتوں کے سامنے پھینک دونگا۔کسی کو تمہاری ہڈیاں بھی نہیں ملیں گی۔''

''تم جو کوئی بھی ہو۔تمہیں اندازہ ہی نہیں ہے۔تم کن لوگوں کے ساتھ دشمنی پالنے کی کوشش کر رہے ہو۔وہ تمہاری نسلیں ختم کر دیں گے۔''

''میری زندگی میرے اللہ کی دین ہے۔موت بھی برحق ہے۔جو اللہ ہی کی جانب سے آنی ہے۔میرا صرف ایک ہی مالک ہے۔جسکا میں کلمہ پڑھتا ہوں۔اسلیے اب بہت سوچ سمجھ کر میرے سامنے اپنے زمینی خُداؤں کا

نام لینا۔ ورنہ جو چند سانسیں بچی ہیں۔ اُن سے بھی جاتے رہو گے۔"

"بولو نوید والے کیس میں حقیقت کیا ہے؟۔۔۔"

"میں کسی نوید کو نہیں جانتا۔"

نووارد نے پاس کھڑے لڑکے کو اشارہ کیا اور خود دونوں ہاتھ کمر پہ باندھ کر ایک طرف کھڑا ہو گیا۔

وہ لڑکا سر اثبات میں ہلا کر دروازے سے باہر نکل گیا۔ ایک منٹ بعد واپس آیا تو ایک چار فٹ کے بُل پٹ کا بیلٹ مضبوطی سے اپنے ہاتھ میں پکڑا ہوا تھا۔ مگر وہ کُتا اتنا طاقتور تھا۔ لڑکے کی پوری طاقت کے باوجود کُتا اُسکو کھینچتا ہوا چل رہا تھا۔

کُتے کی سانس دھونکنی کی طرح چل رہی تھی۔

ایک دفعہ بھونکا تو وہاں موجود افراد کو اپنے کانوں پر ہاتھ رکھنے کی ضرورت محسوس ہوئی۔ اُس نے سرفراز کی آنکھوں پر بندھی پٹی کھول دی۔ جو پہلے ہی کُتے کی موجودگی کو محسوس کر کے منتوں پہ اُتر آیا تھا۔

اُس کے ایک اشارے پر کُتا یوں غُصے سے سرفراز کی طرف بھاگا اگر پیچھے سے اُسکو فوراً پکڑ نہ لیا جاتا تو یقیناً وہ سرفراز کو دو سیکنڈ میں چیر پھاڑ کر رکھ دیتا۔ کُتا غراتے ہوئے اُچھل اُچھل کر سرفراز کی جانب لپک رہا تھا۔ کمرے کا بلب بند کر کے ایسی لائٹ جلائی جا چکی تھی۔ جو صرف کُتے اور سرفراز کے علاوہ باقی کمرے اور انسانوں کو تاریکی کا حصہ بنا گئی۔

کالی شلوار قمیض والا چلتا ہوا کُتے کے پاس آیا اور اُسکی فر میں ہاتھ مار کر تھپکی دی۔ کُتا اور بھی خوفناک شکلیں بناتا ہوا بھونکنے لگا۔

سرفراز کُرسی پہ بیٹھا خوف سے سفید ہو گیا۔ شلوار گیلی ہو گئی۔

"کیا اب بھی تمہاری یادداشت میں نوید کا نام نہیں آیا؟"

"نوید کے ساتھ جنسی زیادتی ہوئی تھی۔"

اب کی بار سرفراز کسی ربوٹ کی طرح بولتا چلا گیا۔ افسر کے اشارے پر ماتحت نے کُتا وہاں سے ہٹا دیا۔

سرفراز بول رہا تھا۔ اور وہ گہری سنجیدگی اور آنکھوں میں نفرت لیے سُن رہا تھا۔

''یہ کام اُسکے اُستاد نے کیا تھا۔جس اکیڈمی میں وہ ٹیوشن پڑھنے جاتا تھا۔وہاں پر ایک موجود ایک اُستاد نے اُسکو بلیک میل کر کے بہت عرصہ تک اُسکو اپنی زیادتی کا شکار بنایا تھا۔''

''کیسی بلیک میلنگ۔۔۔؟۔۔۔''

''نوید اپنے گھر والوں سے چوری شراب کی عادت میں مبتلا تھا۔ایک دن اکیڈمی میں کلاس چھوڑ کر اپنے دوستوں کے ساتھ چھت پر بیٹھ کر شراب پی رہا تھا۔جب اُس آدمی نے اُن لڑکوں کی وڈیو بنالی۔بعد میں اُنکو دیکھا کر دھمکی دی کہ اگر وہ اُسکی بات نہ مانیں گے۔وہ یہ وڈیو اُنکے والدین تک پہنچا دیگا۔''

''تو اسکا مطلب یہ ہوا ایک نوید ہی نہیں کئی اور لڑکے بھی اس شیطانی عمل کا شکار ہوئے تھے۔''

''ہاں۔۔۔''

''تم نے اُن میں سے کتنے لڑکوں کی مدد کی؟۔۔۔''

''میں کسی کی مدد نہیں کر سکتا تھا۔''

''کیوں؟۔۔۔''

''کیونکہ اکیڈمی کے اُستاد کی اوپر تک پہنچ ہے۔مجھے اُسکے خلاف کاروائی سے روک دیا گیا تھا۔''

اندھیرے میں سے ایک ہاتھ اُٹھا۔چٹاخ کی آواز کے ساتھ سرفراز کے منہ پر اپنے انگلیوں کے نشان چھوڑ گیا۔''میں نے کہا تھا' جھوٹ مت بولنا۔''

اسکے ساتھ ہی اُس نے ایک ایک کر کے کئی تصویریں سرفراز کی گود میں پھینکی تھیں۔جنکو دیکھ کر سرفراز کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔

تصویروں میں وہ خود تھا۔اور اُسکے ساتھ وہی نوید نامی لڑکا تھا۔

''اب آیا کچھ یاد؟۔۔۔

''یہ ایک بہت بڑا نیٹ ورک ہے۔جو پورے ملک میں پھیل رہا ہے۔ان لوگوں نے اپنے کارندوں کو خاص ٹریننگ دی ہوئی ہے۔یہ گلی محلوں اور سکول کے بچوں کو ٹارگٹ کرتے ہیں۔انکا اصل شکار کم سن بچے ہیں۔یہ انکو ٹریپ کر کے جنسی تشدد کا شکار بناتے ہیں۔اُن سے اپنے غلط مطالبات منوانے کی خاطر اُنکو بُری طرح مار پیٹ

کرتے ہیں۔اُن پر اسلحہ تان کر دھمکی دیتے ہیں۔ اگر جو کُچھ کہا گیا ہے۔وہ نہ کیا گیا تو یہ انکو وہیں اُسی وقت جان سے ماردیں گے۔کئی کیسز میں بچوں کو ایسی وڈیو دیکھائی جاتی ہے۔جس میں ایک بچے کو گلا کاٹ کر مارتے دیکھایا جاتا ہے۔ایسی صورتحال میں بچے مجبوراً اُنکی باتیں مانتے چلے جاتے ہیں۔پہلی دفعہ اُنکو قابو کرنے کے بعد دھمکی دی جاتی ہے۔اگر اُنہوں نے باہر جا کر کسی سے اس بات کا ذکر کیا۔یا کسی کو اُنکے خلاف بتایا۔اُس صورت میں اُنکی وڈیوز پورے سوشل میڈیا پر پھیلا دی جائینگی۔بچے بدنامی اور جان کیڈر سے کسی کو نہیں بتاتے اور کئی کئی سال تک ان لوگوں کے ظلم کا شکار رہتے ہیں۔جو اُسکی زندگی کا سب سے بڑا شاک ثابت ہوا۔نوید سالوں کی برین واشنگ کے نتیجے میں اس قدر بے حس ہو چُکا ہے۔وہ اب اس چیز کو بُرا محسوس ہی نہیں کرتا۔ کیونکہ نہ صرف وہ لوگ بچوں کی وڈیوز بناتے ہیں۔بلکہ اُنکو پونوگرافک ویب سائیٹس دیکھا کر ذہنی طور پر اُنکو مفلوج کردیتے ہیں۔جہاں وہ جو کُچھ دیکھتے اور اُس کے بعد عملاً کرتے ہیں۔اُسی کو سچ ماننے لگتے ہیں۔تم ان کو ختم نہیں کرسکتے ہو۔ان لوگوں نے معاشرے میں اپنا اثر ورسوخ پیدا کیا ہوا ہے۔"

"اگر کل کو یہی لوگ تمہارے بیٹے یا بیٹی کو شکار کرتے ہیں۔کیا تب بھی رشوت لیکر گھر بیٹھ جاؤ گے۔کیا تب بھی ان لوگوں کو سلاخوں کے پیچھے ڈالنے کی بجائے اپنے بچوں کو قصوروار گردان کر مجرم کے کٹہرے میں کھڑا کرو گے۔اور خود بھی بہتی گنگا میں ہاتھ دھونے بیٹھ جاؤ گے۔"

"تمہاری جرات کیسے ہوئی میرے بچوں کے لیے ایسے الفاظ استعمال کرنے کی۔"

ایس ایچ او اندھیرے میں اُسکی جانب دیکھتے ہوئے غرایا۔

"کیوں کیا بڑی تکلیف ہوئی ہے؟۔"

"کیونکہ یہ تمہارے بچوں کی بات ہے؟۔"

"اُن معصوم روحوں کی عصمت گری جو تمہارے اختیار کے نیچے ہوئی۔اللہ کے سامنے کیا جواب دینا ہے؟۔ کبھی سوچا ہے؟۔۔۔"

"محشر تو کل برپا ہونا ہے۔مگر میں پوری کوشش میں ہوں۔تمہاری باقی زندگی ہی ایک عبرت بن جائے۔مگر میں تمہیں چانس دے رہا ہوں۔"

سرفراز احمد جو ہر وقت اس زعم میں رہتا تھا۔ وہ ایک پولیس آفسر ہے۔ کس مائی کے لال میں ہمت ہے۔ جو اُسکے سیاہ وسفید پر سوال کر سکے۔ جنہوں نے اُنکو پیسہ لگایا تھا۔ اُنہوں نے ہی اوپر والی سیٹیں خریدی ہوئی تھیں۔ اسی لیے تو سسٹم بدلتا نہیں ہے۔ کیونکہ یہاں ایک غلط دوسرے غلط کو پھلنے پھولنے میں مدد دیتا ہے۔

اُس نے فائل میں سے ایک تصویر نکال کر سرفراز کے سامنے رکھی۔

"تم بھی ایک فیملی والے انسان ہو۔ غالباً ایک بیٹا اور ایک بیٹی ہے۔ اگر تم میری مدد کرو تو میں تمہیں کم از کم اتنی گارنٹی دینے کو تیار ہوں۔ تمہاری فیملی اس جنگ سے محفوظ رہے گی۔"

"وہ لوگ میرے بچوں کو نہیں چھوڑیں گے۔"

"یہ تو تمہارے تعاون کرنے پر منحصر ہے۔ اگر تم سرکاری گواہ بن جاتے ہو۔ باوجود اس کے کہ تم اُن کے ساتھی ہو۔ میں تمہارے خاندان کو پروٹیکشن دلوانے کو تیار ہوں۔ تمہارے خاندان کی حفاظت ہمارا ذمہ ہے۔ اور اگر تم اُنہی حرام خوروں کے ڈر سے نہ جانے کتنے اور معصوم پھولوں کی زندگی سے کھیلنے کے اس عمل کو روکنے میں میری مدد نہیں کرتے تو میں تمہیں میڈیا پر والنٹیر بنا کر پیش کروں گا۔ جو خود آگے آ کر اپنے جرائم کا اقرار کر رہا ہے۔ اپنے سارے گروہ کے راز فاش کر چکا ہے۔ تو تم جانتے ہی ہو وہ تمہیں مارنے کے لیے کسی بھی حد تک جا سکتے ہیں۔ تمہارے پاس سوچنے کے لیے دو دن ہیں۔ اگر تمہارا جواب ہاں میں ہوا تو گارڈ کو بتا دینا۔ کیونکہ بیٹا تو زندہ سلامت اس کوٹھری کے باہر دن کی روشنی صرف اسی صورت میں دیکھ پائے گا۔ اگر میرا ساتھ دیگا۔ ورنہ میں تیرے لیے ایک ہی گولی ضائع کروں گا۔ میرے ملک میں ہر روز تجھ جیسے حرام خوروں کی وجہ سے نہ جانے کتنے بے گناہ موت کی بھینٹ چڑھتے ہیں۔ وہاں ایک آدھ تجھ جیسا جائے گا تو دھرتی کا بوجھ کم ہوگا۔"

اپنی بات مکمل کرنے کے بعد وہ ساری تصویریں فائل میں بند کرنے کے بعد وہاں سے نکل گیا۔

☆......☆......☆

وہ حرا باجی سے سلام دُعا کرنے کے بعد اور کسی کا سامنا کیے بغیر سیدھی اماں وڈی کے کمرے میں آئی۔ حرا باجی سے ہی پتا چلا اماں وڈی بڑی بہو کے ساتھ گاؤں میں کسی فوتگی والے گھر گئی تھیں۔ درمیان والا دروازہ کھول کر اپنا سامان اپنے کمرے میں رکھا۔ اور اپنی ساری سوچ و پریشانی کو ایک طرف رکھ کر خود کو بہلانے کی کوشش

میں کام میں جت گئی۔

اماں وڈی کی الماری سے سارے کپڑے نکال کر سلیقے سے تہہ لگا کر واپس رکھے۔اماں وڈی کی پسند بڑی لاجواب تھی۔دھیمے رنگوں کے دوپٹہ سیٹ کچھ بریزا میں کچھ گل احمد میں۔استری ہونے والے استری کر کے رکھے۔جو دھلنے والے تھے۔انہیں سرف میں بھگونے کے بعد بیڈ کی چادر تبدیل کی۔سارے کمرے میں ائر فریشنر سپرے کیا۔

وہ کپڑے کھنگالنے کے بعد باہر ڈالنے جا رہی تھی۔جب وڈی اماں کی آمد ہوئی۔

جو اُسکو دیکھتے ہی غصے میں آ گئیں۔

''ادھر آؤ ناں۔۔۔''

''میں یہ کپڑے ڈال آؤں۔۔۔''

اماں وڈی پھولے ہوئی سانس سمیت جا کر کرسی بیٹھتے ہوئے رانوں کو آواز دیتے ہوئے بولیں۔

''کپڑے رانوں کو دو۔وہ ڈال دیگی۔تم ادھر آؤ میرے پاس۔۔۔''

''رانوں کو ڈالنے نہیں آتے۔وہ کپڑے اُلٹے کئے بغیر ڈال دیتی ہے۔جس سے پرندوں کے گندے پنجوں کے نشان لگ جاتے ہیں۔میں خود پھیلا کر آتی ہوں۔''

''تم اتنی سگھڑ نہ بنو۔رانوں تمہاری نک چڑھی پھوپھی کی خاص ملازمہ ہے۔اگر وہ اُسکو راضی رکھ سکتی ہے۔تو میرے کپڑے بھی پھیلا سکتی ہے ویسے بھی باہر گھپ اندھیرا ہو رہا ہے اس وقت پرندے کہاں سے آنے ہیں۔''

اس دوران رانوں اپنی پراندی ہلاتی ہوئی آ گئی۔

''جی وڈی اماں۔۔۔ارے تاشفہ باجی تم آ گئی ہو۔پتا بھی نہیں چلا۔''

''ہاں میں اعلان کرنا بھول گئی تھی۔یہ لو اماں وڈی کے کپڑے اچھے سے کر کے پھیلانا۔''

''لو جی میں تو ہر کام ہی اچھا کرتی ہوں۔لائیں ادھر۔۔۔''

رانوں کپڑے اُسکے ہاتھ سے لیکر یہ جا وہ جا ہوئی۔

اُس نے ڈری نظروں سے وڈی اماں کو دیکھا۔جو ابھی تک اُسکو غصے سے گھور رہی تھیں۔

''اب ادھر آ کر بیٹھو گی یا میں دعوت نامہ بھیجوں۔''

''اگر آپ بے عزتی کرنے کو بُلا رہی ہیں۔تو میں نے نہیں آنا۔''

''نواب زادی کہیں کی میں بھلا کیوں بے عزتی کرونگی۔میں تو تمہارے گلے میں پھولوں کے ہار ڈالنے کو بُلا رہی ہوں۔شرم تو نہیں آتی ؟۔یہ آخر کیا حماقت ہے۔''

''اب مزید کوئی حماقت نہیں ہوگی۔کیونکہ سب ختم ہو گیا ہے۔''

اُس نے نہ محسوس انداز میں اپنے پیچھے دروازہ بند کر دیا۔اور آ کر اماں کے ساتھ خالی پڑی کُرسی پر بیٹھ گئی۔

''کیا ختم ہوا ہے؟۔۔۔''

''رشتہ۔۔۔''

''کسکا رشتہ؟۔۔۔''

''میرا اور اُسکا۔۔۔''

''کس نے کہا؟۔''

''وہ کہہ کر گئے ہیں۔''

''وہ یہاں آیا تھا؟۔۔۔''

اماں وڈی کے ماتھے پر موجود تیوری مزید گہری ہو گئی۔

''وہ مجھے چھوڑ کر گئے ہیں۔''

''پر تمہیں لینے کو تو غفور گیا تھا۔''

''راستے میں وہ نازل ہوئے تھے۔''

''کیا کہہ رہا تھا؟۔۔۔''

''میں نے کہنے کا موقع ہی نہیں دیا۔''

''پھر یہ کیوں کہہ رہی ہو۔رشتہ ختم ہوا ہے؟۔''

اُسکی آنکھوں سے ایک دفعہ پھر آنسو ٹپ ٹپ برسنے لگے۔

''اماں وڈی کیا واقعی آپ کو مجھ سے کوئی ہمدردی ہے؟۔۔۔''

''یہ کیسا سوال ہے؟۔ ہمدردی نہ ہوتی تو تجھے یوں اپنے ساتھ باندھ کر کیوں رکھتی۔ تیرے مرحوم باپ کے ساتھ میرا وعدہ تھا۔ تجھے کبھی اکیلا نہیں چھوڑونگی۔''

''اگر ایسا ہے تو پلیز میری جان چھڑوا دیں۔''

''کس نے پکڑی ہے تیری جان۔۔۔''

''اُسی نے جواب مطالبوں پر اُتر آیا ہے۔ میں یہ سب نہیں کر سکتی۔ آج تو وہ صرف ہاتھ پکڑتا ہے۔ تو میرا جی چاہتا ہے اُسکا منہ نوچ لوں۔ اُسکے جسم کو دانتوں سے زخمی کر دوں۔ میرے پاس کوئی بندوق ہو میں ساری گولیاں۔۔۔''

بولتے بولتے چپ کر گئی۔ زبان تالو سے چپٹ گئی۔ یہ کیا کہنے جا رہی تھی۔ ساری گولیاں اُسکے سینے میں اُتار دوں۔ اُس نے دونوں ہاتھوں سے اپنا چہرہ پیٹنا شروع کر دیا۔ اتنے زور زور کے تھپڑ مارے لگی۔ اماں وڈی نے دہل کر اُسکے دونوں ہاتھ اپنی گرفت میں کیے۔ وہ دھیمی مگر چیختی آواز میں بولی۔

''میرے ہاتھ چھوڑ دیں۔ کیا آپ نے سُنا نہیں میں کیا چاہتی ہوں۔ میں اُسکا منہ نوچنا چاہتی ہوں۔ جس کے سوا مجھے کسی کا چہرہ اچھا ہی نہیں لگتا۔ وہ میری آنکھوں میں رہتا ہے۔ اور میں اُسی کے وجود کو چھلنی کرنے کا سوچتی ہوں۔ مجھے مار دیں۔ میرا گلا دبا کر مجھے مار دیں۔''

اُسکی حالت دیوانوں سی ہو رہی تھی۔ اماں وڈی کے دونوں ہاتھ اپنی گردن کی طرف کھینچتے ہوئے مسلسل رو رہی تھی۔

اُنہوں نے دروازے کی جانب دیکھا۔ اُنکے کمرے میں کوئی بھی جب چاہتا آ سکتا تھا۔ اگر اس وقت کسی فرد کا آنا ہوتا تو یقیناً کئی سوال جنم لیتے۔

اُنہوں نے بڑی مشکل کے ساتھ اُسکو اپنے ضعیف بازوؤں میں بھر کر سینے سے لگایا۔ شفقت کے ساتھ اُسکے سر پہ ہاتھ پھیرتے ہوئے۔ دھیرے دھیرے تسلی دینے لگیں۔

"بس میری بچی حوصلہ کر۔۔۔اللہ سب ٹھیک کر دیگا۔وہ بڑا کریم ہے۔میں ہوں ناں میں تمہیں اس طرح ٹوٹنے تھوڑی دونگی۔"

اُس نے سسکیاں لیتے ہوئے اپنا سر اُٹھایا۔

"آپ اُنکو کہہ دیں وہ مجھے چھوڑ دیں۔مجھے بھول جائیں۔کبھی میرے سامنے نہ آئیں۔آخر کل کو سب جاننے کے بعد بھی تو مجھے چھوڑ جائینگے۔تو بہتر نہیں آج ہی چھوڑ جائیں۔اماں وڈی میں تعلق نبھانا تو دور کی بات بنا بھی نہیں سکتی۔"

"تمہاری دوا کدھر ہے؟۔۔۔"

"میں نے آنے سے پہلے دوا کھائی تھی۔"

"ایک خوراک اور کھاؤ۔جاؤ شاباش وہ دراز پہ پانی کا جگ رکھا ہے۔گلاس میں پانی ڈالو۔اور دوا نگل جاؤ۔"

"کیا فرق پڑتا ہے۔اماں وڈی؟ مجھے تو اب دنوں مہینوں سالوں کا حساب ہی نہیں رہا کہ کب سے یہ گولیاں کھاتی آرہی ہوں۔انہوں نے کیا بدلا ہے۔؟میں تو آج بھی ویسی ہی ہوں۔مجھے کچھ بھی نہیں بھولتا۔لوگوں کی یادداشت چھن جاتی ہے۔میں اس معاملے میں بھی خوش قسمت نہیں ہوں۔ایسا کیوں ہوتا ہے وڈی اماں کہ اللہ اپنے ایک ہی بندے کی قسمت میں اتنی ڈھیر ساری محرومیاں رکھ دے۔کیا تھا جو اللہ مجھے بھی اپنے پسندیدہ لوگوں میں شامل کرتے۔مجھے کیوں ایسوں میں شمار کیا جنہیں وہ ناپسند کرتا ہے۔"

"توبہ کرو تاشفہ ایسے نہیں کہتے۔تم کیسے کہہ سکتی ہو کہ اللہ کو تم سے محبت نہیں ہے؟۔۔۔"

"وڈی اماں دیکھیں میری طرف کیا اللہ جن سے محبت رکھے اُن کی حالت میرے جیسی ہوتی ہے؟ کیا زمانے میں اُنکی شہرت میرے جیسی ہوتی ہے۔لوگ میری طرف دیکھتے ہیں۔پھر ایک دوسرے کے کانوں میں سرگوشیاں کرتے ہیں۔وڈی اماں میں کوئی اندھی بہری تو نہیں ہوں ناں۔اے کاش اُس نے مجھے اندھا بہرہ ہی بنا دیا ہوتا۔تو میں اپنے رشتے داروں کے چہروں پر جو نخوست مجھے دیکھ کر اُترتی ہے۔اُس سے تو انجان رہتی۔جو میری پھوپھیاں مجھے گھورتے ہوئے بڑبڑاتی ہیں۔وہ سُنائی نہ دیتا۔میں نے آخر کیا کیا ہے؟ مجھے بُروں میں شمار

کیوں کیا گیا ہے؟۔۔۔"

"کس نے کہا تم بُری ہو۔تم تو بڑی نیک لڑکی ہو۔"

"مت کہیں مجھے نیک۔ یہ سب آپ مجھے تسلیاں دینے کو کہتی ہیں۔آپ بس میرے پہ ایک آخری احسان کردیں۔اسکو کہیں وہ مجھے چھوڑ دے۔"

وہ آج اُنکو کی بجائے اُسکو کہہ رہی تھی۔

"چھوٹی عمر میں جو نشہ انسان کو لگ جائے وہ آسانی سے نہیں جاتا۔وہ تمہیں کبھی نہیں چھوڑے گا۔"

"ٹھیک ہے پھر میں اُسکو چھوڑ رہی ہوں۔"

وہ اپنی جگہ سے اُٹھ کر اپنے کمرے میں گئی۔جا کر بیگ میں رکھا موبائل نکال کر واپس آئی۔کانپتی انگلیوں سے لاک ہٹا کر ان باکس کھولا۔

لائف لائن واہے ٹائٹل والا کانٹیکٹ کھول کر واٹس ایپ پر آئی ڈی کھول کر میسج لکھنے لگی۔

"میں تاشفہ عباس اپنے پورے ہوش وحواس میں آپ کو چھوڑ رہی ہوں۔آج کے بعد میرا اور آپکا کوئی لینا دینا نہیں۔آپ میرے لیے کبھی نہ تھے۔آج میں آپکے لیے بھی مرگئی۔"

میسج بھیج کر اُس نے فون لاک کر کے بیڈ پر پھینکا۔

اپنے دوپٹے سے رگڑ کر سارے آنسو صاف کیے۔بیگ میں سے دو نیلی پیلی گولیاں نکال کر پانی کے ساتھ گلے میں اُتار لیں۔

اماں وڈی کو وضو کروانے میں مدد دی۔وہ ابھی نماز پڑھ رہی تھیں۔جب نوازش علی ہلکی سی دستک دیکر اندر آگئے۔وہ وضو کر کے نکلی تھی۔مگر نوازش علی کو دیکھ کر جائے نماز کو بڑھتا ہاتھ درمیان میں ہی رُک گیا۔کیونکہ اُنکے پیچھے اُنکی بیگم بھی تھیں۔تاشفہ پر نظر پڑتے ہی شمیم کی تیوری چڑھ گئی۔

اُس نے نظر انداز کرتے ہوئے نوازش علی کو سلام کیا۔

"اسلام علیکم انکل۔۔۔"

"وعلیکم اسلام تاشفہ بیٹی کیسی ہو؟ گھر پہ بھابھی اور بچیاں سب ٹھیک تھے؟۔۔۔"

''جی انکل۔''

''اچھی بات ۔۔۔جب اماں نماز سے فارغ ہو جائیں۔ مجھے بتا دینا۔ میں اُتنی دیر باہر بیٹھتا ہوں۔ اچھی ہوا چل رہی ہے۔ اندر تو اے سی آن ہونے کے باوجود حبس محسوس ہوتا ہے۔''

''جی اچھا۔۔۔''

اُس نے فرمابرداری سے کہا۔ نوازش علی تو باہر نکل گئے۔ جبکہ شمیم اُسکو گھورتے ہوئے وہیں بیٹھ گئیں۔ وہ کہہ کچھ نہیں رہی تھیں۔ مگر اندر کی نفرت آنکھوں سے جھلک رہی تھی۔ وڈی اماں کو سلام پھیرتے دیکھ کر شمیم تاشفہ کو مخاطب کرتے ہوئے بولیں۔

''اماں کے کپڑے تیار کر دو۔ کل میرے فربود کا رشتہ دیکھنے جا رہی ہیں۔''

تاشفہ ناسمجھی سے شمیم کی شکل دیکھتی رہ گئی۔

''ایسے کیا گھور رہی ہو منحوس۔۔۔ سُنا نہیں اماں کا سب سے اچھا جوڑا تیار کر دو۔''

''میں سُن چکی ہوں۔ بدقسمتی سے بہری تو میں ہوں نہیں۔ اور آپ براہ مہربانی مجھ پر صرف اپنی نفرت ہی جتایا کریں۔ حکم چلانے کی کوشش نہ ہی کریں۔ کیونکہ نہ تو میں آپکی ملازمہ ہوں۔ نہ آپکا لیکر کھاتی ہوں۔''

''اب گھورے کیا جا رہی ہو۔ منہ میں کچھ ڈالا ہوا ہے۔ جو بولتی بند کیے کھڑی ہو۔ جاؤ جا کر اپنا کام کرو۔ خوامخواہ سامنے آ کر میرا بی پی بڑھا دیتی ہو۔''

شمیم کو بولتا دیکھ کر اُسکو اپنی بزدلی کا احساس ہوا۔ وہ جو کچھ سوچ رہی تھی۔ مر کے بھی کہہ نہیں سکتی تھی۔ اسلیے چُپ چاپ وہاں سے ہٹ گئی۔

باہر آئی تو ساری لڑکیاں گروپ کی صورت میں بیرونی گیٹ کی جانب بڑھ رہی تھیں۔ تاشفہ پہ نظر پڑتے ہی عائشہ نے ہانک لگائی۔

''ارے بے وفا تاشو جلدی سے ادھر مرو ورنہ تیرا میرا امرن جیون ختم۔۔۔''

تاشفہ کے لبوں پہ مسکراہٹ دوڑ گئی۔ دل میں سوچا عشا کی نماز واپس آ کر پڑھ لونگی۔ دھیمی چال چلتی ہوئی گیٹ تک آئی۔ باقی لڑکیاں جا چکی تھیں۔ مگر عائشہ اُسکے انتظار میں ہی کھڑی تھی۔

تاشفہ کے قریب آتے ہی اُسکے گلے لگ گئی۔

''کیا گھر جا کر کھانے کو نہیں ملتا۔ ہڈیاں ہی ہڈیاں رہ گئی ہیں۔''

''بیمار تھی۔ اسلیے کمزوری ہوئی۔''

''کیا بیماری تھی؟۔۔۔''

بھاری مردانہ آواز پر اُس نے چونک کر پوچھنے والے کی جانب دیکھا۔

فربود صاحب آنکھوں میں شوق کی قندیلیں لئے اُسکو ہی دیکھ رہے تھے۔

تاشفہ کے چہرے سے مسکراہٹ یوں غائب ہوئی جیسے بادلوں میں سورج غائب ہوتا ہے۔

''فربود بھائی آپ اپنی ٹرپ سے کب واپس آئے؟۔۔۔''

''صبح کا آیا ہوا ہوں۔''

''تم کہاں جا رہی ہو؟''

''وہ ساری لڑکیاں ذرا نہر پر جا رہی ہیں۔ میں اور تاشفہ پیچھے رہ گئے۔''

''تاشفہ جی تو بڑی مغرور لگتی ہیں۔ جس دن میں آیا تھا۔ تب بھی سیدھے منہ سلام کا جواب نہ دیا۔ اور آج بھی میرا سوال سرے سے گول ہی کر گئی ہیں۔''

''ارے نہیں فربود بھائی تاشفہ تو ذرا مغرور نہیں ہے۔ ہاں بس کسی کے ساتھ زیادہ فری نہیں ہوتی ہے۔ آپ محسوس نہ کیجئے گا۔ یہ یہاں واسع بھائی سے ہی کبھی بات کر لے تو کر لے ورنہ باقی کسی لڑکے کو مخاطب کرنا دور اُنکی جانب دیکھتی بھی نہیں ہے"

''ہاں وہ تو سارے اسکے کزن نہیں ہیں۔ نہ بھی بولے تو کوئی بات نہیں۔ مگر میرے تو یہ ماموں کی بیٹی ہے۔ مجھے کیوں اتنا اگنور کرتی ہے۔ یا پھر دیسی لڑکیوں والے نخرے تو نہیں دیکھا رہی ہے۔''

اندر کمرے میں ماں کو چھوڑ کر باہر بھاگ گئی تھی۔ اور اب آگے بیٹا آ گیا تھا۔

تاشفہ کو فربود کی گہری نظروں سے سخت اُلجھن ہو رہی تھی۔ جی چاہا شمیم پھوپھی کو آواز دے آ کر اپنے لختِ جگر کو قابو کرو۔ تمہاری بیچ بھتیجی کے ساتھ علیک سلیک بڑھا رہا ہے۔

"عائشہ چلیں؟۔۔۔"

"ہاں چلو۔اچھا فربود بھائی پھر بات ہوتی ہے۔اپنی مری والی تصویریں ضرور دیکھائیے گا۔"

"چلو میں تم لوگوں کے ساتھ ہی چلتا ہوں۔اس وقت میں بھی فارغ ہی ہوں۔"

"عائشہ مجھے شمیم پھوپھو نے اماں وڈی کے کپڑے تیار کرنے کو بولا تھا۔کل فربود صاحب کے لیے رشتہ دیکھنے جارہی ہیں۔میں نہر پر پھر کسی وقت چلی جاؤنگی۔ابھی ذرا کام کرلوں۔"

عائشہ کا جواب سُنے بغیر ہی لمبے لمبے ڈگ بھرتی اندر چلی گئی۔

عائشہ نے معذرت خواہ نظروں سے فربود کو دیکھا۔جو سنجیدہ نظروں سے تاشفہ کو جاتے ہوئے دیکھ رہا تھا۔ پھر عائشہ کی طرف مُڑا۔

"کیا یہ میری وجہ سے واپس چلی گئی ہے۔؟۔۔۔اتنی عجیب کیوں ہے؟۔۔۔"

"آپ اسکو پرسنل نہ لیں۔آپکی جگہ عدیل یا نبیل بھائی بھی ہوتے تب بھی اُس نے ایسا ہی کرنا تھا۔اصل میں شمیم چچی نے ایک آدھ دفعہ اسکو گھر کے کسی لڑکے کا کام کرتے دیکھ کر بڑی غلط باتیں کردی تھیں۔حالانکہ مخاطب یہ کسی سے بھی نہیں ہوتی۔سب ہی یہ بات جانتے ہیں۔پھر بھی نہ جانے کیوں آپ کی امی تاشفہ کو اتنا ناپسند کرتی ہیں۔کچھ یہ ویسے بھی چُپ چُپ ہی رہتی ہے۔اوپر سے چچی کے رویے نے اسکو اور بھی روکھا کردیا ہے۔" وہ دونوں باتیں کرتے گھر سے نکل کر نہر کی جانب چل پڑے۔

فربود نے کندھے اُچکاتے ہوئے ادھر اُدھر کی اور باتیں شروع کردیں۔یہ جاننے کی کوشش بھی نہیں کی آخر اُسکی ماں کو تاشفہ سے کیا بیتار کیا تھی۔

"تمہاری پڑھائی کیسی جارہی ہے؟۔۔۔"

"ایک دم بور۔۔۔"

فربود نے ہلکا سا قہقہہ مارا۔۔۔

"یعنی بس گزارا ہی ہے۔کوئی خواب یا جنون کوئی نہیں ہے۔"

"جنون ہے ناں بھائی۔۔۔"

''ہاں جانتا ہوں۔ناولز پڑھنے کا جنون ہے۔مگر میں سوچتا تھا۔اب تک ہماری عاشو کچھ نہ کچھ سنجیدہ ہو ہی گئی ہوگی۔''

''کیا کرنا ہے سنجیدہ ہو کر۔۔۔ہونی تو اینڈ پہ شادی ہی ہے۔''

ایک دفعہ پھر فربود کے لب پھیلے۔۔۔

''بڑی ہو کر کیا بنو گی۔''

''ہائیں آپکو میں چھوٹی لگتی ہوں؟۔۔۔''

''تو اور کیا ابھی تو تم میرے کندھوں تک بھی نہیں آئی ہو۔''

''ہائے اللہ اپنے آپ سے تو نہ ہی ملائیں۔آپ تو سرو اور سفیدے کی طرح لمبے ہی لمبے ہیں۔مجھے نہیں ہونا اتنی لمبی۔میرا قد جتنا ہے۔اُتنا ہی ٹھیک ہے۔''

چار پانچ منٹ میں ہی اُنہوں نے باقی پلٹون کو جالیا۔

فربود کی آواز سُنتے ہی حرا خوشی سے بولی۔

''فربود آج ذرا ہاتھ لگے ہو تو اپنے ملک کی سُناؤ۔کیا تھا جو آتے ہوئے کوئی ایک آدھ گوری ہی لے آتے۔''

''ہاں وہاں مفت بٹتی ہیں ناں جو آپ کی خدمت کے لیے لے آتا۔''

''میرے بھائی ہماری نہیں پر اپنی خدمت کو ہی لے آتے۔اب چچی بیچاری نے کئی لڑکیاں رد کرنی ہیں۔''

''گوری کو تو جیسے امی جی نے سو بسم اللہ کر کے گلے لگانا تھا۔''

''کیا پتا لگا ہی لیتیں۔آخر اتنی گوری بہو ہوتی تھی۔''

''دفعہ کریں گورا رنگ حرا آپا آپکا بھائی کالی کے ساتھ ہی گزارا کر لے گا۔''

ساری لڑکیاں مکئی کے دانوں کی طرح کھڑ کھڑا کر ہنسیں۔۔۔

''لا لے اپنی چچی بڑی سٹائلش عورت ہیں۔بڑا اونچا ناک ہے۔وہ کسی کالی کو بہو نہیں بنانے والی ہیں۔اُنہوں نے سارے ملک کر لڑکیوں کو وخت ڈال دینا ہے۔''

''میں بھی اُنہی کا بیٹا ہوں۔میں اُلٹا اُنکو وخت ڈال دونگا۔تم لوگ کیوں دل چھوٹا کرتی ہو۔تمہارا بھائی لڑکی

ڈھونڈ چکا ہے۔شادی تو اُسی سے ہونی ہے۔"

ہر طرف سے ایک ہی آواز اُٹھی۔۔۔

"کون ہے کون ہے؟ کیسی ہے؟ یقیناً گوری ہی ہے۔ جو دل لے اُڑی۔ ہائے بیچاری چچی کے ارمانوں کا کیا خون کیا ہے۔"

"تم ساری کی ساری پہلے یہ فیصلہ کرلو۔ میرا ساتھ دینا ہے۔ یا میری امی جی کا۔"

"ہمیں چچی کے ہاتھوں قتل ہونے کا کوئی شوق نہیں ہے۔ لہٰذا ہم سب کی جانب سے پیشگی معذرت۔۔۔"

"کیسی بہنیں دی ہیں۔ یارب جو مشکل کے آتے ہی آنکھیں پھیر گئی ہیں۔"

پورا گھنٹہ نہر پہ بیٹھ کر گپیں ہانکنے کے بعد وہ لوگ واپسی کو مُڑے راستے میں فربود نے سب کو کھوئے والی قلفیاں دلوائیں۔

اگر کسی کے دل میں یہ خیال تھا کہ فربود اپنی دنیا میں مگن رہنے والا لڑکا ہے۔ وہ تاثر دور ہو گیا تھا۔ کیونکہ چھٹی والے دن گھر کے باقی لڑکوں کے ساتھ وقت گزارتا۔

گھر داخل ہوتے ہی وہ سیدھا باہر والی بیٹھک میں گیا۔ کمرے میں قدم رکھا نظر ٹی وی سکرین پر پڑی جہاں نئی آنے والی انڈین فلم چل رہی تھی۔ اُسکے سارے کزن اے سی کی ٹھنڈک میں مست لیٹے تھے۔

غصے کو قابو کرتے ہوئے وہ آگے بڑھا۔ ٹی وی کا پلگ نکال دیا۔

"او یہ کیا کر رہے ہو؟۔۔۔ یار ابھی ہی تو اصل ایکشن شروع ہوا تھا۔ تم نے آکر درمیان میں ہی سارا ستیاناس کر دیا۔"

"میں جب بھی اس کمرے میں آتا ہوں۔ تم لوگ کوئی نہ کوئی فلم ہی دیکھ رہے ہوتے ہو۔ دنیا کی بھی ہوش خبر ہے یا نہیں؟۔۔۔ کیڑے پڑے جانوروں کی طرح اندر گھس گھس کر آرام ڈھونڈتے ہو۔ نکلو ناں ذرا باہر۔۔۔"

"او یار باہر جا کر کیا کریں۔ کوئی کام بھی تو ہو۔"

"کام ہی ہے۔ آج پانی لگانے کی باری ہماری ہے۔ دو لوگ اُدھر جاؤ اور دوسرے دو ڈرائیور کو جا کر ذرا مدد

دو۔کب سے بچارہ ٹریکٹر پر بیٹھا ہوا ہے۔“

”تمہیں کیوں اتنی فکر ہو رہی ہے۔اگر وہ کھیت تیار کر رہا ہے۔تو احسان نہیں کر رہا اُسکو تنخواہ ملتی ہے۔“

”اُسکو صرف تنخواہ ملتی ہے۔اور وہ اس قدر محنتی ہے۔تم لوگوں کو تو فری میں کھانا پینا پہننا اوڑھنا۔۔۔نرم بیڈ فری وائی فائی نوابی طرز زندگی سب کچھ ملا ہوا ہے۔پھر تم لوگ محنت کر کے اپنے اوپر لگائے گئے اپنے ماں باپ کے مال کو حلال کیوں نہیں کرتے۔سارا سارا دن سانڈو کی طرح پڑے اونگھتے رہتے ہو۔کام کے نہ کاج کے دُشمن اناج کے۔۔۔نکلو باہر آج سے میں اس کمرے کو تالا لگا رہا ہوں۔سب اپنے بستر اوپر چھت پر لگاؤ اور آج کے بعد اُدھر ہی سونا۔“

”تو ہمارا ابا بننے کی کوشش نہ کر۔چار دن باہر کیا رہ آئے ہو۔اپنے آپ کو کوئی توپ چیز سمجھنے لگ گئے ہو۔جانے سے پہلے تم ہی یہاں لڑکیوں کے پیچھے خوار ہوا کرتے تھے۔آج بڑے عقل مند بن رہے ہو۔“ عدیل کی بات پر وہ بڑے تحمل سے بولا۔

”تم میرے ساتھ منہ ماری کر کے اگر مجھے چپ کروانے کے چکر میں ہو۔تو بتا دوں۔اپنی انرجی ضائع نہ کرو۔“ اُس نے مزید کچھ کہے بغیر ڈی وی ڈی پلیئر اُٹھا کر بغل میں دبایا اور وہاں سے نکل آیا۔

اگلا سٹاپ رضیہ چچی کا پورشن تھا۔

”یہ کیا اُٹھائے گھوم رہے ہو؟۔۔۔“

”آپکے لیے تحفہ لایا ہوں۔اس ڈبے کو کسی بستر والے بڑے سے ٹرنک میں پھینک کر تالا لگا دیں۔“

رضیہ پہچانتے ہوئے بولیں۔

”چھاپہ مار کر آ رہے ہو۔“

”ہاں جی۔اب آپ کے شوہر صاحب سے ایک کام ہے اُسی کے سلسلے میں آیا ہوں۔“

”یعنی کام نہ ہوتا تو تم نے ادھر نہیں آنا تھا۔“

”نہیں میں ایسا بھی مطلبی نہیں ہوں۔آپکے ہاتھ کی بنی دھڑیڑ کا لسی پینے کے لیے ہر صبح آتا تو ہوں۔“

رضیہ چچی جواب دینے ہی لگی تھیں۔جب اندر سے دستگیر کی آواز آئی۔

''کیا باہر فریبو بول رہا ہے؟ اُسکو اندر بھیجو مجھے کام ہے۔''

''جاؤ تمہاری خشبو اندر جا چکی ہے۔اب آواز پہ آواز آنی ہے۔''

''آپ چچا بھتیجے کی محبت پر جلنے کی بجائے فالسے کا شربت بنا کر پلائیں۔قسم سے ساری جائز خواہشات پوری ہونگی۔''

''سب سے جائز خواہش تو تمہارے لیے لڑکی دیکھنے جانے کی ہے۔وہاں جانے کے لیے تو تمہاری اماں نے ہمیں جھوٹے منہ بھی دعوت نہیں دی ہے۔''

''ارے پہلی پہلی دفعہ جو جا رہی ہیں۔اسلیے ایسا روکھا رویہ رکھے ہوئے ہیں۔ابھی تو نہ جانے کتنی لڑکیاں دیکھیں گی۔پر آپ فکر نہ کریں۔شادی میں آپکی پسند کی لڑکی کیساتھ ہی کرونگا۔''

''بھابھی کے کان میں تمہاری یہ بات پڑی ناں تو وہ تمہیں کمرہ اریسٹ کر دیں گی۔یہ تو اماں وڈی کے ڈر سے وہ ہم لوگوں کو برداشت کر رہی ہیں۔''

''کیا آپکو میری محبت پر کوئی شک ہے؟۔۔۔وہ ایک چھوڑ لاکھ مرتبہ مجھے آپ سے دور کرنے کی کوشش کریں۔پر میں نے تو کبھی آپکو نہیں چھوڑنا ہے۔آپ تو میری چھوٹی ماں ہیں۔جس بیٹے سے آپکو اتنی محبت ہے۔اُسی محبت کے صدقے اُسکی ماں کے رویے کو بھی نظر انداز کر دیا کریں۔''

''اچھا جاؤ جا کر چاچو کی بات سُن لو۔ماشاءاللہ پتا نہیں کہاں سے اتنی سیانی باتیں سیکھ کر جوان ہوئے ہو۔ہر وقت ڈر رہتا ہے۔ہماری ہی نظر نہ لگ جائے۔''

''شہزادہ گلفام صاحب اگر تعریفوں سے دل بھر گیا ہو تو اندر تشریف لے آئیں۔ہمارے ابا حضور ملاقات کو بے تاب ہیں۔دو چار قصیدے وہاں سے بھی سُن لیں۔''

واسع کا چہرہ دروازے کے فریم میں اُبھرا۔۔۔

اُس نے ڈی وی ڈی باکس رضیہ کے ہاتھ میں دیا۔خود واسع کے گلے میں بازوں ڈال کر اندر چلا گیا۔

جہاں دستگیر کارپٹ پر سارے کھاتے کھول کر حساب کتاب میں مصروف تھے۔

''چوہدری صاحب اگر گندم اس دفعہ زیادہ ہی اچھی ہوگئی ہے۔تو کوئی دس بارہ لاکھ میرے یار کی شادی پہ ہی

لگادیں۔ بچارہ کب سے آپکی جوتیاں سیدھی کر رہا ہے۔ کسی کو بچے کا کوئی خیال ہی نہیں ہے۔"

"تمہارا بھی کہیں رشتہ پکا ہوجائے۔ پھر دونوں بھائیوں کی شادی ایک ساتھ کردیں گے۔"

دستگیر کے جواب پر وہ پھسکڑا مار کر اُنکے قریب بیٹھ گیا۔ اور اُنکے ہاتھ سے قلم لیکر پرچیوں پہ لکھی تفصیل رجسٹر میں اُتارنے لگا۔

"یہ سراسر ظلم ہے۔ کیوں بے زُبان کی بدُدعا لیتے ہیں۔ میرا بھائی اس قدر شریف اور شرمیلا ہے۔ اگلے دو سال تک بھی آپ اسکی رُخصتی نہ کریں۔ تب بھی اپنے منہ سے نہیں کہے گا۔ پر میرا تو جگر ہے۔ یہ نہ بھی کہے مجھے پتا چل جاتا ہے۔ اب اسکی رُخصتی ہونی چاہیے۔"

"میری فکر چھوڑو اپنی سوچو۔۔۔"

واسع کی بات کے پسِ منظر کو بڑی اچھی طرح جاننے کے باوجود مسکرا دیا۔

"میرے لیے سوچنے والوں کی لمبی لائن ہے۔ اسلیے فی الحال میں اپنے دماغ کو آرام دے رہا ہوں۔"

"فربود تم ہوتے کہاں ہو؟ کبھی ایک جگہ ٹِک کر بیٹھ بھی جایا کرو۔ جب بھی کسی کو تمہاری تلاش میں بھیجوں یہ ہی جواب آتا ہے۔ اس وقت گھر پر نہیں ہے۔ پرسوں سُنا کہ مری گئے ہوئے ہو۔ یار امریکہ جیسا ملک دیکھ آنے کے بعد بھی تمہارے سیر سپاٹے کے شوق پورے نہیں ہوئے۔"

"چاچو جی امریکہ امریکہ ہے۔ اور پاکستان پاکستان ہے۔ دونوں کا کوئی مقابلہ ہے ہی نہیں ہے۔ نہ تو امریکہ میں پاکستان جیسے پہاڑ اور موسم ہیں۔ نہ پاکستان میں امریکہ جیسا قانون۔۔۔"

"کیا بات کر رہے ہو۔ امریکہ کا قانوں تو دنیا کا اندھا ترین قانون ہے۔ ڈاکٹر عافیہ صدیقی کا کیس اس بات کی زندہ مثال ہے۔"

کاپی پر چلتے فربود کے ہاتھ وہیں رُک گئے۔

"چاچو ڈاکٹر عافیہ کا کیس امریکہ کے اندھے قانون سے زیادہ مسلمان جوانوں کی بے غیرتی کا ثبوت ہے۔ ہماری حکومتوں کے منہ پر کُھلا تمانچہ ہے۔ اقبال نے ہماری توجہ اسی طرف کروائی تھی۔

جب فرمایا

خودی کیا ہے رازِ درونِ حیات
خودی کیا ہے بیدارئ کائنات
ازل اس کے پیچھے ابد سامنے
نہ حد اس کے پیچھے نہ حد سامنے
زمانے کی دھارے میں بہتی ہوئی
ستم اس کی موجوں کے سہتی ہوئی
ازل سے ہے یہ کشمکش میں اسیر
ہوئی خاکِ آدم میں صورت پزیر
خودی کا نشیمن ترے دل میں ہے
فلک جس طرح آنکھ کے تل میں ہے
اور پھر فرمایا۔۔۔
خودی کا سرِ نہاں لا الہ الا اللہ
خودی ہے تیغ فساں لا الہ الا اللہ

جب آج کا ہمارا جوان غیرت کے نام سے بھی واقف نہیں ہے۔تو ہماری بہنیں بیٹیاں کس طرح محفوظ ہونگی ؟جب معاشرے کا کوئی اصول ہی نہ رہے۔جب بُرائی کو بُرائی سمجھنا چھوڑ دیں۔تو کام کیسے چلے گا؟۔۔۔

آج ہمارا سارا فوکس برینڈڈ کپڑے ہیں۔فیشن ٹرینڈز دیکھنا ہمارا پسندیدہ مشغلا ہے۔آپ نویں دسویں کے بچوں کو پوچھ لیں۔لڑکے ایڈی ڈاس 'نائیکی' زارا' گوچی کے دیوانے نظر آئیں گے۔سکول بیگز سے لیکر سیل فون تک لیٹسٹ ماڈل کا چاہیے۔لڑکیاں بھی پیچھے نہیں ہیں۔ہمارے اپنے گھر کی مثال لے لیں۔گاؤں میں پیدا ہوئیں یہیں پلی بڑھی ہیں۔مگر جب مارکیٹ جاتی ہیں۔بریزا' گل احمد' پیور کے علاوہ کسی کپڑے کی جانب دیکھنا بھی توہین سمجھتی ہیں۔جو کپڑا دس' پندرہ ہزار سے کم سرمائے میں آئے اُسے کسی کھاتے میں نہیں ڈالا جاتا ہے۔"

’’فربود تم کہاں سے ایسی باتیں سیکھتے ہو؟۔گھر چھوڑ سارے خاندان برادری میں کوئی ایسے خیالات والا نہیں ہے۔‘‘

رضیہ اندر آگئیں تھیں۔اب حیرت سے پوچھنے لگیں۔جس پر فربود مُسکرا بھی نہ سکا۔

’’بس چچی جب تک ہم آسانیوں کا شکار رہتے ہیں۔دنیا کی حقیقت سے ناواقف رہتے ہیں۔اپنی دنیا اور اپنے حال میں مگن۔پر جب اکیلے دنیا کا سامنا کر کے اپنی جگہ بنانے کا شوق چڑھے تو پھر احساس ہوتا ہے۔میں تو ایک نقطے سی حیثیت بھی نہیں رکھتا۔جب ابو نے میرا ویزا تو لگوا دیا پر ائر پورٹ پر رُخصت کرتے وقت اُنہوں نے کہا جو رقم اس وقت مجھ سے لیکر جا رہے ہو۔میری طرف سے تمہارا وہی حصہ نکلتا ہے۔اسکے آگے کُچھ اُمید مت رکھنا۔اپنا سارا خرچ خود اُٹھانا ہے۔مجھے اُس وقت ابو کی بات فقط ایک مذاق ہی محسوس ہوئی۔امریکہ جیسا مہنگا ملک اور کوئی مالی مدد نہیں مر کے بس فیسوں کے خرچے ہی پورے ہو جاتے پھر بھی تھا۔‘‘

’’ادھر امی نے کبھی خود سے ہل کر پانی کا گلاس تک نہیں اُٹھانے دیا تھا۔اُدھر لوگوں کے سامنے جی حضوری کرنی پڑی۔شائد ہی کوئی ایسا کام بچا ہو۔جو میں نے نہ کیا ہو۔ابو نے کہا تھا شادی کروانے کا بڑا شوق ہے۔تو اپنے آپ کو کسی قابل بنا کر دیکھاؤ۔۔۔‘‘

’’برخوردار تم نے بھی تو حد ہی کر دی تھی۔ابھی ایف ایس سی بھی مکمل نہیں ہوئی اور جناب کو شادی کا بھوت چڑھ گیا۔‘‘

’’چاچی یہ بھی تو غور کریں ناں۔۔۔آج کل ستے فون پیکج اور ساری ساری رات پڑھائی کے بہانے فون اور لیپ ٹاپ پر جو جو کُچھ ہو رہا ہے۔میں نے یہ سب تو نہیں ناں کیا۔بس وہ لڑکی اچھی لگ گئی۔جھٹ امی کو بتا دیا۔یہی غلطی کی۔امی نے تو مجھے نانی یاد کروادی۔سدا کے چپ رہنے والے ابو بھی اُن دنوں جلاد ہی بن گئے تھے۔اُس وقت مجھے سمجھ آئی جب انسان کے ستارے گردش میں آجائیں۔پھر سارے کام ہی اُلٹ ہوتے ہیں۔‘‘

’’چلو اگر ماں باپ نے سختی کی تو آج اُسکا پھل بھی تو مل رہا ہے۔جو کل تک ماں باپ کے ناک میں دم کیے رکھتا تھا۔آج ماشاءاللہ اتنا نیک اور سعادت مند بیٹا ہے۔جس کی ہر ماں باپ کو خواہش ہوتی ہے۔‘‘

”امی آپ اتنی امپریس نہ ہوں۔ یہ آج بھی کمینے کا کمینا ہی ہے۔ بس باتیں بنانے میں ماہر ہو گیا ہوا ہے۔ آخر گھاٹ گھاٹ کے پانی پی کر آیا ہے۔“

واسع نے ماں کی معلومات میں اضافہ کرنا چاہا جس پر فربود ہنستے ہوئے اُٹھ کھڑا ہوا۔

”واسع بھائی اگر آپ کے والدین آپ کے مقابلے میں چھوٹے بھائی سے زیادہ ایمپریس ہیں۔ تو اس بات پر آپ کے پیٹ میں کیوں مروڑ اُٹھ رہے ہیں۔ سچ برداشت کیوں نہیں ہوتا جیجا جی۔۔۔“

واسع ہنستے ہوئے بولا۔

”بیٹا تو پہلے یہ فیصلہ کر لے۔ تُو میرا سالا ہے۔ یا بھائی ہے۔“

”میں تو اِن ون ہوں۔ جس وقت جس رشتے میں زیادہ فائدہ نظر آئے گا۔ وہی بن جاؤنگا۔ جیسے ابھی آپ بالکل جیجا جی لگ رہے ہیں۔“

”یعنی اس وقت تمھیں مجھ سے کوئی کام ہے۔“

”جی میری جان درست سمجھا ہے۔ مجھے اپنے فون کے لیے نئی سِم چاہیے۔ اگر ناگوارانہ گزرے تو جا کر ڈسکے سے پکڑ لائیں۔“

واسع نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ جبکہ رضیہ گلاسوں میں فالسے کا شربت ڈالتے ہوئے بولیں۔۔۔

”کیا سِم کل نہیں آسکتی؟۔ اب تو بڑی رات ہو گئی ہے۔“

”امی صرف ساڑھے دس ہوئے ہیں۔ ہم لوگ آدھے گھنٹے میں واپس آجائینگے۔ ویسے بھی ہمارا راستہ بڑا صاف سُتھرا ہے۔ ڈر والی کوئی بات نہیں ہے۔“

فربود رجسٹر واپس دیتے ہوئے بولا۔

”وہ جو چار نکمے چھٹیوں کی وجہ سے عیاشی مار رہے ہیں۔ اُن سے کام لیں۔ ابھی میں کہہ کر تو آیا ہوں۔ مگر ایک دفعہ آپ ڈانٹ دیں گے۔ تو زیادہ اثر ہو گا۔“

”اُنکو میں دیکھ لونگا۔ تم دونوں نے اگر ضروری ہی جانا ہے۔ تو جلدی نکلو۔ فون ساتھ لیکر جانا۔ اور واسع سوئٹ ہاؤس والے کو کہنا ابو نے کل ڈیرے پر آنے کا کہا ہے۔“

"جی اچھا۔۔۔"

شربت کا ایک ایک گلاس پینے کے بعد دونوں آگے پیچھے چلتے ہوئے باہر کو آ گئے۔

نچلے صحن میں ابھی تک نوازش علی اور چوہدرانی جی کی محفل جمی ہوئی تھی۔ جس میں موجود افراد کی تعداد میں خاطر خواہ اضافہ ہو چکا تھا۔ گھر کی ساری نوجوان پارٹی وہیں بیٹھ کر آم کھانے کی مقابلہ بازی فرما رہی تھی۔

فربود کے قدم پیچھے ہی رُک گئے۔ واسع کی فربود کے ساتھ ٹکر ہوئی جس پر وہ تلملا کر بولا۔

"بیچ راستے میں پلر کی طرح رُک گئے ہو۔ بندہ پچھلی ٹریفک کا ہی خیال کر لیتا ہے۔"

"ٹریفک کانسٹیبل صاحب آگے کچہری لگی ہوئی ہے۔ ادھر سے گورے تو دادی نے شہر نہیں جانے دینا۔"

"تو اب پھر کیا کریں۔"

"چھت کے راستے حویلی کی طرف نکل جاتے ہیں۔"

واسع کو تجویز پسند آئی تھی۔ جس پر عمل کرتے ہوئے واپس مُڑا۔۔۔

"آ جا میرے شیر اس دفعہ میں آگے لگتا ہوں۔"

واسع آگے فربود پیچھے ابھی دو ہی قدم اُٹھائے تھے۔ جب نوازش علی کی آواز پہنچ گئی۔

"اے جی سرکار اتنی خاموشی اور دبے پاؤں۔ آخر کدھر کی تیاریاں ہیں؟"

فربود کے منہ سے بڑبڑاہٹ نکلی۔۔۔

"مر گئے یار۔۔۔"

رُک کر پیچھے دیکھا۔ تمام حاضرینِ محفل کی توجہ کا مرکز وہی دونوں تھے۔ جن کے چہرے دوسری جانب تھے۔ وہ بھی گردنیں موڑ کر اُن کو ایسے دیکھ رہے تھے۔ جیسے واسع اور فربود کے سینگ نکل آئے ہوں۔

"اب کیا کریں۔۔۔؟۔۔۔"

واسع کے پوچھنے پر فربود بولا۔

"مجھے تمہارے سوال سے میڈاگاسکر اینمیٹڈ فلم کا وہ سین یاد آ گیا ہے۔ جب جانور کار گوشپ پر سوار تو ہو جاتے ہیں۔ مگر وہ یہ نہیں جانتے کہ شپ میں تیل ختم ہے۔ اور جب پینگوین اپنے باس سے پوچھتا ہے۔ کیا انکو بتا

دوں شیپ میں تیل نہیں ہے۔اسلیے بیوقوفوں کی طرح خوش ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔اس آئلینڈ سے جانے کا کوئی راستہ نہیں۔تو باس جواب دیتا ہے۔

ان کو خوش ہونے دو۔کچھ بھی بتانے کی ضرورت نہیں ہے۔آخر اُنکو خبر ہو ہی جانی ہے۔اسلیے تم لوگ بس مسکرا کر الوداعی ہاتھ ہلاتے جاؤ۔"

واسع ہنستے ہوئے بولا۔

"تمہارا مطلب ہے۔ہمیں بھی یہی کرنا چاہیے؟"

"اور کیا مسکراؤ اور ہاتھ ہلا دو۔"

"اُدھر کھڑے ہو کر کیا گھسر پھسر کر رہے ہو۔ادھر کیوں نہیں آ رہے۔"

ناچار وہ دونوں آگے بڑھ آئے۔

"بڑے چاچو یہ لوگ ادھر تو نہیں جا رہے ہیں۔"

عدیل نے جیب سے سینما کے دو ٹکٹ نکال کر نوازش علی کے سامنے کیے۔

نوازش علی تو اُدھر متوجہ ہو گئے۔پر فربود نے واسع کو نظریں دیکھائیں۔اور تاسف میں سر ہلایا۔

"فربود بھائی ذرا عجیب نہیں لگتا۔دوسروں کو روک ٹوک کرنا۔جو بیچارے گھر کی چار دیواری میں بیٹھ کر کوئی ایک آدھ فلم دیکھ لیں۔اُسکی اتنی تکلیف ہو رہی تھی۔اور خود آپ سینما جاتے ہیں۔"

"بچا بچا کتنی عورت کہیں کے میں سینما جاتا ہوں۔مجرہ دیکھنے نہیں جاتا جو مجھے شرمندہ کرنے کی کوشش میں ہو۔جو فلمیں تم دیکھتے ہو۔اُن میں سوائے ٹھرکی پن اور سستے رومینس کے اور کیا ہوتا ہے؟"

"ہاں جی آپ تو کرونیکل آف موزاز جیسی فلمیں ہی دیکھتے ہیں۔"

واسع پہلے ہی آم پکڑ کر کھانے میں مصروف ہو چکا تھا۔فربود عدیل کو قابو کرنے کے چکر میں جلدی سے وڈی اماں اور باجی حرا کے درمیان خالی پڑی جگہ پر بیٹھتے ہوئے بولا۔

"اچھا یار ایک ڈیل کرتے ہیں۔میں سینما جانا بند کر دیتا ہوں۔تُو اپنا دیسی سینما بند کر دے۔بتاؤ منظور ہے؟"

بات کرتے کرتے یونہی اپنی امی پر نظر پڑی جو اُسکے برابر بیٹھی حرا کو گھور رہی تھیں۔میکانکی انداز میں بائیں

طرف گردن موڑ دیکھا۔ایک پل کو تو اپنی بات بھول گیا۔ جسے وہ باجی حرا سمجھا تھا۔ وہ تاشفہ عباس تھی۔ دونوں کے کندھے مس ہو رہے تھے۔ وہ غم وغصے سے اُسکو دیکھ رہی تھی۔ کیونکہ اُسکا آدھے سے زیادہ دوپٹہ فربود کے نیچے آیا ہوا تھا۔ ورنہ وہ اُسی وقت وہاں سے اُٹھ گئی ہوتی۔

فربود کو لگا جیسے اُن دو آنکھوں نے اُسکو جکڑ لیا ہو۔ ہل بھی نہیں سکے گا۔ سارے چہرے ساری آوازیں غائب ہو گئیں۔

واسع کو بُری طرح غوطہ لگا تھا۔ کھانس کھانس کر اُسکی حالت بُری ہوئی۔ مگر اسکا فائدہ یہ ہوا۔ سب کی توجہ فربود سے ہٹ کر واسع کی جانب ہو گئی۔ فربود بھی ہوش میں آ کر معذرت کرتا فوراً وہاں سے اُٹھ گیا۔ باقی کا سارا وقت وہ کسی سے بھی کوئی بات کیئے بغیر اپنے والد کے پہلو میں بیٹھا آموں سے انصاف کرتا رہا۔

تاشفہ کے پہلو سے فربود کے اُٹھتے ہی واسع کی کھانسی رُک گئی تھی۔ یہ بات تاشفہ کے سوا کسی نے شائد محسوس بھی نہ کی تھی۔ وہ بغیر کسی بات کے خود کو مجرم سمجھ رہی تھی۔ کیونکہ شمیم ابھی بھی زہر خند نظروں سے اُسکو ہی دیکھ رہی تھیں۔ جیسے فربود کے وہاں بیٹھنے میں سارا قصور تاشفہ کا ہو۔

تاشفہ کا دل بُری طرح بھر آیا۔ نہ جانے اس عورت کا اُس نے کونسا نقصان کیا تھا۔ جو وہ اسکی بے ضرر جان سے اتنا بیر رکھتی تھیں۔ اُس نے وہاں سے اُٹھ جانے میں ہی عافیت جانی۔ اس بات سے بے خبر کہ کسی نے ترچھی ڈھکی چھپی نظروں سے دور تک اُسکا تعاقب کیا تھا۔ اندر آ کر اُس نے اپنا بیگ خالی کیا۔ جو ابھی تک ویسے ہی اُسکے بستر پر پڑا ہوا تھا۔

اماں وڈی کی سونے سے پہلے لینے والی دوا نکال کر اُنکے بیڈ سائیڈ پر رکھی۔

پھر اپنا فون لیکر اپنے کمرے میں آ کر بستر پر لیٹ گئی۔ لائٹ بند ہی رہنے دی۔ باہر کا موسم پیارا تھا۔ اندر تھی تو حبس ہی مگر اور کوئی آپشن نہ تھا۔ اماں وڈی کے کمرے میں موجود اے سی کی کولنگ یہاں تک بھی آتی تھی۔ جو گزارے کے لیے بہت کافی تھی۔

تاشفہ کے موبائل کا انٹرنیٹ ڈیٹا چلاتے ہی واٹس ایپ پہ میسجز آ گئے۔

لائف لائن کی طرف سے کُل دو میسج تھے۔ جنہیں وقتی طور پر اگنور کرتے ہوئے سیماب کے میسج کھول کر

پڑھنے لگی۔ حالانکہ دل کر رہا تھا۔ فوراً کھول کر دیکھے آخر اُس نے کیا جواب دیا ہے۔

بڑی توجہ سے سیماب کے میسج پڑھنے کی کوشش کر رہی تھی۔ الفاظ آگے پیچھے گڈ مڈ ہوتے رہے۔ دل کی دھڑکن کانوں میں ڈرم کی طرح محسوس ہو رہی تھی۔ دو پل کو آنکھیں موند کر اُس نے گہرا سانس بھرتے ہوئے خود کو سرزنش کی۔ اُس سے تعلق ختم کرنے کا شوق ہے۔ اور اتنا سا بھی صبر نہیں ہے۔ اُس سے بات کیے بغیر تو گوارا نہیں ہوتا۔ اُس کو چھوڑو گی کیسے؟۔۔۔"

آنکھیں کھول کر فون کی سکرین دیکھی۔ لائف لائن کے نام والی چیٹ کھولی۔

کتنی دیر لب بھینچ کر سنجیدہ نظروں سے سکرین کو دیکھتی رہی۔ جہاں صرف اتنا لکھا تھا۔

تینوں چھڈ یئے تے تھاں مریئے

دل تینو دے بیٹھے ہُن کریئے تے کی کریئے۔۔۔

"چھوڑنے کی باتیں غصے میں کر لو۔ مذاق میں بول لو۔ پر حقیقت میں یہ میری موت کے بعد ہی ممکن ہوگا۔" بے یقینی سے اپنی جگہ تھم کر رہ گئی۔ کتنی آسانی سے وہ یہ بات کہہ گیا تھا۔

بے اختیاری سے جلدی جلدی انگلیاں کی بورڈ پر بھاگنے لگیں۔

"اتنی بڑی بات آپ اتنی آسانی سے کیسے کہہ گئے؟"

سیماب کو جواب دیئے بغیر ہی اُس نے فون بند کر کے سائیڈ پہ ڈال دیا۔ آنکھوں کی نمی ہتھیلی کی پُشت سے پونچھ لی۔ جب میسج کی ٹون نے متوجہ کیا۔

لائف لائن کا ہی میسج تھا۔

"تم اگر ایک ہی دن میں میرے کردار کو مشکوک سمجھ کر مجھے دھتکارنے کے بعد مجھے چھوڑنے کا حکم سُنانے کے باوجود میری موت کے ذکر پر نہ چاہتے ہوئے بھی مجھ سے اپنی اُنسیت جتا سکتی ہو۔ تو کیا تم سے ہلکا سا ناراض ہونے کا مجھے حق نہیں ہے؟۔۔۔"

"اگر میں معافی مانگ لوں۔ تو کیا آپ مجھے معاف کر دیں گے؟۔۔۔"

ہیڈ بورڈ سے ٹیک لگا کر منتظر نگاہوں سے سکرین پر جواب کی آمد کا انتظار کر رہی تھی۔ جب بیچ میں سیماب کی

کال آگئی۔اُس نے اُنگلی کی حرکت سے کال کاٹ دی۔

"معافی مت مانگو۔مجھے بس اپنے رویے کی وجہ بتادو۔"

"کوئی وجہ نہیں ہے؟۔"

"اگر کوئی وجہ نہیں ہے۔تو کیا تم جان بوجھ کر مجھے ٹارچر کرنے کو ایسا سلوک کرتی ہو؟۔فون پہ نارمل باتیں کرتی ہو۔سامنے آنے پر یوں اجنبی بن جاتی ہو۔جیسے مجھ سے کوئی واسطہ ہی نہیں ہے۔اور میں کوئی خون آشام بلا ہوں۔جو اپنے زہریلے دانت نکال کر تمہیں کھا جاؤں گا۔"

"میری ایک بات مانیں گے؟۔۔۔"

"ماننے والی ہوئی تب۔۔۔"

"ہم ایک دوسرے سے رابطہ ختم کر دیتے ہیں۔"

"اُس سے کیا ہوگا؟۔۔۔"

"اُس سے آہستہ آہستہ ہی سہی مگر دل بہل جائے گا۔"

"میرا یا تمہارا۔۔۔؟۔۔۔"

کافی دیر بعد کانپتی اُنگلیوں سے لکھا۔

"دونوں کا۔۔۔"

"تم ایسا کیوں چاہتی ہو؟۔"

"کیونکہ میں آپکے قابل نہیں ہوں۔آپکے ساتھ وہ زندگی نہیں گزار سکتی جو آپکا حق ہے۔میں نارمل نہیں ہوں۔میری زندگی میں کچھ بھی نارمل نہیں ہے۔میں آپکو کھونا نہیں چاہتی ہوں۔اور آپکے ساتھ رہ بھی نہیں پاؤنگی۔"

وہ اپنی ہی سوچوں میں غلطاں تھی۔جب ٹون دوبارہ بجی۔۔۔

"کیا میں اتنے سالوں کے تعلق میں تمہارا اتنا سا بھروسہ حاصل نہیں کر پایا ہوں۔جس کے بل بوتے پر تم مجھ سے اپنی پریشانی بیان کر پاؤ؟۔"

”مجھے کوئی پریشانی نہیں ہے۔“

”خود کو با آور کروا رہی ہو۔یا مجھ سے جھوٹ بول رہی ہو۔“

”جھوٹ کیوں بولونگی۔“

”یہی تو میں پوچھ رہا ہوں۔کیوں مسلسل جھوٹ پہ جھوٹ بول رہی ہو۔دل کی جو بات ہے۔وہ بے خطر ہو کر کہہ دو۔“

”آپ پتا نہیں کیا باتیں کر رہے ہیں۔میری طرف سے شب بخیر۔۔۔“

”تاشفہ۔۔۔“

”جی۔۔۔“

”میں تمہارے لیے پریشان ہوں۔“

”کیوں۔۔۔؟“

”کیونکہ تمہارے رویے نے مجھے ڈرا دیا ہے۔“

”کیسا ڈر۔۔۔؟۔۔۔“

”کھونے کا ڈر۔۔۔“

”آپ جتنے غصے میں گئے تھے۔مجھے تو لگا اب کبھی مجھ سے بات ہی نہیں کریں گے۔“

”تمہارے معاملے میں خود اپنے آپکو بھی حیران کرتا ہوں۔مجھے اس وقت ضروری کام سے جانا ہے۔پھر بات ہو گی۔“

خدا حافظ کے ساتھ کس کا ایموجی آیا تھا۔تاشفہ کو عجیب بھی لگا اور حیران کن بھی کیونکہ پہلے کبھی بھی اُس نے یہ ایموجی نہیں بھیجا تھا۔پھر خود کو تسلی دیتے ہوئے سمجھایا۔

”ہو سکتا ہے۔غلطی سے ایسا ہوا ہو۔“

مجھے تو غلطی سے بھیجا ہے۔کیا ایسا ممکن ہے کہ کسی اور کے ساتھ دوستی ہو۔کسی اور کو ہر روز ایسا میسج بھیجتا ہو؟۔ ہونے کو تو کچھ بھی ممکن ہے۔میں اُسکو جانتی ہی کتنا ہوں۔سوائے ایک ورچوئل تعلق کے اور ہے ہی کیا؟

اُسکو خوداذیتی کی اتنی عادت ہو چکی تھی۔ جیسے خوش مزاج لوگ بُری سے بُری صورتحال میں بھی کوئی نہ کوئی خوشی کا پہلو نکال لیتے ہیں۔ اسی طرح وہ ہر خوش ہونے والی بات میں بھی کوئی نہ کوئی نقطہ ایسا سوچنے بیٹھ جاتی جو خوشی کی روشنی کو ماند کر دیتا۔

☆......☆......☆

ڈاکٹر نعیم بیالیس سال کا ایک انتہائی خوبصورت مرد تھا۔ اپنے حلقہ احباب میں بے حد مقبول، ایلیٹ کلاس کی بیگمات اُسکی مستقل گاہک تھیں۔ اسکے علاوہ بھی آج تک اُس نے اپنے ہاتھ سے کوئی ایسا موقع جانے نہیں دیا تھا۔ جس میں پیسہ بننے کے چانسز ہوں۔ اُسکا چھوٹا بھائی ڈینٹسٹ تھا۔ ایک ہی جگہ پر دونوں نے مل کر بہت ہی پُر شکوہ آفس بنایا ہوا تھا۔ آج ہر وہ کاروبار کامیاب نظر آتا ہے۔ جو عام آدمی کی پہنچ سے باہر ہوتا ہے۔ پھر بڑی لوگ اُسی چیز کو فیشن کے طور پر استعمال کرتے ہیں۔ ایک دوسرے کو فخریہ بتاتے ہیں۔ فلاں سالون کے علاوہ آج تک کبھی کہیں سے بال نہیں کٹوائے۔ فلاں ڈیزائنر میرا فیورٹ ہے۔ جوتے اس برینڈ کے جیولری اُس ڈیزائنر کی اسی طرح ڈاکٹر بھی سب سے جُدا سب سے مہنگا۔ کیونکہ یہ بھی امیری دیکھانے کا ایک انداز ہے۔ اور اسی موقعے کو ڈاکٹر نعیم نے بڑے عمدہ انداز میں کیش کیا ہوا تھا۔ اُسکی ظاہری پروفائل بڑی پُرکشش تھی۔ بلین ائیر خوبصورت مرد ہونے کے باوجود اُس نے ابھی تک شادی نہیں کی تھی۔ اور شرافت کا سب سے بڑا ثبوت یہ تھا کہ آج تک کسی لڑکی کے ساتھ اُسکا کوئی افیئر تک نہ دیکھنے میں آیا۔

کیونکہ وہ پوری طرح سے اپنے کام کے ساتھ مخلص تھا۔

یہ ڈاکٹر نعیم کا عام تاثر تھا۔ مگر اُس کے بہت ہی قریبی دوست اُسکے اصل رنگ وروپ سے واقف تھے۔

اس وقت بھی وہ اپنے کلینک کے بیسمنٹ میں اپنے بھائی اور خاص کارندے سمیت موجود تھا۔

چہرے پر پسینے کے قطروں کے ساتھ ساتھ پسینہ بھی چمک رہا تھا۔

''تم نے ابھی تک ڈلیوری کی کیوں نہیں ہے؟۔۔۔ جانتے ہو کتنے لاکھوں کا نقصان ہونا ہے۔''

ڈاکٹر نعیم کے غصے کے سامنے اُسکا بھائی منمنایا۔

''پچھلے دو ہفتوں سے اُس اُلو کے پٹھے ایس ایچ او کی کوئی خبر نہیں ہے۔ اُس کے گھر والوں سے پوچھ لیا۔

ساتھ کام کرنے والوں سے استفسار کیا۔ ہر کوئی لاعلم ہے۔ مال ہمیشہ اُسکی گاڑی میں جاتا ہے۔ راستے میں کوئی رکاوٹ نہیں آتی۔ اس طرح تو بڑی مشکل پیش آسکتی ہے۔"

ڈاکٹر نعیم نے اپنی سانپ جیسی چمکتی آنکھوں کو اپنے خاص کارندے پر فکس کیا۔

"اُسکے گھر پر فائرنگ کرواؤ۔ اگر ہمیں دھوکا دینے کو کہیں روپوش ہے۔ تو فوراً منظر پر آئے گا۔ مجھے اپنا نقصان کسی صورت منظور نہیں ہے۔ جیسے بھی ہو اس کام کو ممکن بناؤ ورنہ اپنی منحوس شکلیں لیکر میرے سامنے مت آنا۔ اور ہاں وہ جو نیا لڑکا تھا موتی۔۔۔؟ وہ کیسا جا رہا ہے؟۔۔۔"

موتی کے نام پر وسیم کے ہونٹوں پر مسکراہٹ دوڑ گئی۔

"اُس نے کچھ نئی وڈیوز ایڈیٹ کی ہیں۔ آپ دیکھیں گے تو دل خوش ہو جائے گا۔ ہمیں پچیس فیصد کا منافع ہوا ہے۔"

"اُس کو خوش رکھنا۔ تنخواہ میں بھی اضافہ کرو۔ وہ ہاتھ سے نہیں جانا چاہیے۔ اُسکی کوئی کمزوری ڈھونڈو تاکہ وقت آنے پر استعمال کر سکیں۔"

"میں اُس پر سارا کام کر چکا ہوں۔ اسکا آگے پیچھے کوئی نہیں ہے۔ کہیں دل ول لگایا ہوا ہے۔ اُسی کے پیچھے ہر وقت توجہ سے کام کرتا ہے۔ کہتا ہے۔ اپنے لیے ایک بڑا سا گھر بنائے گا جس میں بیوی بچوں کے ساتھ زندگی گزارے گا۔ اُسکے بارے میں باقی سب تو ٹھیک ہے۔ مگر وہ سگریٹ بہت پیتا ہے۔ دوسرا اُس نے کوئی دس کمیٹیاں ڈالی ہوئی ہیں۔ ادھر تنخواہ لیتا ہے۔ اُدھر کمیٹیوں پر خرچ کر کے خالی ہو جاتا ہے۔"

"ہمیں اس سے کیا کمیٹیوں پر لٹائے یا چاہے دریا میں بہائے جب تک ہمارا کام کرتا رہے۔ تم اسکو نوازتے رہو۔ ایسے قابل عقل کے اندھے لوگ ہم جیسوں کے لیے نایاب ہوتے ہیں۔ آج ہر حال میں ایس ایچ او کا سُراغ نکالو۔"

"وہ ہو جائے گا۔ بس ایک اجازت چاہیے تھی۔"

ڈاکٹر نعیم اپنا کوٹ پہن کر نکل رہا تھا۔ مگر دروازے کے قریب رُکا۔

"بولو"

"وہ موتی پُرانے ریکارڈ مانگ رہا ہے۔ اُسکا کہنا ہے۔ اُنکا پرنٹ صاف کر کے دوبارہ سے دام وصول کروا دے گا۔"

"تو دے دو اجازت۔۔۔ ویسے بھی وہ کوڑا کباڑ کب تک سنبھال کر رکھنا ہے۔"

ڈاکٹر نعیم اپنی بات مکمل کر کے شانِ بے نیازی سے چلتا ہوا کمرے سے نکل گیا۔ دروازے کی دوسری جانب ایک خوش شکل وخوش لباس جوان انتظار میں بیٹھا تھا۔ ڈاکٹر کو باہر آتا دیکھ کر شرماتا ہوا اپنی جگہ سے کھڑا ہوا۔

ڈاکٹر نعیم کی آنکھوں میں خمار کی کیفیت تھی۔ لب بڑی دلکشی سے مُسکرائے تھے۔ اس مُسکراہٹ پر نثار ہونے والیوں کی تعداد سینکڑوں میں تھی۔ جو ڈاکٹر کی فیس بک ڈی پی پر اپنا دل کھول کر رکھ دیتی تھیں۔ ایک دوسری کو نفرت سے دیکھتی تھیں۔ کہ نہ جانے کون پسِ پردہ ڈاکٹر کے دل تک رسائی حاصل کر چکی ہے۔ حقیقت سے اگر وقف ہوتیں تو نہ جانے کیا کرتیں۔ ڈاکٹر کو حسین دوشیزاؤں میں کوئی کشش محسوس نہیں ہوتی تھی۔

سامنے موجود لڑکے کو سر تا پیر للچاتی نظروں سے دیکھتے ہوئے ڈاکٹر نے اپنے لبوں پر زبان پھیری۔۔۔

وہ ایک ایسا اژدہا تھا۔ جو اب تک نہ جانے کتنے انسانوں کی سانس پی چکا تھا۔ مگر اُسکے گناہوں کی وجہ سے اُسکی رسی دراز سے دراز تک ہو چکی تھی۔

اپنے سے آدھی عمر کے لڑکے کا ہاتھ پکڑ کر اپنے خاص کمرے کی جانب لے گیا۔



دوپہر سے لیکر شام تک اُس نے مطلوبہ گھر کے آس پاس تین چار چکر کاٹے تھے۔ صرف یہ معلوم کرنے کو آیا گھر کی نگرانی تو نہیں ہو رہی۔ مگر ایسا کوئی نشان نہ ملنے پر وہ آخر گاڑی گھر سے دور ہی روک کر پیدل اُس طرف کو چل پڑا۔

جن کی طرف سے وہ محتاط تھا۔ اتنا تو اُسکو یقین تھا۔ سامنا ہونے پر وہ اُسکو پہچان نہ پاتے مگر وہ پھر بھی کسی کے آمنے سامنے آنا نہیں چاہتا تھا۔

کالے رنگ کے شلوار سوٹ کے ساتھ پشاوری چپل پہنے کندھے پر دس کلو والا گیس سلنڈر اُٹھائے وہ گنگناتا

ہوا چل رہا تھا۔ یہ الگ بات گا کیا رہا ہے۔ بڑی غور سے سُننے پر بھی سمجھ نہیں آتا تھا۔

گیٹ کی بیل بجانے کے ساتھ ہی وہ اونچی اونچی بولنے لگا۔

''او سرکار دروازہ کھولو میں سلنڈر بھروالایا ہوں۔ آج میں نے پیسے لیے بغیر واپس نہیں جانا۔ مجھے پہلی ساری رقم بھی آج ہی چاہیے ہے۔''

گیٹ چوکیدار نے کھولا۔ اور چہرے پر اُلجھن لیے بولا۔

''اوئے کون ہو تم۔۔۔ اور کہاں آنا چاہ رہے ہو۔''

''تم اپنی بیگم صاحب کو بلاؤ۔ مجھے اُنہوں نے بُلایا ہے۔''

''ادھر رُکو میں اندر بتا کر کے آتا ہوں۔''

چوکیدار اندر چلا گیا باہر کھڑے آدمی نے گلی میں دونوں طرف نظر ڈالی اور سلنڈر اُٹھائے ہی چوکیدار کے پیچھے دہلیز پار کر گیا۔

''اندر داخل ہوتے ہی اُس نے سلنڈر اُتار کر ایک طرف رکھا۔ گیٹ اندر سے بند کیا۔

چوکیدار متوجہ ہو کر اپنی بندوق اُس پر سیدھی کرتے ہوئے للکار کر بولا۔

''اُدھر ہی رُک جاؤ ورنہ ابھی کھوپڑی اُڑا دونگا۔''

سامنے والے نے اپنے دونوں ہاتھ اوپر کو اُٹھائے اور مُستحکم لہجے میں بولا۔۔۔

''میں سیکیورٹی سے ہوں۔ میری جیب میں میرا بیج موجود ہے۔ اگر چاہو تو نکال کر دیکھ لو۔ مجھے ایس ایچ او کے گھر والوں سے بات کرنی ہے۔ بہتر یہی ہے۔ میرا وقت ضائع نہ کرو۔ ایک طرف ہٹ جاؤ۔ جب تک میں اندر ہوں۔ تم باہر نظر رکھو۔''

''میں کیسے یقین کر لوں کہ تم سچ بول رہے ہو۔''

''تمہیں سامنے سے ہٹنا ہوگا۔ ورنہ مجھے تمہیں ہٹانا پڑے گا۔ سرفراز کے گھر والوں کی جان کو خطرہ ہے۔ میرا اُن سے ملنا ضروری ہے۔''

اس دفعہ اُس نے اپنی قمیض کے نیچے بندھے ہولسٹر سے اپنا گالک سیونٹین نائن ایم ایم نکال کر چوکیدار پر

تان دیا۔
اُسکے چہرے کی سنجیدگی اور ہتھیار پر مضبوط گرفت نے چوکیدار کو راستہ دینے پر مجبور کر دیا۔
اندر کی جانب جاتے ہوئے اُس نے چوکیدار کو چوکنا رہنے کی تلقین کی۔
گا لک ایک دفعہ پھر ہولسٹر میں چلا گیا۔۔۔
اندرونی دروازے پر دستک دیتے ہوئے وہ ابھی بھی اپنے اردگرد پر نظر رکھے ہوئے تھا۔
دروازہ ملازمہ نے کھولا۔۔۔
"اسلام علیکم براہ مہربانی بیگم سرفراز کو بُلا دیں۔"
ملازمہ کے جانے کے تین منٹ بعد ہی ایک پریشان صورت عورت دروازے میں نمودار ہوئیں۔
"جی آپ کون۔۔۔؟۔۔۔"
"میں کون ہوں۔اس سے ضروری وہ بات ہے جو کرنے کے لیے میں یہاں آیا ہوں۔کیا آپ کہیں آرام سے بیٹھ کر میری بات سُن سکتی ہیں۔"
"دیکھیے میرے میاں کی کوئی خبر نہیں ہے۔اتنے دنوں سے اُنکے اِدارے نے خاموشی اختیار کی ہوئی ہے۔ اوپر سے نہ جانے کیسے کیسے مشکوک لوگ میرے دروازے پر آ کر مجھ سے سوال و جواب کر رہے ہیں۔گھر پہ میرے جوان بچے ہیں۔میں کیسے کسی ایسے آدمی کو اپنے گھر گھس آنے دوں جسکو آج سے پہلے دیکھا تک نہ ہو۔"
"سرفراز احمد ایک بہت خطرناک گروپ کی پُشت پناہی کرتا رہا ہے۔بلکہ اُنکا بڑا اہم رُکن ہے۔اُسی گروہ کے آدمی آپکے پاس آتے ہونگے۔کیونکہ آپکے شوہر نامدار کو نہ تو کسی نے اغوا کی ہے۔نہ ابھی تک کوئی نقصان پہنچایا ہے۔وہ میری کسٹڈی میں ہے۔اسی سلسلے میں آپکی مدد کو یہاں آیا ہوں۔اب اگر آپکو میری بات قابل قبول لگے تو کیا اندر بیٹھ کر بات کر سکتے ہیں۔"
"کیا تم اُن لوگوں کے ساتھی ہو جنکی طرف سے ہر روز فون کالز موصول ہوتی ہیں۔"
"آپکو جن لوگوں کی جانب سے فون کالز موصول ہوتی ہیں۔میں اُنکی جانب اشارہ دے چکا ہوں۔اسی سلسلے میں آپ سے ایک درخواست کرنے آیا ہوں۔آپ اپنے بچوں کو لیکر کچھ دنوں کے لیے منظر سے غائب ہو

جائیں۔آپکے گھر پر پولیس والوں کی جانب سے پوری سیکیورٹی ہونی چاہیے تھی۔بدقسمتی سے ایسا نہیں ہے۔اور یہ بہت خطرناک بات ہے۔مخالف پارٹی کے تعلقات کافی گہرے معلوم ہو رہے ہیں۔آپ پلیز یہاں سے کہیں اور چلی جائیں۔اگر چاہیں تو میں آپکی مدد کرسکتا ہوں۔"

"یعنی حد ہوتی ہے۔کوئی بھی منہ اُٹھا کر میرے دروازے پر آکر حکم دیگا۔میں کیوں تم لوگوں کی باتوں میں آکر اپنا گھر چھوڑوں۔بجائے میرے شوہر کو ڈھونڈنے کے تم لوگ ہمیں بھی منظر سے ہٹانا چاہتے ہو۔مجھے تو سمجھ نہیں آتا۔ایک ایماندار شریف پولیس آفیسر اتنے دنوں سے لاپتا ہے۔یہاں کسی کے کان پر جوں تک نہیں رینگ رہی۔نہیں جاتی میں کہیں بھی کرلو تم لوگ جو بھی کرنا ہے میں سُپریم کورٹ میں۔۔۔"

ابھی اُس عورت کی بات مکمل بھی نہیں ہوئی تھی۔جب انجانی سمت سے ہوا کے دوش پر سفر کرتی سرسراتی ہوئی گولی اُسکو زمین بوس کرگئی۔

گیٹ پر اندھا دھند فائرنگ ہو رہی تھی۔

اُس کے سامنے ایک عورت خون میں لت پت گری ہوئی تھی۔گھر کے اندر سے اندوناک چیخیں بلند ہو رہی تھیں۔اور دوسری جانب گیٹ پر مسلسل ہونے والی فائرنگ جہاں یقیناً چوکیدار نے ابھی تک محاذ سنبھالا ہوا تھا۔

اگلا قدم اُٹھانے سے پہلے چند سیکنڈ لگے یہ سوچنے میں کہ اب کرنا کیا ہے۔

گیٹ کی جانب نظر ڈال کر یہ اندازہ کرلینے کے بعد کہ جس گاڑی سے فائرنگ ہو رہی تھی اُسکا رُخ کس جانب ہے۔اُس نے اُسی جانب دوڑ لگا دی۔ہمسایوں کی آٹھ فٹ اونچی دیوار پھلانگ کر اُسی سپیڈ کے ساتھ بھاگتے ہوئے وہ اُسے سے اگلے گھر کی دیوار پھلانگتے ہوئے اُنکا مین گیٹ اندر سے کھول کر باہر گلی میں نکلا اور اپنی جانب تیزی سے بڑھنے والی گاڑی کو گالک کے نشانے پر رکھ کر پہلے گاڑی کے اگلے دونوں ٹائر اُڑائے۔ جس سے گاڑی لڑکھڑاہٹ کا شکار ہو کر دوسری طرف کی دیوار سے جا ٹکرائی۔پیچھے کُھلے ڈالے میں دو اسلحہ بردار موجود تھے۔باری باری دونوں کو نشانے پر رکھ کر ٹارگٹ کیا۔ایک ایک گولی پر ہی لُڑھک گئے۔خود وہ پُھرتی سے اپنی جگہ بدل کر دوسری سمت گیا۔پھر وہاں سے سیدھا ڈرائیور کو اُڑایا۔

گاڑی میں موجود تینوں لوگ گر چکے تھے۔

گالک کو مضبوطی سے تان کر رکھتے ہوئے ہی وہ گاڑی کے قریب آیا۔جس کے انجن میں سے دھواں نکل رہا تھا۔سب سے حیرت انگیز بات یہ تھی۔وہ پولیس کی گاڑی تھی۔

اندر سے گاڑی کا تفصیلی معائنہ لینے کا وقت نہیں تھا۔ایک دفعہ فائرنگ رُکی تو لوگ گھروں سے نکل کر دیکھنے لگے تھے۔یقیناً کسی نہ کسی نے پولیس سے بھی رابطہ کیا ہوگا۔

اُسکو کم سے کم وقت میں بہت ضروری اقدام کرنے تھے۔

بھاگتا ہوا واپس ایس ایچ او کے گھر آیا۔جہاں اب کُہرام مچ چکا تھا۔نوکر اور کُچھ رشتہ دار خواتین باقاعدہ بین کر کے رو رہی تھیں۔

چوکیدار بُری طرح زخمی تھا۔

”تم اگر چل سکتے ہو۔تو یہاں سے نکل جاؤ۔وہ لوگ واپس آئینگے۔“

”مگر گھر کے اندر لوگ موجود ہیں۔“

”میں اُنکا کُچھ کرتا ہوں۔تم نکلو۔۔۔جیسے تیسے سڑک تک پہنچ کر بھیڑ کا حصہ بن جاؤ۔اور اگلا کُچھ عرصہ اس طرف کا رُخ نہ کرنا۔“

”تیز تیز بولتے ہوئے وہ اندر کی جانب بڑھ گیا۔

پہلے تو اونچی آواز میں مخاطب کیا مگر کسی نے توجہ نہ دی۔بادلِ نخواستہ کونے کی جانب فائر کر دیا۔ایک دم خاموشی چھا گئی۔

”میں نے ان مرحوم خاتون کو بھی بات سمجھانے کی کوشش کی تھی۔مگر اُنکو بھی بولنے کا شوق چڑھا ہوا تھا۔اب اگر تم لوگوں نے بھی مرنا ہے۔تو اپنا کام جاری رکھو ورنہ دو چار منٹ کے اندر اندر یہاں سے نکل جاؤ۔باہر قاتلوں کے تین بندے مرے ہیں۔اُن کے وارثوں نے اب یہاں کی اینٹ سے اینٹ بجانے آنا ہے۔زیادہ سے زیادہ دس منٹ ہیں۔بھاگ جاؤ واپس مُڑ کر نہ دیکھنا۔پولیس کو فون نہ کرنا۔کیونکہ وہ لوگ ملے ہوئے ہیں۔“

عورتوں میں بھگدڑ مچ گئی۔

وہ وہاں موجود واحد لڑکے کے پاس آیا۔

جو پوری طرح شاک میں تھا۔پھٹی ہوئی نظروں سے اپنی ماں کی لاش کو دیکھے جا رہا تھا۔

"تمہارا نام کیا ہے؟۔۔۔"

اُسکے ایک دفعہ پوچھنے پر کوئی جواب نہ آیا۔لڑکا آنکھیں تک نہیں جھپک رہا تھا۔

اُس نے لڑکے کو کالر سے پکڑ کر بُری طرح جھنجھوڑا۔۔۔اور رکھ کر ایک تھپڑ اُسکے گال پر مارا۔۔۔فرش پر بیٹھی ایک لڑکی اپنی جگہ سے اُٹھی۔اور بھوکی شیرنی کی طرح اُس پر جھپٹ پری۔

"کُتے کمینے پہلے میری ماں کو مار دیا اب میرے بھائی کو مار رہے ہو۔"

اس نئی افتاد پر وہ جھنجھلا کر رہ گیا۔گالک کی نالی لڑکی کی پیشانی پر رکھی۔اور غُصے کو پیتے ہوئے۔بند دانتوں کے درمیان سے بولا۔

"مجھے لگتا ہے۔آج تم سب نے مرنے کا ارادہ کر لیا ہوا ہے۔میرے پاس وقت نہیں ہے۔اپنے گرد نظر ڈالو ساری عورتیں جا چکی ہیں۔اپنی اور اپنے بھائی کی زندگی چاہیے تو میرے ساتھ تعاون کرو۔ورنہ میں بھی جا رہا ہوں۔"

لڑکی نے بھرائی ہوئی آنکھوں سے ماں کی لاش کو دیکھا۔اب وہاں صرف وہی تین افراد بچے تھے۔ نوکرانیاں اور رشتے دار سب جا چکی تھیں۔

"میرے بھائی کو بچا لو۔۔۔"

وہ تڑپتے ہوئے بولی تھی۔

"میں تم دونوں کی مدد کرنا چاہتا ہوں۔تم مجھے میرے سوالوں کے جواب دو۔کیا گھر پر کوئی گن ہے ؟۔۔۔چھوٹا موٹا کسی قسم کا بھی کوئی اسلحہ ہے؟۔"

"ہاں ہے میرے ابو کی کلاشنکوف پڑی ہوئی ہے۔"

"جلدی سے لیکر آؤ۔اور جو گاڑی باہر کھڑی ہے۔اُسکی چابی کدھر ہے؟۔۔۔"

"چابی وہاں سٹینڈ پر موجود ہے۔اور گن اندر الماری کے اوپر پڑی ہوئی ہے۔"

وہ اُسکی بتائی سمت میں جا کر چابی اُٹھا لایا اتنی دیر میں وہ اندر سے کلاشنکوف لے آئی۔ساتھ گولیوں کا ڈبہ بھی

تھا۔"یہ یہ لیں۔۔۔"

اُس نے کلاشنکوف کاندھے پر ڈالی گولیاں ہاتھ میں پکڑیں۔اور اُن دونوں کو ساتھ آنے کا بول کر گیراج کی جانب چل پڑا۔

"میں اپنی امی کو چھوڑ کر کہیں نہیں جاؤنگا۔"

"کیا امی کے پاس جانا چاہتے ہو؟اگر جواب ہاں میں ہے۔تو شوق سے ادھر رُک کر اپنے ماموؤں کا انتظار کرو۔اور اگر مزید چار دن اور زندہ رہ کر اپنے باپ سے ملنا چاہتے ہو تو چپ چاپ میرے ساتھ آجاؤ۔اپنی ماں کی فکر نہ کرو۔میرے بندے انکا جسدِ خاکی تمہارے نانا نانی کے گھر پہنچا دیں گے۔"

گاڑی پہلے سلف پر ہی اسٹارٹ ہو گئی۔لڑکی خود بھی رو رہی تھی۔اور اُس سے تین سال چھوٹا چودہ سالہ بھائی بھی رو رہا تھا۔مگر اُس نے مضبوطی سے اُسکا ہاتھ پکڑا ہوا تھا۔دونوں کے بیٹھتے ہی اُس نے ہینڈ بریک ہٹاتے ہوئے گاڑی کو گیٹ سے نکال کر انجانی منزل کو ڈال دیا۔

گلی کے اینڈ پر جیسے ہی اُس نے موڑ کاٹا۔سامنا ایک کھلی وین سے ہوا۔جس میں چار پانچ آدمی ڈنڈے اور بندوقیں لئے کھڑے تھے۔

نظر سامنے فوکس رکھتے ہوئے اُس نے دھیمی آواز میں مسافروں کو اپنی گردنیں نیچی رکھنے کا حکم دیا۔

سامنے والی پارٹی کا سارا فوکس شائد جائے وقوعہ پر پہنچنے پر ہی تھا۔اس نے گاڑی سائیڈ پر کر کے راستہ بنایا اور وہ لوگ انکے قریب سے گزر کر نکل گئے۔بیک ویو مرر سے جاتی ہوئی گاڑی کا جائزہ لیتے ہوئے اُس نے اپنی گاڑی آگے بڑھائی۔سڑک پہ نکل رہا تھا۔جب ایک اور گاڑی قریب سے گزری۔مگر اس دوفعہ دوسری گاڑی کی فرنٹ پیسنجر سیٹ پہ موجود وسیم سرفراز احمد کی گاڑی کو پہچان گیا تھا۔کچھ اندر موجود مسافروں کے چہرے سے بھی واقف تھا۔پر ڈرائیونگ سیٹ پر موجود آدمی اُسکے لیے بالکل انجان تھا۔

جب تک وسیم کا ڈرائیور موڑ کاٹ کر اُنکے پیچھے آتا۔وہ گاڑی کو بڑی سپیڈ کے ساتھ سڑک سے اُتار کر ایک گلی میں ڈال چکا تھا۔وہاں بھی زیادہ آگے جانے کی بجائے سب سے پہلے آنے والی گلی میں ڈال دیا۔اُس کے اینڈ پر واپس سڑک پر نکل کر تھوڑا آگے جا کر سڑک کے دوسری جانب نکلتے ایک بازار میں داخل ہو کر گاڑی ایک

سائیڈ پر روک دی۔ برابر کی سیٹ پر سے کلاشنکوف اُٹھا کر اُس کا میگزین فل کیا۔

پیچھے کو گردن موڑی اور سبھی روحوں کو گاڑی میں ہی موجود رہنے کی سخت تاکید انتہائی نرم لہجے میں کرتا ہوا۔ گاڑی کا انجن چلتا چھوڑ کر باہر نکل آیا۔

کلاشنکوف کو اس طریقے سے پکڑا ہوا تھا۔ جس سے گزرنے والے لوگوں کی نظر میں کم سے کم آیا جائے۔ تیز تیز ڈگ بھرتا سڑک پر آیا۔ لائن میں بنی دُکانوں کے سامنے بنے پلرز میں سے ایک کی اوٹ میں کھڑا ہو گیا۔ جیسے ہی پیچھا کرنے والی گاڑی اُسکی رینج میں آئی۔ بڑے تحمل کے ساتھ نشانہ باندھ کر ایک کے بعد ایک گولی کو آزاد کرتا گیا۔

گاڑی پوری سپیڈ کے ساتھ آرہی تھی۔ اگلا ایک ٹائر ضائع ہوتے ہی بُری طرح ہوا میں اُچھل کر دو چار دفعہ کلابازیاں کھانے کے بعد اُلٹی ہو کر سڑک کے درمیان گری۔

اور گرد کے ہجوم میں افراتفری پھیل گئی۔ لوگ خوف کے مارے کُچھ تو جہاں تھے وہیں جم گئے۔ کُچھ نے دُکانوں میں پناہ ڈھونڈی۔

مگر وہ اس سب سے بے نیاز ہو کر اوٹ سے نکل کر اپنی گاڑی کی جانب آیا۔

اندر بیٹھ کر کلاشنکوف برابر کی سیٹ پر پھینکی۔ اور گاڑی آگے بڑھادی۔

اس دفعہ کوئی بھی پیچھا نہیں کر رہا تھا۔ مگر پھر بھی وہ کہیں رُکے بغیر آگے بڑھتا رہا۔ یہاں تک کہ وہ علاقہ بہت پیچھے رہ گیا۔

اُس نے ایک شاپنگ پلازہ کے پارکنگ ائریا میں گاڑی روکی۔

اپنی سیٹ پر پہلو بدل کر پیچھے دیکھا۔

"تم دونوں ٹھیک ہو؟۔۔۔"

لڑکی بپھری ہوئی بولی۔

"ہماری ماں کو آنکھوں کیسامنے گولی ماری گئی ہے۔ باپ کا کہیں کوئی پتا نہیں ہے۔ ہمیں جان سے مارنے کے لیے لوگ ہمارا پیچھا کر رہے ہیں۔ اور ہاں ہم بالکل ٹھیک ہیں۔"

"بدقسمتی سے تمہاری ناراضگی بجا پر میرے پاس کوئی متبادل نہیں ہے۔ یہ لوگ ایک وقت میں تمہارے والد کے خاص تعلق دار رہے ہیں۔ اور بُرے لوگون کے ساتھ دوستی اگر بُری ہے۔ تو دشمنی اُس سے بھی بُری ہے۔ یہ اب اُس وقت تک چین سے نہیں بیٹھیں گے جب تک تم سب کو مار نہ لیں۔ اسلیے اگر تم دونوں چاہتے ہو کہ میں تمہاری مدد کروں۔ تمہیں میرا ساتھ دینا ہوگا۔"

"مگر یہ ہمیں مارنا کیوں چاہتے ہیں۔ ہم تو انکو جانتے تک نہیں ہیں۔"

"تمہارے والد تک رسائی کے لیے تمہیں استعمال کرنا چاہتے ہیں۔"

"تمہارا نام کیا ہے؟۔۔۔"

پوچھا اُس نے لڑکے سے تھا۔ مگر جواب اس دفعہ بھی لڑکی نے دیا۔

"یہ ارسلان ہے۔ اور میرا نام مریم ہے۔"

"مریم تم اپنا سکارف اچھی طرح لپیٹ لو۔ دونوں اپنی نگاہیں نیچی رکھنا اور خاموشی سے میرے پیچھے چلتے آؤ۔"

اُس نے کلاشنکوف کو سیٹ کے نیچے چُھپایا۔ اور گاڑی سے نکل گیا۔

ارسلان اور مریم نے بھی اُسکی تلقید کی۔

پلازے سے نکل کر وہ اُنکو لیکر نہ جانے کن گلیوں اور بازاروں سے گُھما پھیرا کر ایک تنگ گندی سی گلی میں لے آیا۔ ایک دروازے پہ دستک دی۔

دو منٹ بعد دروازہ کُھلا منیر نے حیرت سے اپنے باس کو دیکھا۔

"سر آپ اس وقت۔۔۔؟۔"

"اندر آنے دو گے یا ادھر ہی گرمی میں مارو گے۔"

"اوہ آیئے پلیز۔۔۔"

اندھیرے میں منیر کی نظر میں ارسلان اور مریم نہیں آئے۔ مگر جب وہ لوگ گھر کے اندر داخل ہوئے۔ منیر کی آنکھوں میں کئی سوال جاگے۔

جنہیں وقتی طور پر پسِ پشت ڈال کر اپنے پیچھے دروازہ مضبوطی سے بند کرتا مہمانوں کے پیچھے اندر آ گیا۔
مریم اور ارسلان کمرے میں قدم رکھتے ہی حیرت کا شکار ہوئے۔ کیونکہ باہر سے عمارت کی جو حالت تھی۔ اور خاص کر جس گلی اور محلے میں وہ لوگ موجود تھے۔ وہاں کوئی ایسی لگژری والی زندگی کا سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔ اندر کا سارا انٹیریئر انتہائی ہائی کلاس کی طرز پر کیا گیا ہوا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا۔ کمرے کے باہر اور اندر دو بالکل الگ جہان آباد ہیں۔
باہر سے معلوم ہوتا اونچے اونچے گھروں کے درمیان ایک چھوٹا سا گھر موجود ہے۔ وقت کے ساتھ ساتھ جو اوپر آنے کی بجائے زمین میں دھنستا جا رہا ہے۔ کھڑکیوں کے فریم سے اندازہ لگایا جا سکتا تھا۔ کُل چار کمرے ہیں۔ مگر ایسا نہیں تھا۔ اندر سارا امکان اوپن ایریا تھا۔
جہاں کچن' بیڈ روم' جم' لاؤنج لائبریری ہر سہولت موجود تھی۔ پچاس انچ کی ایل سی ڈی سکرین پر سرینا ولیم ٹینس کھیلتی نظر آ رہی تھی۔
منیر نے ایک دفعہ پھر دروازہ بند کیا۔
''آپ لوگ کچھ کھائیں پئیں گے؟۔۔۔''
اُسکے باس نے ریموٹ اُٹھا کر لوکل نیوز چینل لگاتے ہوئے۔ مریم اور ارسلان کو مخاطب کیا۔
''بچو اُدھر کچن میں کھانے کی ہر چیز موجود ہوگی۔ پہلے منہ ہاتھ دھو کر فریش ہو جاؤ۔ وہ پیچھے کی جانب واش روم ہے۔ اُدھر بیڈ روم کی الماری میں کپڑے بھی موجود ہونگے۔ اپنا ہی گھر سمجھو پُرسکون ہو کر بیٹھو اب کوئی خطرے والی بات نہیں ہے۔''
مریم کی ٹانگیں بُری طرح دُکھ رہی تھیں۔ وہ تو بغیر کچھ کہے منہ دھونے کو واش روم چلی گئی۔ ارسلان فریج کی طرف بڑھ گیا۔ واپس آیا تو ہاتھ میں آئس کریم کا باکس' پلیٹ میں رکھے تین سینڈوچ اور کولا کی ڈیڑھ لیٹر کی بوتل۔ سب چیزیں گود میں لیکر صوفے پر پھیل کر بیٹھ گیا۔
منیر نے باس کو دیکھا۔ اور دھیرے سے بولا۔
''کون ہے یہ بھوکا گیدڑ۔۔۔''

”خبریں نہیں دیکھی ہیں؟“

”نہیں ابھی تو آفس سے آیا ہوں۔آپ غائب کدھر تھے۔فون تک نہیں اُٹھایا۔“

”میرا فون بند تھا۔میں ایس ایچ او کے گھر گیا تھا۔“

اب کے منیر چونکا۔”تو آپ اُس سارے ڈرامے سے واقف ہیں۔میں آپکو بتانے کی خاطر نہ جانے کتنی دیر فون پہ کھپتا رہا ہوں۔“

”یہ ایس ایچ او کے بچے ہیں۔اُسکی بیوی کا انتقال ہوگیا ہے۔“

”اوہ یہ تو بُرا ہوا۔کہیں مال روڈ پہ ہونی والی فائرنگ میں آپ تو ملوث نہیں؟“

سکرین کے اوپر نیوز چینل کی جانب سے دیکھائی جانے والی سی سی ٹی وی فوٹیج میں فائیرنگ کرنے والے کا چہرہ بالکل بھی واضح نہیں تھا۔مگر بتایا یہ جا رہا تھا۔کہ کسی بھی ذمہ دار ادارے کے وقوعہ پر پہنچنے سے پہلے ہی گاڑی میں سوار لوگ زخمی ہونے کے باوجود وہاں سے جا چکے تھے۔نیوز چینل کے مطابق گاڑی میں کُل چار افراد سوار تھے۔جن مین سے تین شدید زخمی ہوئے تھے۔جبکہ ڈرائیور موقع پہ ہلاک ہوگیا ہے۔

فائرنگ کرنے والے کے سُراغ میں قانونی ادارے حرکت میں آچکے ہیں۔وزیرِ اعلی نے اعلان کیا ہے۔وہ جلد از جلد قاتل کو گرفتار دیکھنا چاہتے ہیں۔جسکے لیے ایک خاص ٹیم تشکیل کر دی گئی ہے۔اس واقعے کو دہشت گردی کا نام دیا جا رہا ہے۔“

اُس نے ایک کے بعد ایک چینل بدلا۔مگر کہیں بھی ایس ایچ او کے گھر پہ ہونے والی فائرنگ کا ذکر نہیں آرہا تھا۔”میں چلتا ہوں۔تم ان دونوں کا خیال رکھنا۔“

منیر نے اثبات میں سر ہلا دیا۔تو وہ واش روم سے آتی مریم کو مخاطب کرتے ہوئے بولا۔

”تم دونوں جب تک ادھر موجود رہو گے۔بالکل محفوظ ہو۔کسی سے بھی رابطہ مت کرنا۔کسی رشتے دار دوست کو فون نہیں کرنا۔اس جگہ پر انٹرٹیمنٹ کا سب سامان موجود ہے۔گیمز کھیلو فلمیں دیکھوں کھاؤ پیو۔مگر باہر نہیں جانا۔میری بات کی سمجھ آگئی۔“

”مجھے تو کسی بھی چیز کی سمجھ نہیں آرہی ہے۔میری امی ابھی تک وہاں بے یارو مددگار پڑی ہونگی۔اور ہم

یہاں بیٹھ کر فلمیں دیکھیں۔"

مریم نے بھرائی ہوئی آواز کہتے ہوئے اُسکو شکوہ بھری نظروں سے دیکھا تھا۔

وہ کوئی اتنی عمر کی نہیں لگتی تھی۔ مگر اب تک کی گئی ہر بات سے وہ یہ بات ثابت کر چکی تھی۔ کہ وہ ایک انتہائی سمجھدار لڑکی تھی۔

وہ چلتا ہوا اُسکے پاس آیا۔ شفقت سے سر پر ہاتھ رکھا۔

"تم رونا چاہتی ہو۔ تو جی بھر کر رو لو۔ تم اس وقت جس مصیبت سے گزر رہی ہو۔ اور جس بہادری سے تم نے میرا ساتھ دیا ہے۔ میں اس سب کی دل سے قدر کرتا ہوں۔ کسی بھی انسان کا زندگی اور موت پر اختیار نہیں ہے۔ تمہاری امی کا وقت آ گیا تھا۔ اگر یہ سب نہ بھی ہوتا تو عزرائیل نے تب بھی رستہ نہیں بھولنا تھا۔ نہ ہی اُس سے وقت کی بھول چوک ہوئی تھی۔"

"تم ایک مضبوط لڑکی ہو۔ ہمت اور جواں مردی سے کام لو۔ آج کل میرے سامنے بہت سے ایسے بچوں کی کہانیاں بکھری پڑی ہیں۔ جنکی زندگیاں پل بھر میں اندھیروں کا شکار ہو گئی ہیں۔ اگر تم یہ سمجھ رہی ہو۔ تم پہ آنے والی مصیبت سب سے بڑی ہے۔ تو تم اپنی جگہ ٹھیک ہی ہو۔ پر یقین مانوں کئی معصوموں کی نظر میں ابھی بھی تم ایک خوش قسمت لڑکی ہو۔"

"اپنے بھائی کا خیال رکھنا۔ اور منیر کو بالکل تنگ نہیں کرنا۔ میں تمہارے گھر جانے کی کوشش کرونگا۔ تاکہ تمہاری امی کے بارے میں جان سکوں۔ آیا کوئی رشتے دار وہاں آیا یا نہیں۔"

"کیا میں پوچھ سکتی ہوں۔ آپ کون ہو؟"

وہ اُس کے تم سے آپ بولنے پر مسکرا دیا۔

"میں تمہارا خیر خواہ ہوں۔"

"یہ تو میں جان چکی ہوں۔ مجھے اب یہ جاننا ہے۔ کہ آپ ہو کون آپکا نام کیا ہے؟ ہمارے گھر کیا لینے آئے۔"

"یہ ساری باتیں اہم نہیں ہیں۔"

"میرے لیے تو ہیں۔ میں جاننا چاہتی ہوں۔ آپ کون ہیں؟۔"

"میں ایک ایجنٹ ہوں۔ بس؟۔"

"کیسے ایجنٹ؟ رئیل اسٹیٹ ایجنٹ؟"

"ہاں اگر رئیل اسٹیٹ ایجنٹ بندے مار سکتے ہیں۔ تو وہی سمجھ لو۔"

"تو کیا آپ سیکرٹ ایجنٹ ہیں؟۔"

"ہاں۔۔۔"

"نام کیا ہے؟۔"

"ہمیں نام بتانے کی اجازت نہیں ہوتی ہے۔"

"تو پھر آپس میں ایک دوسرے کو کیسے مخاطب کرتے ہیں۔"

"میرے ماتحت کام کرنے والے مجھے باس کہتے ہیں۔"

"اور آپ کے افسر آپکو کیا کہتے ہیں۔"

"ایجنٹ منگو۔۔۔"

منیر نے بڑی مُشکل سے اپنی ہنسی چھپائی۔

"یہ کیسا نام ہوا؟ منگو۔۔۔ یہ تو کوئی نام ہی نہیں ہے۔"

ارسلان نے پہلی دفعہ زبان کھولی تھی۔

منگو مُسکراتا ہوا اُن لوگوں کو دروازہ بند کر لینے کا حکم دیکر وہاں سے نکل گیا۔

☆......☆......☆

نوازش علی اپنی حویلی سے نکل کر نہر کی جانب جاتے ہوئے دور سے گولی کی طرح آتے گھوڑے کو بھی دیکھتے جا رہے تھے۔ گھڑ سوار اپنے سارے وجود کو اکٹھا کر کے دونوں گھٹنوں کو گھوڑے کے جسم کے ساتھ جوڑ کر آگے کو جُھکا ہوا تھا۔

نوازش علی ابھی نہر سے چند قدموں کے فاصلے پر ہی تھے۔ جب گھوڑا اُنکے آگے سے سپورٹس کار جیسی سپیڈ

کے ساتھ گزر گیا۔ گھوڑے کے اوپر کوئی اور نہیں اُنکا اپنا لختِ جگر بیٹھا ہوا تھا۔ دو تین منٹ میں ہی وہ اُنکی نظر سے دور ہوتا ہوتا بہت آگے نکل گیا تھا۔

وہ وہیں نہر کے کنارے کھڑے ہو کر ہلکی پھلکی ورزش کرنے لگے۔ یہ سڑک سیدھی آگے کے کم آبادی والے قصبوں کو جاتی تھی۔ مگر سڑک اپنی چوڑائی کے لحاظ سے ایک پگڈنڈی زیادہ محسوس ہوتی۔ یہاں زیادہ تر اُن لوگوں کی آمد و رفت ہوتی جو یا تو نہر کی سیر کو نکلتے یا وہ جنہوں نے اپنے کھیتوں کو پانی وغیرہ لگانا ہوتا تھا۔

نہر کی گہرائی بھی کم ہی تھی۔ گاؤں کے بچے گرمی سے بچنے کے لیے سارا دن وہیں ٹھنڈے پانی میں ڈبکیاں لگاتے پائے جاتے۔ ساتھ ساتھ اپنی بھینسوں کو بھی اوپن باتھ کرواتے۔ بھینسوں کی چکوزی ہی سمجھ لیں۔

نوازش علی نے ایک دفعہ پھر اُس سمت دیکھا جہاں سے اب فربود آہستہ سپیڈ سے آ رہا تھا۔ قریب آ کر اعلیٰ نسل کے قد آور گھوڑے کی پشت سے اُتر گیا۔ گھوڑے کے جسم پر پسینے کی لائنیں کھینچی ہوئی تھیں۔ اُسکی حالت دیکھ کر لگ رہا تھا۔ اپنے سوار کی طرح اُس نے بھی اس مشق کو جی بھر کر پسند کیا ہے۔

"اسلام علیکم ابو۔۔۔"

"وعلیکم اسلام۔۔۔ ہو گئی گھڑسواری؟"

"جی آج بہت دنوں بعد دل کیا تھا۔ تو سوچا کیوں نہ لطف اُٹھایا جائے۔"

"ہاں بھئی متوقع سُسرال جا رہے ہو۔ بندہ خوشی سے ایسے ہی کام کرتا ہے۔ میں تو کہتا ہوں۔ سواری کرتے وقت کی ویڈیو بنوا لیتے۔ جتنی سپیڈ سے تم جاتے ہو۔ لڑکی نے دیکھتے ہی ایمپریس ہو جانا تھا۔"

"مجھ سے ایمپریس ہو گی یا گھوڑے سے؟"

نوازش علی نے باری باری شہنشاہ اور فربود پر نظر ڈالی۔۔۔

اُن کے کچھ بولنے سے پہلے ہی فربود قہقہہ مارتے ہوئے بولا۔

"اب یہ نہ کہہ دیجیے گا دونوں میں کوئی فرق نہیں ہے۔"

نوازش علی بھی کُھل کر مُسکرائے۔

"باپ بیٹے کی سوچ اگر ملتی ہو۔ تو یہ بڑا فائدہ ہے۔ میری بات ابھی منہ میں ہوتی ہے۔ اور تم سمجھ جاتے ہو۔

ایسا عموماً میاں بیوی کے ساتھ ہوتا ہے۔"

"نہیں ابو یہ ہر اُس رشتے میں ہو سکتا ہے۔ جہاں ایک دوسرے سے محبت ہو۔"

"چلو بھئی مان لیا۔ مجھے تمہاری مدد درکار ہے۔"

"سر جی حکم کریں۔"

"یار آج لاہور سے ہو آئیں۔ کل ذرا ایک پارٹی کی طرف چکر لگا آنا۔ ہم نے چار سو من چاول دیا ہوا ہے۔ مگر وہ پیسے دینے کو تیار نہیں ہے۔"

"کیا یہ پارٹی آپکا ساہیوال والا دوست تو نہیں ہے۔"

فربود گھوڑے کی گردن پر ہاتھ پھیرتے ہوئے شرارتی نظروں سے والد صاحب کو بھی دیکھ رہا تھا۔ جو آنکھیں گھماتے ہوئے مسکرا کر گھر کی جانب چل پڑے۔ فربود نے بھی اُنکا ساتھ دیا۔ شہنشاہ کی لگام ابھی بھی اُسکے ہاتھ میں تھی۔

"یار اب دوست آکر سوال کرتا ہے۔ تو اُسکو انکار تو نہیں کیا جا سکتا ہے۔"

"ہاں جی آپ تو بالکل بھی ایسا نہیں کر سکتے۔ کتنی دفعہ وہ آدمی آپکو باتوں میں لگا کر کوئی نہ کوئی کام نکلوا جاتا ہے۔"

"ہاں میں کوئی بچہ ہوں ناں جس کو وہ باتوں میں لگاتا ہے۔ میں اپنی مرضی سے اُسکی باتوں میں آتا ہوں۔ کیونکہ وہ میری بڑی عزت کرتا ہے۔ ویسے بھی یار کوئی سوال مارنے کو وہاں ہی آتا ہے۔ جہاں اُسکو کوئی مان یا اُمید ہو۔ مجھے جواب میں کسی کی عزت نفس کو مجروح کرنا اچھا نہیں لگتا ہے۔"

"آپ دل کے امیر آدمی ہیں۔"

"ہاں اور تم جیب کے امیر ہو۔"

دونوں باپ بیٹا ہنس دیئے۔

"اب تمہاری ماں نے جانے کی جلدی مچا دینی ہے۔ کل اسکے نئے رشتے داروں کی وجہ سے ہمارا وقت برباد ہوا۔ اُسکا ہم شکوہ بھی نہیں کر سکتے۔ بڑی سخت ہے یار۔۔۔"

نوازش علی کا اشارہ لاہور والے رشتے کی جانب تھا۔ کیونکہ نے کل انہوں نے فون کر کے معذرت کر لی تھی۔ اُن لوگوں کو کوئی ایمر جنسی آ پڑی تھی۔ جسکی وجہ سے اُنہوں نے ایک دن آگے کر دیا۔

وہ پورح حویلی کے قریب آ چکے تھے۔ فر بود نے گھوڑا کامے کے حوالے کیا خود نوازش علی کی بات کا جواب دیتے ہوئے بولا۔

''جناب حکومت جتنی سخت ہو گی عوام اُتنی ہی سیدھی رہے گی۔''

''ہمارے کیس میں تو حکومت جتنی سخت ہے۔ عوام اُتنی ہی ڈپلومیٹ ہے۔''

''یہ آپ اپنی بات کر رہے ہیں۔ یا میری؟۔۔۔''

''کیا میں تمہیں حکومت کا حصہ نہیں لگتا ہوں؟۔''

''جی جی کیوں نہیں۔ ہیڈ آف دی سٹیٹ تو آپ ہی ہیں۔''

''ہیڈ آف دی سٹیٹ میں نہیں بیٹا میری ماں ہیں۔ اور تیری ماں ہیڈ آف دی منسٹری ہے۔ تم ڈپلومیٹ عوام اور میں بیچاری اپوزیشن۔۔۔''

فر بود کا قہقہ بے اختیار تھا۔ باتوں کے دوران باپ بیٹا گھر پہنچ گئے تھے۔

اُنکو دیکھتے ہی شمیم نے ملازمہ سے کہہ کر کھانا لگوا دیا۔

''کیا اماں وڈی نے ناشتہ کر لیا ہے؟۔''

''کب کا' وہ تو صبح اُٹھتے ساتھ ہی گاجر اور سیب کا مربع کھاتی ہیں۔ آپ دونوں جلدی سے منہ ہاتھ دھو آئیں۔ اتنا دن چڑھ آیا ہے۔ اور جانا بھی اُتنی دور ہے۔''

نوازش علی نے تو ہاتھ باہر نل سے دھوئے۔ اور اخبار تھام کر دستر خواں پر بیٹھ گئے۔ جبکہ فر بود اوپر اپنے کمرے سے نہا دھو کر لباس بدلنے کے بعد بر آمد ہوا۔

ناشتے کے دوران شمیم نے ہمت کر کے اپنے دل کی بات شوہر کے آگے کہہ ہی دی۔

''میں چاہ رہی تھی۔ آپ اماں سے بات کریں۔ آج وہ اُس لڑکی کو اپنے ساتھ لاہور لیکر نہیں جائینگی۔''

نوازش علی نے ہاتھ روک کر بیوی پر ایک نظر ڈالی۔

”تم جب جانتی ہو۔اماں یہ بات کبھی تسلیم نہیں کریں گی۔تو کیوں خوامخواہ بات کر کے اُنکو ناراض کرنا ہے۔“

”اس میں ناراضگی کی کیا بات ہے۔میرا ایک ہی ایک بیٹا ہے۔اُسکے اتنے شگنوں کے وقت اُس منحوس لڑکی کا سایہ بھی اسکے قریب برداشت نہ کروں۔کجا کے وہ ہمارے ساتھ جائے۔“

”تمہارا بیٹا اس گھر میں بھی اُسکے ساتھ ہی ہوتا ہے۔اُس بچی نے اسکو کیا نقصان پہنچا دیا ہے۔جو تم ایسی دقیانوسی باتیں لیکر بیٹھ جاتی ہو۔اماں وڈی کے سامنے تم نے ذکر کیا ناں تو اُنہوں نے یہی سمجھنا ہے۔تم اُن کو ساتھ لیجانا نہیں چاہتی ہو۔اور اگر میری ماں نہ گئیں تو میں بھی گھر پہ ہی رہوں گا۔پھر تم دونوں ماں بیٹا اکیلے ہی لڑکی دیکھ آنا۔“

”نوازش صاحب مجال ہے جو آپ نے کبھی اپنی ماں کے مقابلے میں بیوی کا ساتھ دیا ہو۔جو پرسوں شام باہر صحن میں سب گھر والوں کی موجودگی کے دوران ہوا۔وہ شائد آپکی نظر سے نہیں گزرا۔وہ لڑکی گھر بھر کے سامنے اسکے ساتھ نین مٹکا کرنے کی کوشش میں تھی۔اکیلے میں نہ جانے کیا کرے۔“

فربود کو اچھو لگ گیا۔

”امی آپکی بھتیجی آپ سے بھی زیادہ مغرور ہے۔وہ تو میری جانب دیکھنا گوارا نہیں کرتی۔پرسوں میں غلطی سے اُسکو حرا باجی سمجھ کر اُسکے برابر بیٹھ گیا تھا۔اور پلیز اگر آپکو اپنی بھتیجی پر اعتبار نہیں ہے۔تو کم از کم میرا ہی اعتبار کرلیں۔جب آپ ایسی باتیں کرتی ہیں۔مجھے اپنی بے عزتی سی محسوس ہوتی ہے۔اتنا دل پھینک قسم کا مرد تو نہیں ہوں۔جتنا آپ نے مجھے سمجھ لیا ہوا ہے۔“

”تمہارا ماضی کا ریکارڈ اگر بھول گئے ہو تو یاد کروا دوں؟“

”اگر آپ نے یہ سب اسی طرح جاری رکھنا ہے۔تو میں کسی ملک کا ویزا اپلائے کرتا ہوں۔یا پھر مستقل کسی دوسرے شہر رہائش اختیار کرلیتا ہوں۔“

نوازش نے شکوہ کناں نظروں سے بیوی کو دیکھا۔فربود کھانا ختم کر کے ہاتھ دھونے چلا گیا تھا۔

”وہ تمہاری عزت کرتا ہے۔اور آج کے دور میں یہ بڑی بات ہے۔اگر اولاد ماں باپ کی عزت کرنے والی

ہو۔ ورنہ جو جو کچھ ہمارے معاشرے میں ہو رہا ہے۔ تمہیں بتاؤ تو تمہیں افسوس ہوگا۔ اسلیے میں یہی کہوں گا۔ اسطرح شک کر کے اپنے بیٹے کو باغی نہ کرو۔ کہیں یہ نہ ہو۔ تاشفہ تاشفہ کر کے تم تاشفہ کو اُسکی توجہ کا محور بنا دو۔"

نوازش علی دھیمی آواز میں بیوی کو سمجھا رہے تھے۔

باہر سنک پہ ہاتھ دھوتے ہوئے فربود علی سامنے لگے آئینے میں نظر آتے اپنے عکس کی آنکھوں میں گہرائی تک دیکھتے ہوئے بڑی دلکشی سے مُسکرا رہا تھا۔ جیسے خود اپنے آپ پر ہی پیار آ رہا ہو۔

نچلا ہونٹ دانتوں میں نرمی سے چباتے ہوئے اپنی چھوٹی داڑھی پر ہاتھ پھیر رہا تھا۔ جب تاشفہ کی آواز پر گردن موڑ کر دیکھا۔

"رضیہ چچی آپکا دوپٹہ سوکھ گیا ہے۔ اگر آپ کہیں تو دھوپ میں سے ہٹا دوں۔"

وہ چھت سے نیچے جھانکتے ہوئے رضیہ چچی سے مخاطب تھی۔ جو وہیں پر برآمدے میں وڈی اماں کے ساتھ بیٹھی باتیں کر رہی تھیں۔ اُنہوں نے وہیں سے سر ہلا کر جواب دے دیا۔

فربود کے چہرے سے مسکراہٹ مکمل طور پر غائب ہو گئی۔

"ایسا کیا ہے اس لڑکی میں جو میری ماں اسکو مجھ سے دور رکھنا چاہتی ہیں۔ کیا یہ معصوم سی صورت اندر سے اتنی خطرناک ہے؟ کیا بظاہر اُداس اور بیزار نظر آنے والی آنکھوں کی گہرائی اتنی طاقت ور ہے کہ جو ایک دفعہ غور سے دیکھے ڈوب جائے؟۔

اُسکی سنجیدہ پُرسوچ نظروں نے تاشفہ کو متوجہ کیا۔ دوپٹہ تار سے اُتار کر پلٹ رہی تھی۔ جب خود پر فربود کی نظروں کو محسوس کر کے نیچے دیکھنے کی غلطی کر گئی۔ اتنی دور سے بھی نہ جانے فربود کی نظروں میں کیا تاثر تھا۔ وہ بغیر آنکھیں جھپکے یک ٹک دیکھے جا رہا تھا۔ تاشفہ کو اپنی ریڑھ کی ہڈی میں سرد لہر دوڑتی محسوس ہوئی۔

ڈری ہوئی چڑیا کی طرح رضیہ چچی کے دوپٹے کو سینے سے لگا کر تیزی سے مُڑی جس سے اُس کے اپنے سر پر پڑا کریپ لا دوپٹہ اُتر گیا۔

فربود علی کو لگا تاشفہ کی کمر پر بال نہیں کوئی آبشار لہرائی تھی۔ ہلکی سی ڈارک براؤن شیڈ سورج کی کرنوں میں اور بھی چمک گئی۔ ایک جیسے لمبے گھنے اور بلا کے سلکی بال جنکی سرسراہٹ اتنی دور کھڑے ہونے کے باوجود فربود علی

نے اپنے ہاتھوں میں محسوس کی۔ وہ وہاں سے ہٹ چکی تھی۔ مگر وہ ابھی بھی گردن اُٹھائے اُسی سمت میں دیکھ رہا تھا۔ منٹ کے ہزارویں حصے میں اُسکے جی میں یہ خواہش اُبھری تھی۔ اگر ابھی جا کر اس لڑکی کے بالوں پر اپنا چہرہ رکھوں تو کیسا محسوس ہوگا؟ اُن میں سے کیسی خوشبو آ رہی ہوگی؟۔''

اپنے پیچھے قدموں کی چاپ سُن کر وہ مُڑ کر دیکھے بغیر دہلیز کی سیڑھیاں اُتر کر گیٹ کی جانب بڑھ گیا۔

''امی اگر اسکو مجھ سے دور رکھنا چاہتی ہیں۔ تو وہ بالکل ٹھیک چاہتی ہیں۔ ایسے حُسن کے پاس رہ کر کوئی کیسے نہ بہکے گا؟۔۔۔ ایسے حُسن کو عام لوگوں کے درمیان رکھنا ہی نہیں چاہیے۔ کہیں آبادی سے بہت دور کسی اونچی پہاڑی کے قلعے میں بند کر دو۔ اور اُس پہاڑی کے گرد گھنا جنگل اُگا دو۔ جنگل کے بعد گہری خندق کھود دو۔ چوٹی کی اونچائی اتنی ہو کوئی ہیلی کاپٹر بھی وہاں نہ جا سکے۔ کسی کے ریڈار میں وہ جگہ نہ آئے۔''

یونہی اپنی سوچوں میں غلطاں بیرونی گیٹ عبور کر گیا۔

☆......☆......☆

اماں وڈی کے ہاتھ پر دوا رکھنے کے بعد اُس نے اُنہیں پانی کا گلاس پکڑایا۔

''تم تیار کیوں نہیں ہوئی ہو؟۔''

''کیوں مجھے کس بات کی تیاری کرنی تھی؟۔''

''اچھا اب تم نے میرے ساتھ یہ لاعلمی کا کھیل کھیلنا ہے۔''

''میں آپ کو بتا چکی ہوں۔ مجھے پھوپھی کی فیملی کے ساتھ کہیں نہیں جانا ہے۔''

''مگر تم میرے ساتھ جا رہی ہو۔''

''آپ کا میرے بغیر گزارا ہو سکتا ہے۔ ساتھ میں آپکی بہو بیٹا اور پوتا ہونگے کیا وہ گاڑی میں سوار ہونے یا اُترنے میں آپکی مدد نہیں کریں گے۔''

''میں کیوں اُنکی مدد لوں۔ تمہیں کس بات کی تنخواہ دیتی ہوں۔''

''اگر ایسا ہے۔ تو میری تنخواہ سے پیسے کاٹ لیجیے گا۔''

''تم آخر اتنی ضدی کیوں ہو؟۔''

وہ چُپ ہو کر اُنکو دیکھنے لگی۔ چہرے پہ غُصہ جھنجھلاہٹ بیزاری صاف نظر آ رہی تھی۔کل سے لائف لائن کی جانب سے مکمل خاموشی تھی۔اور جب وہ خاموش ہوتا تھا۔تاشفہ کو دنیا کی کسی چیز میں کوئی کشش محسوس نہ ہوتی۔ اتنی بھری پڑی دنیا خالی لگتی۔جیسے کوئی زی روح نہ بچا ہو۔دل کی ایک عجیب ہی کیفیت ہوتی۔

''پلیز مجھے ساتھ جانے کے لیے زیادہ مجبور نہ کریں۔''

''تمہاری پھوپھی بھی تو یہی چاہتی ہے۔تم نہ جاؤ۔اُسکی دلی خواہش پوری کر کے بڑا ثواب کماؤ گی۔''

ایک شکوہ بھری نظر اماں وڈی پہ ڈال کر پھر سے اپنی ہتھیلی کو مسلنے لگی۔اماں وڈی نے نوٹ کر کے ٹوکا۔

''یہ کیا تم جب بھی اُداس ہوتی ہو۔بیچارے ہاتھوں کی شامت آجاتی ہے۔ہتھیلی کیسے سُرخ ہو رہی ہے۔''

اُس کے ہاتھ تھم گئے۔

''میں تو اُداس نہیں ہوں۔''

''ہاں نظر آ رہا ہے۔''

''آ تا رہے مجھے کیا۔''

''ابھی صبح تو تم اچھی بھلی تھیں۔یہ اچانک سے کونسا سانپ سونگھ گیا ہے۔''

''یہ جا کر اپنے اُس پوتے سے پوچھیں۔جنہوں نے آنکھوں کی جگہ ایکسرے فٹ کروائے ہوئے ہیں۔ ٹھرکی کہیں کے۔''

''آئے ہائے میرا کوئی پوتا اتنا بے حیا نہیں ہے۔جو گھر کی عورتوں پر آنکھیں سینکے۔''

''بڑی ہی خوش فہمی ہے۔''

''کس کی بات کر رہی ہو؟۔''

''اُنہی کی جنکا رشتہ دیکھنے جا رہی ہیں۔''

''فربود کی؟۔۔۔اے لو وہ تو میرا سب سے سیانا بیٹا ہے۔اپنے کام سے کام رکھنے والا۔۔۔''

''توبہ استغفار اسکا مطلب آپ اپنے بیٹے کو ذرا بھی نہیں جانتی ہیں۔آتے جاتے گھور کر جاتے ہیں۔''

''اچھا اب کی بار جب گھورے گا مجھے بتانا میں اُسکی خبر لونگی۔اُسکو بھی تو علم ہونا چاہیے یہ لڑکی بہت بڑے

آدمی کی امانت ہے۔ لہٰذا اس پر نظر رکھنا جائز نہیں ہے۔"

"میں کسی کی امانت نہیں ہوں۔"

"یہ تو وقت بتائے گا۔ ابھی تو تیاری پکڑو۔ ورنہ وہ مجھ پر رُعب ڈالنے کو اپنی ہیل کی ٹک ٹک سُناتی ہوئی آئے گی۔ میں دنیا کا ہر غم صدمہ برداشت کر سکتی ہوں۔ مگر اپنی فیشن ایبل بہو کو تمہاری غیر موجودگی پر خوش ہوتا نہیں دیکھ سکتی ہوں۔ مزید میرے ساتھ بحث نہ کرو۔ ہم لاہور جا رہے ہیں۔ ایک اور بات اگر تم میری بات مان لو تو میں تمہاری بات مان لونگی۔ واپسی پر پُرانی کتابوں والے سٹالز پر لیکر چلوں گی۔ جتنی چاہے کتابیں خرید لینا پیسے میں دونگی۔"

"آپ مجھے لالچ دے رہی ہیں۔"

"یہی سمجھ لو پر جلدی کرو۔ کیوں میرا ناک کٹوانا ہے۔ شمیم نے سُن لیا تو آجائے گی جتانے کہ یہ لڑکی آپ کہ ذرا قدر نہیں کرتی ہے۔ جسکو آپ اپنی اولاد پر فوقیت دیتی ہیں۔"

"ایموشنل کر کے کام نکلوانا بھی آپکی پُرانی عادت ہے۔"

وہ چاہ کر بھی بتا نہیں پا رہی تھی۔ وہ فربود علی کی جسم سے آر پار ہونے والی نظروں سے ڈر گئی تھی۔ وہ شخص جتنی دفعہ بھی مخاطب ہوا۔ ہر دفعہ اُسکی نظریں بے باک تھیں۔ اوپر سے فربود کی ماں کی ٹینشن۔ کس سیاپے میں جان پھنسی ہوئی تھی۔ اب دو بہنوں کی تعلیم کی ذمہ داری نہ ہوتی تو وہ بغیر سوچے سمجھے یہ نوکری چھوڑ دیتی۔

مگر اُس کو لگ رہا تھا۔ مستقبل کے حوالے سے کوئی اور حل نکالنا پڑے گا۔ فربود کے بارے میں اس گھر کی لڑکیوں سے وقتاً فوقتاً سُننے کو یہی ملا تھا۔ وہ کسی لڑکی کی محبت میں مبتلا ہو کر بدنام ہو چکا ہے۔ ماں باپ سے جوتے بھی کھائے ہوئے ہیں۔ پھر باہر جا کر سُدھر گیا۔ اب تاشفہ کو اس بات پر پورا یقین ہو گیا تھا۔ جیسے کہتے ہیں ناں جو گھر پہ بھوکے ہوں۔ وہ لاہور جا کر بھی بھوکے ہی رہتے ہیں۔ اُسی طرح جو گھر پر کمینے ہوں۔ وہ باہر جا کر بھی کمینے ہی رہتے ہیں۔

پہلے بھی وہ کونسا یہاں پر کسی کے ساتھ بات چیت کرتی تھی۔ مگر اب تو فیصلہ کر لیا تھا۔ فربود گھر پہ موجود ہوا تو اُس دوران وہ کمرے سے ہی نہیں نکلے گی۔ اگر یہ تجربہ بھی ناکام ہوا تو کچھ اور سوچ لے گی۔

اماں وڈی جتنی بھی نیک فل اور پیار کرنے والی تھیں۔ آخر وہ تھی تو اُنکی ملازمہ اسلیے نوکری تے نخرہ کی والا اصول لاگو کرتے ہوئے آخر اُسکو تیار ہونا ہی پڑا۔

لائٹ بیلو سوٹ پر کریپ کا دوپٹہ سر پر اوڑھ کر اپنی لمبی چوٹی چھپائی۔ اماں وڈی کا بیگ اُسکے ایک بازو پر لٹک رہا تھا۔ ایک ہاتھ سے اماں وڈی کو سہارا دیکر باہر لا رہی تھی۔ پیروں میں لیدر کے سادہ ڈیزائن والے جوتے تھے۔ جو سیماب نے اُسکو گفٹ کیئے تھے۔ کیونکہ سیماب ہر چھ ماہ بعد شیخوپورہ روڈ پر لیدر کے جوتوں والی فیکٹری سے ڈسکاؤنٹ پر پورے سیزن کے جوتے لے آتی تھی۔ پھر اسی طرح بہنوں اور ماں کو گفٹ کرتی۔

گھر کے سبھی افراد اپنے اپنے کام میں مصروف تھے۔ شمیم گیراج میں کھڑی گاڑی کی پچھلی سیٹ پر براجمان تھیں۔ اگلی پیسنجر سیٹ پر نوازش علی موجود تھے۔

اُنکو آتا دیکھ کر ملازم نے دروازہ کھول دیا۔ تاشفہ نے اماں وڈی کو بیٹھنے میں مدد دی۔ اب شمیم ڈرائیور کی سیٹ کے بالکل پیچھے تھی۔ درمیان میں اماں وڈی بیٹھ گئیں۔ باقی بچی جگہ میں تاشفہ سما گئی۔

اُسکو جو غلط فہمی تھی۔ کہ شائد ڈرائیور ہی ساتھ جائے گا۔ نوازش علی کی آواز نے وہ خوش فہمی بھی دور کر دی۔

''غفور جاؤ فریود کو بولو اب نکل بھی آئے۔۔۔''

''جی او آ گئے جے۔۔۔''

سائیڈ مرر میں آتا ہوا دیکھائی دیا۔

سکائی بیلو شلوار سوٹ پر ڈارک اور لائٹ بیلو پرنٹ کی ویسٹ کوٹ تھی۔ آنکھوں پہ کالے شیشے بالوں کو جیل لگا کر سیٹ کیا گیا تھا۔

''ہاں بھئی چچا کیا گاڑی کا پانی تیل سب سیٹ ہے؟''

''ہاں جی بے فکر ہو کے جاؤ۔''

چچا غفور نے چابی اُسکے حوالے کی۔

جسے تھام کر وہ اپنی جگہ پہ ٹکتے ہوئے نوازش علی سے مخاطب ہوا۔

''ہاں جی تو چلیں۔؟۔۔۔''

"اتنی تیاری یہاں بیٹھنے کے لیے تو نہیں کی ہے۔تمہیں دیکھ کر تو لگا رہا ہے۔لڑکی دیکھنے نہیں بلکہ بیاہ کرلانے جارہے ہو۔"

اماں وڈی کی بات پر وہ مسکراتے ہوئے پیچھے کو مُڑا۔۔۔

"دادی سمجھا کریں۔۔۔فرسٹ ایمپریشن از دا لاسٹ ایمپریشن۔کیوں کزن صاحبہ میں ٹھیک کہہ رہا ہوں ناں؟۔۔۔"

وہ عینک تھوڑی سی نیچے کر کے براہ راست اُسکی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے پوچھ رہا تھا۔

تاشفہ نے کچھ کہنے کو منہ تو کھولا مگر آواز باہر نہ نکلی۔

شمیم نے اپنی جگہ پہلو بدلا اور جتاتے ہوئے بولیں۔

"فربود فضول گوئی میں وقت ضائع نہ کرو۔وہ لوگ انتظار کر رہے ہونگے۔راستہ بھی کافی لمبا ہے۔"

تاشفہ لاتعلقی سے باہر دیکھنے لگی۔گاڑی میں سب سے بعد میں فربود کے پرفیوم نے پوری طرح قبضہ کر لیا تھا۔

"جی امی۔۔۔"

اپنی جگہ سیدھا ہو کر انجن اسٹارٹ کر کے بیک ویو مرر سیٹ کیا۔باہر کھڑے چچا غفور کو ہاتھ ہلاتے ہوئے گاڑی گیٹ سے نکال لایا۔

رہائشی علاقے سے نکلتے ہی ٹائر تیز رفتاری سے راستہ کھانے لگے۔

سارا راستہ فیملی آپس میں باتیں کرتی رہی۔ایک وہ خاموشی کا روزہ رکھ کر باہر دیکھ رہی تھی۔کبھی کبھار اپنے فون کی سکرین روشن کر کے نوٹیفکیشن دیکھ لیتی۔مگر فون اُسکے دل کی طرح بالکل خاموش تھا۔

اے سی لگی اتنی آرام دہ سواری میں بیٹھے ہونے کے باوجود تاشفہ کو اپنے اندر وحشت اُترتی محسوس ہو رہی تھی۔کاش ایسا ممکن ہوتا وہ چلتی گاڑی کا دروازہ کھول کر یونہی کہیں چلی جاتی۔

گاڑی میں کلک کی آواز گونجنے پر وہ اپنی چونکی۔۔۔

بے اختیار نظر سامنے کو اُٹھی بظاہر سامنے سڑک پر دیکھتی دو کالے شیشوں کے پیچھے چُھپی خوبصورت مردانہ نظریں اس وقت بھی تاشفہ کو ہی پڑھ رہی تھیں۔اگلی نظر تاشفہ نے اپنے ہاتھ پر ڈالی جو کہ دروازے کے لاک کو

گرفت میں لیے ہوئے تھا۔

کیاوہ دروازہ کھولنے کے چکر میں تھی؟۔۔۔وہ اپنی سوچوں میں اتنی گم تھی۔

فربود نے اُسکی لاک پر مضبوط پڑتی گرفت کو محسوس کرتے ہوئے گاڑی اندر سے لاک کی تھی۔یا پھر شائد تاشفہ کو بیدار کرنے کو ایسا کیا تھا۔جو بھی تھا۔

تاشفہ نے ہینڈل سے اپنا ہاتھ ہٹالیا۔یہ سوچ کر دل کی دھڑکن کنپٹی میں محسوس ہونے لگی۔کیا وہ جاگتے میں اتنی بے خبر ہو جاتی ہے؟۔اگر واقعی دروازہ کھل جاتا۔اتنی تیز رفتار سے جاتی گاڑی میں سے اُس نے سڑک پر گرتے ہی مرجانا تھا۔جو کسر رہ جاتی وہ پیچھے سے آنے والی ٹریفک پوری کر دیتی۔گوجرانوالہ سے لاہور والے جی ٹی روڈ پر ہمیشہ سے ہی بہت زیادہ رش رہا ہے۔دونوں طرف کی ٹریفک بہت مصروف ہے۔پہلے کہیں کہیں ڈبل روڈ آتا تھا۔مگر اب تو ساری سڑک ڈبل ہے۔مگر رش آج بھی بہت ہے۔یوں محسوس ہوتا جیسے جیسے سہولتیں بڑھتی ہیں۔ویسے ویسے مسائل میں تبدیلی آجاتی ہے۔مسائل کبھی ختم کیوں نہیں ہوتے؟۔"

جس وقت گاڑی لڑکی والوں کے گھر کے باہر رُکی گھڑی کی سوئیاں ڈھائی بجا رہی تھیں۔ادھر فربود نے ہارن دیا۔اُدھر چوکیدار نے گیٹ وا کر دیا۔

اُس کے بعد کا منظر دیکھنے والا تھا۔لڑکی والے گھر کے سبھی افراد ہاتھوں میں پھول لیے استقبال کو کھڑے تھے۔فربود نے گاڑی گیراج میں لا کر انجن بند کر دیا۔پھولوں کی چھاؤں میں اُن کا بڑا پُرتپاک استقبال ہوا تھا۔

سب سے آخر میں فربود کسی شہزادے کی طرح گاڑی سے نکلا ایک ایک فرد کے ساتھ خوش اخلاقی سے ملا۔

تعارف کے دوران جب تاشفہ کی جانب سوالیہ نظریں اُٹھیں۔

"یہ آپکی کوئی رشتے دار ہیں۔کیونکہ اتنا تو پتا ہے۔فربود بیٹے کی کوئی بہن نہیں ہے۔تو پھر یہ پیاری سی پری کون ہے؟۔"

"ڈاکٹر اریج فلک کی امی نے انتہائی خوش اخلاقی سے پوچھا تھا۔جواب میں ساس سے پہلے ہی شمیم نے اپنا دل پُرسکون کیا۔

"یہ تاشفہ ہے۔ہماری رشتے دار نہیں ہے۔بلکہ ہماری ملازمہ ہے۔"

اتنے سارے لوگوں کی نظریں خود پر دیکھ کر تاشفہ خود کو سنبھال ہی رہی تھی۔ شمیم کے الفاظ سُن کر شرمندگی سے چہرہ سُرخ ہو گیا اُس نے گردن جُھکالی۔ نظر اُٹھا کر کسی جانب دیکھنے کی اس وقت اُس میں ہمت ہی نہ تھی۔

"اماں وڈی نے بہو کو نفرت سے دیکھا تھا۔ جو بڑی خوش نظر آ رہی تھیں۔

ارمان خان کی فیملی ساری کی ساری بڑی پڑھی لکھی اور آزاد خیال تھی۔ اسی لیے مہمانوں کو بھی مکس گیدرنگ میں ہی بٹھایا گیا۔

مگران لوگوں کا اخلاق کمال کا تھا۔ اتنے امیر ہونے کے باوجود کوئی شو بازی نہ تھی۔ نہ ہی لمبی لمبی چھوڑ رہے تھے۔ ڈاکٹر فلک ابھی سامنے نہیں آئی تھی۔ مگر اُس کے بہن بھائی اور ماں باپ کا حُسن دیکھ کر صاف اندازہ ہو رہا تھا۔ لڑکی بھی لاجواب ہی تھی۔

اُس کے بہن بھائی اماں وڈی سے گاؤں کہ زندگی کے مطلق باتیں کر رہے تھے۔

اُن لوگوں کا کہنا تھا۔ وہ آج تک کبھی کسی گاؤں میں نہیں گئے۔

فلک کی چھوٹی بہن مسلسل فریود کا سر کھا رہی تھی۔

"فریود بھائی آپ نے کبھی کوے کا گھونسلہ دیکھا ہے؟"

"ہاں جی بہت دفعہ۔۔۔"

وہ اُس گیارہ بارہ سال کی بچی کو مُسکرا کر جواب دینے پر مجبور تھا۔ کیونکہ اپنی دو پونیوں اور موٹی موٹی معصوم آنکھوں کے ساتھ وہ اپنی عمر سے ڈھیر چھوٹی لگ رہی تھی۔

"اگر میں آپ کے گاؤں آؤں تو کیا آپ مجھے کوے کے انڈے دیکھائینگے۔۔۔"

"کیوں نہیں اگر نہ ملے پھر بھی میں ای بے سے آرڈر کر کے منگوالونگا۔"

اُسکی بات پر زبردست قہقہ پڑا تھا۔

"کیا ای بے پر کوے کے انڈے بھی مل جاتے ہیں؟۔۔۔"

"اُمید کی جا سکتی ہے۔"

بڑے سے ڈرائینگ روم میں چھوٹے بڑے سب خوش گپیوں میں مصروف تھے۔

”کتنی خوبصورت بات ہے۔لگتا ہی نہیں کہ ہم لوگ پہلی دفعہ مل رہے ہیں۔“
شمیم نے کہا تو فلک کی امی فوراً اتفاق کرتے ہوئے بولیں۔
”آپ بالکل ٹھیک کہہ رہی ہیں۔ سچی میں آپکی ساس نے تو دل ہی جیت لیا ہے۔اتنی سادہ خاتون ہیں۔ لگتا ہی نہیں اتنے مربعوں کی مالک ہیں۔مگر مجھے آپ سے ایک شکوہ ضرور ہے۔آپ کو اپنی ساری فیملی کو ساتھ لانا چاہیے تھا۔رشتے والی نے بتایا تھا۔نوازش بھائی کے باقی دو بھائی اور بہن بھی ساتھ رہتے ہیں۔ہم نے تو اُس حساب سے بیس پچیس افراد کا انتظام کیا ہوا تھا۔مگر آپ تو بس تین لوگ ہی آئے ہیں۔“
”تین کہاں؟۔۔۔اپنی نوکرانی ڈال کر ہم پانچ تو ہو ہی گئے ہیں۔“
”فربو بیٹے کو تو شامل ہی نہ کریں۔اور یہ پیاری بچی تو چپ چاپ بیٹھی ہوئی ہے۔باقی تو آپ تین ہی رہ گئے۔جن سے دو دو ہاتھ کیے جا سکتے ہیں۔“
شمیم کا حلق کڑوا ہو گیا۔ٹھیک ہے خاندان خوش اخلاق اور چاہت کرنے والا ہوتا۔مگر اتنا بھی نہیں کہ لڑکے کی ماں سے زیادہ اہمیت اُسکی دادی اور لڑکے کو دی جارہی ہے۔لڑکے کے تائی تایا سے ملنے کی خواہش کا اظہار ہو رہا ہے۔اور جب ایک دفعہ بتا دیا ہے۔تاشفہ نوکرانی ہے۔پھر بھی اُسکو مہمانوں کے ساتھ ہی چائے پانی دیا ہے۔اتنا نہیں ہو سکا ذرا علیحدہ سے بیٹھا کر ایک کپ چائے دے دیتے۔نوکر اور مالک کو ایک ہی پلیٹ میں کھلانے والے جاہل لوگ۔
یہ سب سوچتے ہوئے وہ یہ بات بھول رہی تھیں۔اُنکی ساس نے کبھی گھر کے اصل نوکروں کو بھی نوکر سمجھ کر حقیر نہیں جانا تھا۔یہ لڑکی تو پھر شمیم کے سگے بھائی کی بیٹی تھی۔اُنہوں نے ایک تاشفہ کی وجہ سے اپنے بھائی کو چھوڑ دیا ہوا ہے۔باقی سب باتیں کیا حیثیت رکھتی ہیں۔
تاشفہ تھری سیٹر صوفے پر بیٹھی ہوئی تھی۔میسج کی وائبریشن پر اُسکا ہاتھ اپنی کلائی پہ بندھے پاؤچ میں گیا۔ سکرین پر لائف لائن کا نام دیکھ کر ہی وہ اپنی جگہ سے اُٹھ کھڑی ہوئی۔
اماں وڈی سے معذرت کرتی کمرے سے نکل آئی۔نہ وہ کہیں دیکھ رہی تھی۔نہ سوچ رہی تھی۔جیسے ایک نشے کے عادی انسان کے ہاتھ میں کہیں سے نشہ لگ جائے وہ گرتا پڑتا کہیں محفوظ جگہ پر بیٹھ کر اُس زہر کو اپنے

اندر اُتارنا چاہتا ہے۔

اُسکو بھی دور بس بس گھاس نظر آیا تھا۔جس سے اندازہ ہوا۔اُس جانب لان ہوگا۔تیز تیز چلتی وہاں آئی۔ ایک بینچ پر بیٹھ کر گہرا سانس بھرا اور فون کھولا۔

سکرین پر ایک سوال آ رہا تھا۔

''کسی ہو؟۔۔۔''

''ٹھیک ہوں۔''

جواب دینے کے بعد کتنی دیر سکرین کو پڑھتی رہی آیا وہ کوئی اور بات کرے گا۔پانچ منٹ بعد دوبارہ میسج آیا۔''میں تمہاری کہی باتوں پر غور کر رہا تھا۔''

''کونسی باتوں پر۔۔۔؟''

تاشفہ کے دل میں جیسے کسی نے خنجر اُتارا ہو۔وہ پانچ منٹ میں ایک میسج کر رہا تھا۔اور تاشفہ کی جانب سے دو سیکنڈ سے پہلے جواب جا رہا تھا۔

پھر پورے پانچ منٹ بعد جواب آیا۔

''یہی کہ ہمیں اس تعلق کو ختم کر دینا چاہیے۔''

تاشفہ نے خالی خالی نظروں سے اپنے گرد دیکھا۔وہ اتنے بڑے بنگلے کے پچھلے حصے پر بنے لان میں موجود ایک شیڈ سے میں بیٹھی ہوئی تھی۔اب دیکھا تو دل میں سوال آیا۔

''اتنا طویل لان عبور کر کے یہاں آئی ہوں۔؟۔۔۔''

یہاں سے گھر کے اندر ہونے والی آمد و رفت نظر نہیں آ رہی تھی۔

فلک کی چار بہنیں اور دو بھائی تھے۔دو بہنیں اور بھائی شادی شدہ تھے۔جو آج بچوں کے ساتھ یہاں موجود تھے۔یہاں سے دیکھ کر اندازہ ہو رہا تھا۔گھر کتنے زیادہ رقبے کو گھیرے ہوئے تھا۔شمیم پھوپھی کو اگر لڑکی پسند آ گئی تو جھٹ منگنی پٹ بیاہ والی بات ہونی تھی۔اور فی الحال تو ایسا ہی لگ رہا تھا۔رشتہ ہو ہی جانا ہے۔

ادھر اُدھر کی باتیں سوچ کر خود کو بہلانے کی کوشش کی مگر بے سود۔۔۔

"تو کیا اس لیے پچھلے دو دن سے رابطہ نہیں کیا؟۔۔۔"

اُسکے پوچھنے پر دوسری جانب سے فوری جواب آیا۔

"ہاں۔۔۔اور اب میں سمجھ گیا ہوں۔تم ٹھیک کہتی ہو۔جس رشتے کا کوئی منہ سر نہ ہو۔اُسکا ہونا نہ ہونا ایک برابر ہی ہے۔آج سے ہمارے راستے الگ ہیں۔"

اتنا صاف سُتھرا اور اتنا اچانک انکار تاشفہ کو لگا سانس سینے میں ہی کہیں رُک گئی ہو۔جی میں آیا اُسکو میسج کرے۔

"تم تو مجھ سے محبت کرتے تھے۔مجھے چھوڑ کیسے سکتے ہو؟ کیا تمہاری محبت بغیر وفا کے بانجھ محبت تھی؟ ابھی آخری دفعہ تو اتنی جذباتی باتیں کر رہے تھے۔دو دن لگے اور تمہاری ساری آئیڈیلوجی بدل گئی۔میں نے ایک دفعہ کہا ہمیں الگ ہو جانا چاہیے اور تم مان گئے۔مجھے قائل کرنے کی بجائے خود ہی ہار مان گئے۔یا تم چاہتے ہی یہ تھے؟۔۔۔

فون بند کر کے پاؤچ میں ڈال دیا۔وہاں بیٹھے بیٹھے دو گھنٹے گُزر گئے۔

شام کا اندھیرا پھیلنا شروع ہو گیا تھا۔وہ وہاں سے اُٹھ کر اندر جانا چاہتی تھی۔مگر درد زہر بن کر رگوں جان میں ایسے پھیلا ہوا تھا۔جیسے اب اس دل سے نکل کر کہیں نہیں جائے گا۔اندر باہر سناٹا ہی سناٹا تھا۔

چہرے پر آئے پسینے کو پلو سے صاف کرنے کے بعد ہتھیلی کی لکیروں پر انگلی پھیر رہی تھی۔جب نیم تاریکی میں ایک سایہ بڑی تیزی سے اپنی طرف آتا دکھائی دیا۔

دل میں ڈر سا آیا۔ایک انجانے گھر کے لان میں ایسے اندھیرے میں بیٹھنا سراسر حماقت ہی تھی۔اپنی جگہ سے اُٹھی۔مگر خود سے قریب آتے اُس وجود سے اُٹھنے والی خوشبو نے پیرالائز کر دیا۔

حیرت کے جھٹکے سے نکلنے کی کوشش میں اُسکے منہ سے بے اختیار نکلا۔

"آپ یہاں۔۔۔؟۔۔۔"

سنجیدہ چہرہ 'جذبات کا سمندر لٹاتیں گہری سیاہ آنکھیں' سختی سے ایک دوسرے میں پیوست ہونٹ۔۔۔' لمبے لمبے ڈگ بھرتا اُس کے پاس آیا۔اپنے حدت دیتے ہاتھوں کے پیالے میں تاشفہ کا چہرہ بھرا' کُچھ بھی کہنے سُننے

کا موقع دیئے بغیر تاشفہ کے کانپتے ہونٹوں کو فوکس میں رکھتے ہوئے اُسکے چہرے پر جُھکا۔

اپنا غصہ ' محبت ' جھنجھلاہٹ جو جو احساس وہ اس لڑکی کی وجہ سے محسوس کرتا تھا۔ سب اپنے لبوں کی گرمی کے ذریعے واپس اُسی کو لُٹا دیا۔ تاشفہ کی آنکھوں کی پتلیاں پھیل کر سائز میں کئی گُنا بڑھ گئیں۔

مضبوط مردانہ بازو تاشفہ کی کمر میں حمائل ہو کر اُسکو اپنی گرفت میں اُٹھائے ہوئے تھے۔ گر جانے کے ڈر سے تاشفہ نے اُسکے شانوں کو تھام لیا۔

نہ جانے کتنے پل گزر گئے۔ اُسکو سانس نہیں آ رہی تھی۔ مگر دوسرے فریق کی گرفت ڈھیلی ہونے کی بجائے مزید مضبوط ہو رہی تھی۔ تاشفہ نے اُسے اپنے ہاتھوں سے دور دھکیلنے کی کوشش کرنی چاہی مگر ناکام رہی۔ جذبات کا ایک ایسا دریا جس پر بندھ باندھنے کے چکر میں دونوں بے حال ہو گئے۔

"تاشفہ آپی۔۔۔!!!۔۔۔"

آواز دور سے آتی سُنائی دی۔ تاشفہ کو چند پل لگے پہچاننے میں وہ ڈاکٹر فلک کی چھوٹی بہن کی آواز تھی۔

پھر اماں وڈی کی آواز آئی۔۔۔

"تاشی پریشان کر رہی ہو۔ کدھر ہو؟۔۔۔"

اُس نے تاشفہ کے لب آزاد کر دیے۔ دونوں کی سانس پھولی ہوئی تھی۔ مگر اُسکو ایک دم سے جانے نہیں دیا۔ اپنے ساتھ لگائے رکھ کر اُسکے کان کے قریب جُھکا۔

"میرے بارے میں کبھی ابہام کا شکار نہ ہونا۔ یہ آج تمہاری کہی گئی باتوں کا جواب دیا ہے۔ مجھ سے دور جانے کا شوق ہے۔ تو پہلے خود کو اتنا مضبوط کرو کہ میری دوری سہہ سکو۔ میری زندگی میں صرف تم ہی ایک حقیقت ہو۔ باقی جو ہے وہ سب سیراب ہے۔ سمجھ آئی؟۔۔۔"

تاشفہ کی پیشانی اُسکے سینے پہ ٹکی تھی۔ اُسکی بند آنکھوں میں نمی تھی۔ گہرے سانس کھینچتے ہوئے وہ اُسکی خوشبو کو محسوس کر رہی تھی۔

یہ کیا ہوا؟۔۔۔ جس کے سامنے آنے سے ہی وہ ڈر جاتی تھی۔ اس وقت اُسکی بانہوں کی مضبوطی نے تحفظ کا وہ احساس دیا تاشفہ کے دل میں سکون ہی سکون سرایت کرتا چلا گیا۔

قدموں کی چاپ قریب آتی جارہی تھی۔ وہ اُسکی طرح اُسکا دامن تھامے سر جُھکا کر سینے سے لگی کھڑی رہی۔

آپ کو کیسے پتا چلا میں یہاں ہوں؟ کیا ہر وقت میرا ہی پیچھا کرتے ہیں؟۔''

''اپنے دل کا پتا ہوتا ہے۔ وہ کہاں دھڑک رہا ہے۔ اور اپنی عورت کو نظر میں رکھنا کوئی گناہ تو نہیں ہے۔''

تاشفہ نے نم آنکھوں سے اوپر دیکھا۔ وہ کس قدر پاس تھا۔

''یہ جو لمحہ ہمارے درمیان آیا ہے۔ ہمارے تعلق کو خیالی دنیا سے حقیقت تک لے آیا ہے۔ اب اسکے بعد بھی تم مجھے جُھٹلانے کی کوشش کرو تو گناہ ہے۔''

اُسکی نظروں میں تاشفہ کے لیے انتہائی نرم تاثر تھا۔

اُس نے آخری دفعہ تاشفہ کی جانب بڑی دلکش مسکراہٹ پھینکی اور اُسے آزاد کرتا ہوا پچھلے دروازے کی جانب غائب ہو گیا۔

☆......☆......☆

ٹرک میں عطا اللہ عیسیٰ خیلوی کی آواز نے سرور باندھا ہوا تھا۔ ڈرائیور عطا اللہ کو سُنتے ہوئے سٹیرنگ وہیل کو انگلیوں کی مدد سے ڈرم کی طرح بجا رہا تھا۔

آنکھوں میں سُرخ ڈورے تھے۔ جیسے سامنے من پسند شراب کا جام پڑا ہو۔ اور اُسکو پیئے بغیر دیکھ دیکھ کر ہی سرور مل رہا ہو۔ اور یہ سوچ کر اور بھی مدہوشی چھاتی ہو۔ کہ بن پیئے یہ عالم ہے۔ تو جب جام لبوں سے لگاؤں گا۔ تب کیا حالت ہو گی؟۔

ٹرکوں کے اڈے پر پہنچ کر اُس نے اپنی جانے جگر سواری کو بڑی محبت سے پارک کیا۔ انجن بند کرتا چھلانگ مار کر ٹرک سے اُتر آیا۔

جسم سے سستے عطر کی خشبو اُٹھ رہی تھی۔ ڈھیلا ڈھالا شلوار سوٹ اونچا لمبا قد بھرا بھرا جسم ایک نظر دیکھنے پر کوئی اُسکو ہینڈسم ماڈل سمجھتا۔ سر پر بڑی سی ململ کی پگڑی تھی۔ منہ میں پان چباتے ہوئے کبھی کبھی اپنی رنگلی زُبان کو سُرخ ہونٹوں پر مارتا۔ پھر سٹائل سے مانچھوں کو سیٹ کرتا تھوڑی دیر بعد لاپرواہی سے پان کی پیک یہاں

وہاں پھینکتا۔

ہوٹل والے کو سلام مار کر وہیں بیٹھے ڈرائیوروں کے پاس ٹک گیا۔

جو اس نئے چہرے کو تجسس سے دیکھ رہے تھے۔

"مجھے رزاق قریشی سے ملنا ہے۔کوئی بتائے گا یہ شہزادہ کہاں پایا جاتا ہے؟"

ایک طرف چارپائی پہ موٹا سا بے ڈھنگا شخص بڑا اونگھ رہا تھا۔اس آواز پر اُس نے کپڑے پہ پڑا کپڑا اُٹھا کر پوچھنے والے کو دیکھا۔

"میں ہوں رزاق قُریشی کون ہے جو مجھے پہلے سے نہیں پہچانتا ہے۔کیا نئے آئے ہو؟۔۔۔"

اُستاد تمہارے اڈے کے چرچے اُدھر میرے کراچی میں بھی بڑی دھوم کے ساتھ بجتے ہیں۔دس سال ہو گئے مال کو سارے سندھ میں ڈلیور کرتے آج پہلی دفعہ پنجاب کا رُخ کیا ہے۔وہ بھی صرف تمہارے لیے۔

ہاں تمہارے اڈے پر پہلی مرتبہ آیا ہوں۔"

رزاق قُریشی اپنی جگہ سے اُٹھ کر اُس کی طرف آیا۔

"مصافحہ کرنے کو ہاتھ بڑھایا۔جس کو مہمان نے بڑی گرمجوشی سے پکڑ کر ہلایا۔

"کیا نام ہے؟"

"سومرو۔۔۔"

"ہاں تو سومرو کیا چیز مجھ تک لائی ہے؟۔۔۔"

سومرو کمینگی سے مسکراتے ہوئے اپنے لال سُرخ دانت دیکھاتے ہوئے بولا۔

"جناب سُنا ہے آپ بڑا اُنچا مال دیتے ہیں۔بس اُسی کی کشش میں یہ خادم اِدھر حاضر ہوا ہے۔"

رزاق نے بھی گھاٹ گھاٹ کا پانی پیا ہوا تھا۔ایسے آسانی سے تو وہ ہاتھ لگنے والی چیز نہ تھا۔

ڈھابے والے کو مخاطب کر کے بولا۔

"او چھوٹے۔۔۔پرونے کے لیے چاپانی کا بندوبست کرو۔"

"جناب پانی کو چھوڑیں بس چاہ کی بات کریں۔مجھے مال چاہیے۔کتنا پیسہ لگتا ہے لے لو۔پر مال کھرا ہو۔"

بات کے اختتام پر اُس نے آنکھ ماری۔
رزاق دھیمی آواز میں متنبہ کرتے ہوئے بولا۔
"آج کل اس جگہ کی نگرانی کی جارہی ہے۔اسلیے یوں سرِ عام بات نہیں ہوسکتی۔تم کھانا وانا کھاؤ پھر میں تمھیں اپنے ٹھکانے پر لے چلوں گا۔وہاں جا کر بات کریں گے۔ویسے ایک بات کی سمجھ نہیں آئی کراچی تو خود بڑا امیر ہے۔پھر تم یہاں ہی کیوں آئے۔"
"وہاں پر بیماریاں عام ہوگئی ہیں۔پچھلے کچھ عرصے سے نئی پونگ نہیں آئی۔اور مجھے استعمال شدہ مال سے سخت الرجی ہے۔مجھے تازہ مال چاہیے۔"
رزاق کی آنکھوں میں چمک اُتری جیسے شکار کو دیکھ کر لومڑی کی آنکھیں چمکتی ہیں۔
"اگر تمھیں بھوک پیاس نہیں ہے۔تو آجاؤ تمھیں وہ دوں جسکی ضرورت ہے۔پر تمھیں یہاں سے نکل کر میرے ساتھ جانا پڑے گا۔"
سومروفٹ چارپائی سے اُٹھا۔
"اُستاد جہاں لے چلو چلیں گے۔کیا میری گاڑی یہاں محفوظ رہے گی؟۔۔۔"
رزاق جانتا تھا۔ڈرائیور اپنے گھر والوں سے زیادہ اپنی گاڑیوں سے پیار کرتے تھے۔
ہنستے ہوئے بولا۔
"یہ میرا علاقہ ہے۔یہاں میری مرضی کے بغیر چڑی بھی پر نہیں مارتی۔بے فکر ہو کر آؤ۔"
وہاں سے نکل کر وہ دونوں آگے پیچھے چلتے گلیوں سے ہوتے ہوئے اُس جگہ آئے۔
گندے سے ہوٹل جو پورے ملک سے آنے والے ڈرائیوروں کے استعمال میں رہتے تھے۔خاص کر ٹرک ڈرائیور دور دراز علاقوں سے ہوتے ہوئے۔کئی کئی گھنٹوں کی ڈرائیونگ کے بعد کسی بڑے شہر میں پہنچتے تو سکون کی تلاش میں ایسے ہی سستے ہوٹلوں کا رُخ کرتے ہیں۔
پاکستان کے لیے یہ بات انتہا سے زیادہ شرمناک ہے۔پاکستان کے نناوے فیصد ٹرک ڈرائیور اپنے منہ سے اس بات کا اعتراف کرتے ہیں۔اُنہوں نے چھوٹی عمر کے معصوم بچوں کے ساتھ جنسی زیادتی کی ہے۔بہت

بڑی تعداد ایسے بچوں کی ہے۔ جو گھر سے بھاگے ہوتے ہیں۔ جن کے پاس کھانے پینے کو بھی پیسہ نہیں ہوتا۔ وہ لڑکے پھر ایسے ہی ہوس کے مارے لوگوں کے ہتھے چڑھ کر اپنا جسم بیچتے ہیں۔ جن میں بہت دفعہ کم سن لڑکے پیسوں کے لالچ میں موت کو گلے لگا لیتے ہیں۔

جو سماجی ادارے بے گھر بچوں کو تحفظ دینے کی کوشش میں کارفرما ہیں۔ اُنکی کی گئی تحقیق کے مطابق دس میں سے نو بے گھر بچے جنسی زیادتی کا شکار ہیں۔

دو ہزار چودہ میں بی بی سی کی بننے والی ڈاکیومنٹری میں پشاور کے حوالے سے انتہائی شرم ناک بات سامنے آئی تھی۔ کہ پشاور اس جُرم میں سب سے آگے ہیں۔ مگر اس وقت پورے ملک میں ایڈز جیسے موذی مرض کو بڑھانے کی سب سے بڑی وجہ مردوں کا ہم جنس جسمانی تعلق ہے۔ چاہے وہ کم سن بچوں کے ساتھ ہو یا بڑی عمر والوں کے ساتھ۔

ٹرک ڈرائیور چونکے کئی کئی دن گھر سے باہر رہتے ہیں۔ انکا زیادہ وقت سڑکوں پر گزرتا ہے۔ یہ اتنا زیادہ کماتے بھی نہیں ہیں۔ اس صورت میں سب سے سستی عیاشی کم سن لڑکے ہیں۔ جن میں سے کئی اغوا ہو کر ایسی جگہوں پر پہنچا دیئے جاتے ہیں۔ اگر آپ نوٹ کریں۔ آپ کے علم میں ایک بات آئے گی۔ ٹرک والے اپنے ساتھ ایک لڑکا ضرور رکھتے ہیں۔ جن کی عمر دس سے گیارہ سال ہوتی ہیں۔ کئی دفعہ اس سے بھی چھوٹی عمر۔۔۔ ان بچوں کو اسی مقصد کے لیے ساتھ رکھا جاتا ہے۔ جو بعد میں یا تو بیماریوں کا شکار ہو کر مر جاتے ہیں۔ یا پھر ساری عمر اسی دلدل کا حصہ بنے رہتے ہیں۔

سومرو آنکھیں پھاڑے اپنے اردگرد دیکھ رہا تھا۔ یقین ہی نہ آیا کہ یہ پاکستان ہے؟ اللہ کے نام پر حاصل کیا گیا ملک؟

کیا یہ وہی زمین ہے جسکے حصول کی جنگ میں لاکھوں لوگ زندگی کی بازی ہار گئے؟ کیا قُربانیاں اس لیے دی گئی تھیں؟

یہ وہ سوال ہیں جو ہر پاکستانی سے بنتے ہیں۔ حکمرانوں سے گلے کرنا آسان ہے۔ خود سے پوچھا کبھی؟ تمہارا کیا رول تھا؟ تم نے کیا کیا؟

بُرائی کے پہاڑ بلند ہو گئے۔ ظلم وستم کی انتہا ہو گئی اور ہم اپنے ڈرائنگ رومز میں اے سی کی ٹھنڈک میں بیٹھ کر انڈین گانے سُنتے رہ گئے۔

کسی کمرے کا دروازہ نہیں تھا۔ سومرو کی آنکھیں جو کچھ دیکھ رہی تھیں۔ اُسکا جی چاہ رہا تھا۔ اپنی آنکھوں میں جلتا ہوا۔ سریہ مار کر آنکھیں پھوڑ دے۔

وہ جن کی زندگی ابھی شروع ہی نہ ہوئی تھی۔ جنہوں نے سالوں بعد جا کر زندگی کا مفہوم جاننا تھا۔ اپنی غُربت اور بے بسی کی بھینٹ چڑھ کر آنکھوں کی چمک کھو چکے تھے۔ اُنکے چہروں پر معصومیت کی بجائے کرختگی نظر آ رہی تھی۔ جو کسی اسی نوے سال کے بزرگ کی چہرے پر بھی نظر نہیں آئے گی۔ کیونکہ اُنہوں نے وہ کچھ نہیں دیکھا تھا۔ جو یہ آج کے بچے سہہ کر بڑے ہو رہے تھے۔

"اگر کتا بھی بھوکا مر گیا تو عمر اپنے رب کو کل کیا جواب دیگا۔"

اُسی عمرِ فاروق کے ماننے والے کل عمر کو کیا جواب دیں گے؟

ہمارے سامنے کلمے کی بے حُرمتی ہوتی رہی اور ہم نے کچھ بھی نہ کیا۔

سومرو نے خود سے سوال کیا۔

"کیا یہ پاکستان کی بے حُرمتی نہیں ہے؟ پاکستان کے بچے ہی محفوظ نہیں ہیں؟ جنہوں نے سائنس کی دنیا کو فتح کر کے خلاؤں کا سینہ چیر کر نئے جہان دریافت کرنے تھے۔ اُنکے ساتھ ہم نے کیا کیا ہے؟۔۔۔"

اپنے اندر اُٹھتے اُبال کو کنٹرول کرنا مشکل ہو گیا۔ اُسکا جی چاہا اپنا پسٹل نکال کر یہاں موجود ایک ایک نامرد کی کھوپڑی اُڑا دے۔

اُسکا دل خراب ہو رہا تھا۔ مگر یہ ممکن نہیں تھا۔ وہ اپنا کام مکمل کیے بغیر اپنا بھیس کھول دیتا۔

رزاق نے ایک بدبودار کمرے میں ایک کُرسی پیش کی۔ جس پر بیٹھنے کے بعد ایک گندے سے گلاس میں جو مشروب دیا گیا۔ وہ بلاشبہ شراب تھی۔

اُس نے سونگھے بغیر دو تین گھونٹ میں وہ زہر اپنے اندر اُتار۔

آنکھوں کی لالی بڑھتی جا رہی تھی۔

"قریشی مجھے مال دیکھاؤ۔۔۔منہ مانگی قیمت دونگا۔"

قریشی اُسکی بے صبری پر دل کھول کر مسکرایا۔

"تم بہت دور سے آئے ہو۔اسلیے تحفہ بھی خاص ہی لیکر جاؤ گے۔"

اُس کے اشارے پر دروازے کے پاس کھڑے لڑکے نے تین لڑکوں کو اندر بھیجا۔

سومرو نے اپنے ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے۔بڑے غور سے ایک ایک کو دیکھا۔

رزاق نے لڑکوں کو ڈانٹ کر حکم دیا۔چلو ذرا گھوم کر دیکھاؤ۔اور جو اگلا حکم دیا۔سرمرو نے اپنی مردانگی پر تف بھیجا کہ ابھی اسی وقت قریشی کا گلا کیوں نہیں کاٹا۔"

"مجھے تینوں ہی منظور ہیں۔پر اگلی دفعہ کے لیے میری فرمائش ہے۔مجھے اس سے بھی چھوٹی عمر چاہیے۔"

"بتاؤ کتنے میں دیتے ہو؟اور انکو ساتھ لیجانے میں کوئی خطرہ تو نہیں ہے؟۔۔۔"

"پنجاب کے اندر تو اپنے تعلقات کی بنا پر میں تمہیں خطرے سے بچا لونگا۔اُسکے آگے تمہاری اپنی ذمہ داری ہوگی۔"

"بس پنجاب تک سنبھال لو سندھ کی پولیس اپنی ہی ہے۔دے دلا کر جانے دیگی۔تم اپنا دام بتاؤ۔"

"ایک لڑکے کا پچاس ہزار لونگا۔"

"یہ تو بہت زیادہ ہے۔نہ دینے والی بات کر رہے ہو۔"

"اس سے کہیں سے مل جائیں تو مجھے بھی لا دینا۔"

"کیا بات کر رہے ہو۔باہر نکل کر اس ہوٹل کے کسی بھی آدمی سے پوچھ لو۔پانچ دس ہزار سے زیادہ کسی نے نہیں دیا ہوگا۔"

"دیکھو سومرو تم اتنی دور سے آئے ہو۔اپنے سندھی بھائی ہو۔تمہاری خاطر تیں کر لیتا ہوں۔اس سے ایک روپیہ نہیں کم کرونگا۔"

"چل تُو خوش ہو جا۔"

سومرو نے جیب سے نوے ہزار روپیہ نکال کر قریشی کے ہاتھ میں دیا۔اور لڑکوں کو لیکر وہاں سے نکل آیا۔

وہ تینوں بچے ٹرک کی اگلی سیٹ پر ڈرائیور کے برابر پورے آ گئے تھے۔

جوں ہی اُس نے ٹرک وہاں سے نکال کر سڑک پر ڈالا۔ چہرے پر سجی مصنوعی مُسکراہٹ غائب ہوگئی۔ صرف اس خیال سے کہ کہیں کوئی اُسکا پیچھا نہ کر رہا ہو۔ اُس نے ٹرک کو موٹروے پر ڈالا۔ جب شہر بہت دور رہ گیا۔ اُس نے کالا شاہ کاکو کے قریب موٹروے چھوڑ کر ٹرک سائیڈ پر اُتارا۔ وہاں پر گاڑی انتظار میں کھڑی تھی۔ جس میں سب سے پہلے برآمد ہونے والا آدمی سومرو اچل تھا۔ ٹرک کا اصل مالک۔۔۔ نقلی سومرو نے اُسکے ساتھ ہاتھ ملایا۔ اور تینوں بچوں کو گاڑی کی پچھلی سیٹ پر بیٹھا کر خود ڈرائیونگ سیٹ پر موجود منیر کے برابر آ بیٹھا۔

گاڑی واپس لاہور کو چل پڑی۔

اُس نے اپنے سر پہ رکھی پگڑی اُتار کر گود میں رکھتے ہوئے اپنے سر پر ہاتھ پھیرا۔

''میں جس کی تلاش میں گیا تھا۔ وہ وہاں بھی نہیں ملا ہے۔ مگر یہ جو مل گئے ہیں۔ انکو سنبھالنا مشکل ہوگا۔''

''آپ کہیں تو ڈاکٹر ایمن صالحہ کے کلینک لے چلوں؟''

اُسکے دھیرے سے بولنے پر منیر نے بھی دھیمی آواز رکھتے ہوئے سوال کیا۔ جس پر منگو نے اپنا سر ہلانے پر اکتفا کیا۔ وہ اس وقت کچھ بھی کہنے سوچنے کی پوزیشن میں نہیں تھا۔ گاڑی میں گمبھیر خاموشی کا راج تھا۔

☆......☆......☆

''بھئی کیا ہی چاہت کرنے والے لوگ ہیں۔ سچی مزا آ گیا ہے۔ ایک پل کو مجھے یہ لوگ غیر نہیں لگے۔ بڑے اپنے لگے۔''

اماں وڈی کہ بات پر شمیم نے آنکھیں گھمائیں۔ اور بولیں

''دوغلے لوگوں کی یہی نشانی ہے۔ خوب چاپلوسی کر کے اگلے کو شیشے میں اُتارتے ہیں۔ یہی لڑکی کی ماں نے آپ کے ساتھ کیا ہے۔''

''آئے ہائے بہو۔۔۔ بھلا تمہاری بات کا مطلب کیا ہے؟''

''مطلب یہ ہے۔ مجھے یہ رشتہ پسند نہیں آیا ہے۔ اور آپ اُس لڑکی کو اور اُسکے بھانجے بھتیجوں کو آخر کتنے پیسے کیوں دے آئی ہیں؟ مانتی ہوں۔ آپ خود مختار ہیں۔ اپنے بنک بیلنس میں سے یوں آزادانہ ہو کر رقمیں بانٹتیں

ہیں۔ پر معاف کیجئے گا۔ آج آپ کو یوں حاتم طائی نہیں بننا چاہیے تھا۔"

"مجھے اپنی ہونے والی بہو دل و جان سے پسند آئی ہے۔ تو کیوں اُسکو کوئی شگن نہ دیتی؟۔ اتنی پیاری ہے تاشفہ تم نے اُس کے دانت دیکھے ہیں۔ ایسے پیارے ایک لائن میں جیسے موتی پروئے گئے ہوں۔"

"ہاں جی بہت پیاری ہیں۔"

تاشفہ نے فٹ کہا جس پر شمیم مزید تپ گئیں۔

"تم نے تو اُسکو دیکھا بھی نہیں پھر کیا اُسکی خوبصورتی کا الہام ہوا ہے؟۔"

تاشفہ نے گڑبڑا کر صفائی دینی چاہی۔ کیونکہ اُسے یاد آیا واقعی لڑکی کو تو دیکھا ہی نہیں۔ مگر اُس سے پہلے ہی فربود بول اُٹھا۔

"امی مجھ سے بھی تو پوچھیں۔ لڑکی کے بالوں کے دو شیڈز تھے۔ گہرا براؤن اُس میں کہیں کہیں بلونڈ لٹیں۔ اُس نے میک اپ بہت زیادہ کیا ہوا تھا۔ ہیل کم از کم پانچ انچ تو تھی۔ اُسکے دائیں ہاتھ کے ناخن نقلی تھے۔ مگر بائیں ہاتھ والے حقیقی تھے۔"

وہ ابھی اور تفصیل بتانے کے موڈ میں لگ رہا تھا۔ جب شمیم نے درمیان میں ٹوک دیا۔

"کیا تم اتنے غور سے اُسکا جائزہ لیتے رہے ہو؟۔"

"میرے خیال میں آپ مجھے اسی لیے ساتھ لیکر لائی تھیں۔ میں لڑکی کو دیکھ لوں۔ بات چیت کرلوں۔ مجھے لڑکی بڑی پسند آئی ہے۔ میری پسند کے عین مطابق ہے۔ اُس نے اُدھر ہی باتوں کے دوران مجھے فیس بک پہ ایڈ کرلیا ہے۔ سٹیٹس بھی آگیا تھا۔ اینگیجڈ وید فربود علی۔۔۔"

فربود نے ڈیش بورڈ پر رکھا اپنا فون اُٹھا کر ایک ہاتھ سے سکرین روشن کی اور ماں کے سامنے کیا۔۔۔

"یہ دیکھیں اُس نے میری اور اپنی تصویر لگائی ہے۔ کتنے ڈھیر سارے کمنٹس آئے ہیں۔"

شمیم بیچاری ہکا بکا ہو کر اپنے جگر کے ٹکڑے کی باتیں سُن رہی تھیں۔ مزید کمی نوازش علی نے پوری کی۔

"مجھے اپنی سمدھن کی ایک بات بہت اچھی لگی ہے۔ وہ وقت ضائع کرنے والوں میں سے بالکل نہیں ہیں۔ کہہ رہی تھیں۔ آج اگر بچوں نے ایک دوسرے کو پسند کرلیا تو اگلے ہفتے منگنی رکھ دیں گے۔"

شمیم جو دو دن پہلے انہی باتوں کو اہم اور الگ جان کر بڑی روشن خیالی کا مظاہرہ کر رہی تھیں۔اس وقت وہی باتیں اُنکو زہر لگ رہی تھیں۔کیونکہ ساس کو لڑکی پسند آئی تھی۔شمیم نے بیٹے کی شادی کے لیے اُس لڑکی کو پاس کرنا تھا۔جو دوسروں کی ناپسندیدہ ٹھہرتی۔اور ڈاکٹر فلک سب کو پسند آ گئی تھی۔اس صورت میں اُسکا پتا کٹ چکا تھا۔

''لو جی اتنی ہی ہمیں آگ لگی ہوئی ہے ناں کہ اب ہتھیلی پر سرسوں جمانے بیٹھ جائیں۔مجھے تو لڑکی بالکل پسند نہیں آئی۔اتنی بے باکی کے ساتھ اپنے ماں باپ کے سامنے ہی فربود کے ساتھ ہنس ہنس کر باتیں کر رہی تھی۔کوئی شرم حیا ہوتی ہے۔لڑکے کے گھر والے بھی موجود ہیں۔پر اُسکو تو بس لڑکا ہی نظر آیا۔ابھی رشتہ بھی نہیں ہوا تو یہ حال ہے۔جب ایک دفعہ شادی ہو گئی۔ہمیں تو کوئی پوچھنے والا نہیں ہو گا۔اور ہمارا لڑکا تو پہلے سے ہی ماشااللہ ہے۔''

''میری شامت کیوں بلا رہی ہیں۔میں تو بس اخلاق نبھا رہا تھا۔کیونکہ مجھے آپ کے چہرے نے بڑی پہلے ہی بتا دیا تھا۔ادھر نہ ہی ہونی ہے۔اسلئے سوچا پھر کونسا کبھی زندگی میں ان لوگوں سے سامنا ہونا ہے۔پہلی اور آخری یاد اچھی چھوڑنی چاہیے۔کیوں دادی؟۔۔۔''

اماں وڈی دھیرے سے مسکرا کر بولیں۔

''تم سے ذرا صبر نہیں ہوا۔فوراً سے بات کھول دی ہے۔ابھی دو چار دن میں نے تمہاری ماں کو تنگ کرنا تھا۔مگر اب بتانا ہی پڑے گا میں اُن کے بچوں کو پیسے اُس خرچے کے دیکر آئی ہوں۔جو انہوں نے ہمارے کھانے پینے پر کیا۔بہو نے تو اُدھر ہی منہ اتنا پُھلا لیا تھا۔جیسے وہ بیچارے بندوق کے زور پر اسکو اپنے گھر لائے ہیں۔''

''بس اماں میں تو ایسی ہی ہوں۔مجھ سے دوغلا پن نہیں رکھا جاتا۔جو دل میں ہو وہی منہ پر نظر آتا ہے۔ورنہ کئی لوگ تو اتنے گھنے ہوتے ہیں۔گھاٹ گھاٹ کا پانی پینے کے بعد بھی چہرے پر معصومیت سجا کر ہمدردیاں سمیٹتے ہیں۔''

تاشفہ کے گال دہکنے لگے۔اُسکو لگا یہ بات براہِ راست اُسکو لگائی گئی تھی۔کچھ اپنے ساتھ ہونے والے اُس انوکھے اور عجیب واقعے کا اثر تھا۔وہ خوامخواہ شرمندہ سی ہو گئی۔چہرہ پوری طرح کھڑکی کی جانب موڑ لیا۔

پچھلا سفر تو کافی تیزی کے ساتھ گزرا مگر جیسے ہی بچھر والی نہر پر آئے شدید قسم کے ٹریفک جام کا سامنا کرنا پڑا۔ پیچھے سے بھی مسلسل گاڑیاں آئے جا رہی تھیں۔ آگے بے ہنگم قسم کی قطاریں تھیں۔ بڑی چھوٹی ہر قسم کی گاڑیاں' موٹر سائیکل' کوچ' بسیں' اور تو اور چاند گاڑیوں کی بھرمار تھی۔ جسے دیکھو اوپر چڑھے آ رہا تھا۔ جیسے یہ سب جوکھڑے ہیں۔ بالکل پاگل ہیں۔ اور پیچھے سے آنے والا گاڑی کو پر لگا کر سب کے سروں کے اوپر سے اُڑا کرلے جائے گا۔

آدھا گھنٹہ انتظار کرنے کے بعد فربود کی ہمت جواب دے گئی۔

"میں میوزک لگا دیتا ہوں۔ اے سی بھی آن ہے۔ آپ لوگ نیند پوری کرلیں۔ میں آگے جا کر دیکھتا ہوں۔ آخر مسلہ کیا ہے۔"

"چپ کر کے گاڑی میں بیٹھے رہو۔ ایک تو ہر جگہ تمہیں ہیرو بننے کا شوق چڑھ جاتا ہے۔ فربود تم عام لڑکوں کی طرح اپنے حال میں مست کیوں نہیں رہتے ہو۔ سب کی تانک جھانک ضرور کرنی ہوتی ہے۔"

"امی کوئی انسان آخر کتنی دیر تک کر ایک جگہ بیٹھ سکتا ہے۔ وہ بھی بغیر کسی مقصد کے۔ انتہائی بور کام ہے۔ آپ کیوں یہ خواہش رکھتی ہیں۔ آپ کے بیٹے میں زنانہ عادتیں آئیں۔؟"

اُس کے جواب نے نوازش علی کو ہنسنے پر مجبور کر دیا تھا۔ دل میں اُنہوں نے فربود کی بات کو بڑا انجوائے کیا تھا۔ اگر شمیم ایک بہت زیادہ محتاط قسم کی ماں تھیں۔ تو بیٹا بھی بے ادبی کے دائرے میں گئے بغیر ماں کے ہر اعتراض کا جوڑ نکال لیتا تھا۔

گاڑی میں سٹیریو کا پلے بٹن دبانے کے بعد خود گاڑی سے نکل گیا۔

نوازش علی کی نظریں اُسکا پیچھا کر رہی تھیں۔ جو انسانوں کے ہجوم میں بھی نمایاں نظر آتا تھا۔

گاڑی میں نصیبو لال کا ری مکس بج رہا تھا۔

"تُو جو میرے ہمیشہ کول رویں۔۔۔

تے میں دنیا نُوں کہہ دواں پرے پرے

دل دے کے دنیا تو کون ڈرے۔۔۔

حیرت انگریز بات جو تاشفہ کو لگی وہ یہ کہ صرف ایک سپیکر سے آواز آرہی تھی۔اور وہ سپیکر تاشفہ کے سر کے پیچھے تھا۔نصیبو کا ساتھ دینے والا سنگر کہہ رہا تھا۔

''سوہنیے میں کی کراں دل تے وس نہ چلدا میرا
میں رہواں تیرے کول ہر پل جی کردا میرا
میں تا تیرے پیچھے دنیا لُٹائی اے
اے جاندی میری خدائی اے۔

جب ایک دفعہ ختم ہونے کے بعد ری پلے میں پھر وہی نمبر چل گیا۔تب تاشفہ کو یقین سا ہو گیا۔یہ گانا خاص اُسکو سُنانے کے لیے لگایا گیا تھا۔

''پیار میری زندگی اے
ہور میرے کول کی اے
دس میتوں میں کی کرا
کول تیرے آگئی آں
لکیاں نبھا گئی آں
مرجاں گی تیرے بنا۔۔۔

تیسری دفعہ اگر یہی گانا لگتا تو تاشفہ کی برداشت جواب دے چکی تھی۔عین ممکن تھا وہ گاڑی سے نکل جاتی۔ مگر خیر ہوئی اگلا''کوک سٹوڈیو میں نوری بینڈ کا ہوروئی نیواں ہو''تھا۔

پورے ایک گھنٹے بعد جب لوگوں کا گرمی سے کافی عرق نکل چکا تھا۔ٹریفک میں تھوڑی بہت ہل جُل ہونے لگی تھی۔تب ہی وہ واپس آتا دیکھائی دیا۔

قمیض کے دامن پر لگا خون دیکھ کر شمیم آپے سے باہر ہو گئیں۔

''دیکھا اسی لیے میرا دل ڈرتا ہے۔نہ جانے کیا کر کے آرہا ہے۔آپ باہر نکل کر پتا تو کریں۔کہیں کسی سے اُلجھ تو نہیں پڑا۔''

''اُس کے چہرے پر سکون ہے۔ جسکا مطلب ہے۔لڑائی والا کوئی سین نہیں ہے۔ باقی اب وہ آ گیا ہے۔ پوچھ لینا۔'' نوازش نے ہاتھ بڑھا کر پہلے سے کم سٹیریو کی آواز مزید کم کر دی۔

وہ دروازہ کھول کر اندر بیٹھا۔ ڈیش بورڈ سے ٹشو نکال کر اپنے ہاتھ صاف کرتے ہوئے ماں کو تسلی دینے لگا۔

''میں جانتا ہوں۔ آپ لوگ خون دیکھ کر پریشان ہو گئے ہیں۔ مگر مجھے کچھ نہیں ہوا۔ نہ ہی میں نے کوئی پنگا کیا ہے۔ آگے روڈ پر بہت بُرا ایکسیڈنٹ ہوا ہے۔ کسی آدمی کو دو موٹر سائیکل سوار گولی مار گئے ہیں۔ دو دوست تھے۔ ایک تو موقع پر جاں بحق ہو گیا ہے۔ دوسرے کو تڑپتا چھوڑ کر لوگ کھڑے تماشہ دیکھ رہے تھے۔ ٹریفک بھی اُسی وجہ سے رُکی ہوئی تھی۔''

''تمہارے کپڑے کیسے رنگے گئے؟''

اماں وڈی کی آواز میں حیرت تھی۔ جس پر وہ اطمینان سے بولا۔۔۔

زخمی کو ہسپتال روانہ کر کے آیا ہوں۔''

گاڑی کی اندر والی لائٹ آن کر کے وہ ہاتھ صاف تو کر رہا تھا مگر خون گیا نہیں۔ راستہ کھلتا دیکھ کر پیچھے لوگ ہارن پہ ہارن مارے جا رہے تھے۔

نوازش علی اپنی سیٹ سے نکل آئے۔

''تم میری جگہ بیٹھو میں گاڑی چلاتا ہوں۔''

وہ چُپ چاپ دوسری سیٹ پہ ہو گیا۔

جس وقت وہ لوگ پُل کے عین قریب سے گزر رہے تھے۔ چوک میں پولیس ہی پولیس تھی۔ عام عوام کا بھی رش تھا۔ تاشفہ نے زور سے اماں وڈی کا ہاتھ تھام لیا۔ جس پر وہ ڈانٹتے ہوئے بولیں۔

''لے جھلی نہ ہو تو۔ میرے ساتھ ایسے چمٹ رہی ہے۔ جیسے باہر بلائیں نظر آ گئی ہوں۔''

اماں کس کی بات کر رہی ہیں۔ کیا فربود کی ماں ڈر رہی ہے؟۔۔''

نوازش علی نے مذاق سے پوچھا جس پر اماں وڈی مسکراتے ہوئے بولیں۔

''فربود کی ماں بہت بڑے جگرے والی ہے۔ وہ ڈرتی نہیں ڈراتی ہے۔ میں تو اس تاشفہ کی بات کر رہی

ہوں۔ جو ایسے کانپ رہی ہے۔ جیسے موت کا فرشتہ نظر آ گیا ہو۔"
شمیم کی توجہ گاڑی سے باہر تھی۔
"فربود اتنی ساری پولیس موجود ہے۔ اُن میں سے کسی کے لباس پر خون کا ایک چھینٹا نہیں ہے۔ تمہارے ہاتھ بھی بھرے ہوئے ہیں۔"
"ماں بے حسی کی انتہا ہے اور کیا۔ ایک آدمی مرا پڑا ہے۔ دوسرا ایڑھیاں رگڑ رہا ہے۔ پولیس چوکی بھی یہاں قریب ہی ہے۔ واقعے کے دس منٹ کے اندر اندر پولیس ادھر تھی۔ مگر کسی کی بھی اُن دو متاثرہ لوگوں کے قریب آنے کی جرات نہیں پڑی کیونکہ جس آدمی نے یہ حملہ کروایا ہے۔ وہ یہاں قریب ہی جنڈیالہ باغ والا کا بہت بڑا بد معاش ہے۔ وہ بندہ مارنے کے بعد پورے پندرہ منٹ ادھر کھڑا رہا ہے۔ وہ پولیس سے نہیں ڈرتا بلکہ پولیس اُس سے ڈرتی ہے۔ آج تک نہ جانے کتنی قتل کی وارداتوں میں اندر جا چکا ہے۔ مگر اُسکے کیس میں گواہی دینے کوئی نہیں جاتا۔ اگر کوئی غلطی سے چلا جائے تو یہ اُسکو اسی طرح سرِ عام گولی مرواتا ہے۔ یہی وجہ ہے آج تک اُسکو کسی کیس میں سزا نہیں ہوئی۔ وہ کبھی جیل نہیں گیا ہے۔ اب بھی پولیس والے آگے نہیں آئے۔ وہ تو کسی نے اوپر سے فون کروایا ہے۔ جسکی وجہ سے پولیس والوں نے مجھے زخمی کو اُٹھا کر ایمبولینس ڈالنے پر منع نہیں کیا ہے۔ ورنہ شائد ہم ساری رات یہیں گھرے رہتے۔"
"جب حکام آگے نہیں آئے تو آپ کو اتنے لوگوں کے اُلٹ جا کر اُس آدمی کی مدد نہیں کرنی چاہیے تھی۔ اب اگر قاتل کو یہ بات بُری لگی اور وہ آپ کے پیچھے لگ گیا تو پھر۔۔۔؟"
فربود کو ہی کیا خود اماں وڈی کو یقین نہ آیا کیا واقعی یہ سوال تاشفہ نے کیا ہے۔
وہ لوگ اب سیالکوٹ بائی پاس کے قریب پہنچ رہے تھے۔
فربود نے مُڑ کر دیکھا مگر اندھیرے میں وہ نظر نہیں آئی۔
"کزن صاحبہ آپ کہنا چاہ رہی ہیں۔ قاتل کے ڈر سے مجھے بھی وہاں پر کھڑے ہو کر ایک انسان کو موت کے منہ میں جاتے ہوئے دیکھنا چاہیے تھا۔ یا کم از کم اپنے فون پر وڈیو بناتا؟ الحمدُ اللہ میں بے غیرت نہیں ہوں۔ اگر وہ قاتل میرے پیچھے آنا چاہتا ہے۔ تو میں کل واپس اسی جگہ آ کر اُسکو دعوت نامہ دیکر جاؤنگا۔ وہ بھی میری اور

آپکی طرح گوشت پوست کا انسان ہی ہے۔کوئی سُپر ہیومن تو نہیں ہے۔جیسے دوسروں کے جسم کو گولیوں سے چھلنی کیا ہے۔کل کو کوئی مائی کا لال اسکا بھی کام کر دے گا۔یہ تو نہیں ہے کہ گولی اسکے جسم میں جانے سے انکار کر دے گی۔باقی رہنے والی فقط ایک اللہ کی ذات ہے۔انسان فانی۔۔۔"

"فربود میرے چاند چپ کر جاؤ تمہاری باتیں میری جان لیتی ہیں۔تمہیں اگر کبھی ہوا بھی سختی سے چھو کر گزر جائے میرا دل بیٹھنے لگتا ہے۔میرے سامنے ایسی باتیں نہ کیا کرو۔"

"امی میں صرف بات کر رہا ہوں۔بدن پہ بارود باندھ کر ٹینک کے نیچے نہیں لیٹ گیا ہوں۔"

"آپ اسکو چپ کروا رہے ہیں۔یا میرا ہارٹ فیل ہونے کا انتظار ہے۔"

"شمیم نواز ش علی سے مخاطب ہوئیں۔جنہوں نے اُسی فربود کے کندھے پر ایک دھپ رسید کی۔

"سیدھے ہو کر بیٹھو بدتمیز انسان پہلے لڑکی کے ساتھ علیک سلیک بنا کر ماں کا دل جلایا اب ایسی اوٹ پٹانگ گفتگو کر کے اُس کو نئے سرے سے پریشان کر رہے ہو۔سُدھر جاؤ ورنہ اپنی گاڑی سے اُتار دوں گا۔"

"سچائی کا تو کوئی خریدار ہی نہیں ہے۔"

"او پائی تو اپنی سچائی اپنے کول رکھ۔سانوں نہیں چاہی دی۔"

وہ مسکراتا ہوا سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔

"ابھی تو گھر پہنچنے پر پنڈورا باکس ایک دفعہ پھر کُھلنا ہے۔عاشی نے تو کل رات ہی مجھے کہہ دیا تھا۔میرے بغیر لڑکی دیکھنے جا رہے ہو۔دیکھ لینا نہ ہی ہونی ہے۔وہی ہوا۔"

اماں وڈی کے یاد کروانے پر سب ہی ہنسنے لگے۔

گھر آ کر ہوا بھی یہی سبھی اُنکے انتظار میں بیٹھے ہوئے تھے۔گڈ نیوز سُننے کو بے تاب مگر جب ادھر سے مرضی کا جواب نہ ملا تو ساری نوجوان پارٹی نے واسع اور حرا کی شادی کا شوشا چھوڑ دیا۔

"وڈی اماں آج اور ابھی ڈیٹ فائینل کریں۔صبح بڑی باجی بھی آ جائینگی۔بچوں کو کالج وغیرہ سے چھٹیاں ہیں۔سب آرام سے سارے فنکشن دیکھ سکیں گے۔"

☆......☆......☆

زاق قریشی بڑے زبردست موڈ میں گھر واپس آیا تھا۔ اُسکے بچے اور بیوی چھٹیاں منانے نانی کے گھر گئے ہوئے تھے۔ کھانا وہ آج بھی باہر سے کھا کر آیا تھا۔

باہر کا دروازہ لاک کر کے بڑی مستی میں گنگناتا ہوا اندر کی جانب آیا۔ مگر وہاں نیم تاریکی میں موجود سائے کو دیکھ کر قدم وہیں جکڑے گئے۔ پہلا شک یہی گزرا کوئی ناری مخلوق ہوگی۔ سانس روکے آنکھیں پھاڑ کر سائے کو گھورتا رہا۔

دل کی دھڑکن تیز ہوگئی۔ انسان کی اوقات یہی ہے۔ اُسکی کہانی بھی بڑی مختصر ہے۔ رزاق نے ہمت کر کے قدم آگے بڑھائے ساتھ ساتھ اُس سائے پہ بھی نظر رہی۔ بتی جلتے ہی اُس نے سکھ کا سانس لیا۔ اب فرش پر کوئی سایہ نہیں تھا۔ نظر کھڑکی کی طرف اُٹھی وہ اپنی جگہ اُچھل گیا۔

کھڑکی میں بیٹھا آدمی کوئی اور نہیں سومرو تھا۔ جو آج ہی رزاق سے بچے خرید کر گیا تھا۔ ابھی تو چند گھنٹے پہلے کی بات تھی۔ رزاق نے بڑی دور تک ٹول ٹیکس پہ لگے اپنے واقف کاروں سے تسلی لی تھی۔ سومرو کا ٹرک باحفاظت سندھ کی جانب نکل گیا تھا۔ پھر یہ یہاں کیسے تھا۔

رزاق کا ہاتھ اپنے قمیض کے ڈب میں رکھے پسٹل کی جانب گیا۔ یہ جانے بغیر کہ بظاہر لاپرواہی سے بیٹھ کر سگریٹ پیتے آدمی نے ترچھی نظر سے اُسکی اس کاروائی کو دیکھ کر آنکھیں گھمائی تھیں۔

رزاق نے اُس پر پسٹل تانا۔ جو کش پہ کش لیتے ہوئے دھوئیں میں گھرا کھڑکی سے باہر دیکھ رہا تھا۔

"ان کانپتے ہاتھوں میں بارود نہیں پانی والی بندوق تھاموں رزاق قصائی۔ اور اُس میں سے چلو بھر پانی میں ڈوب کر مر جاؤ۔"

"تم کون ہو؟۔۔۔"

وہ سگریٹ کا ٹکڑا جالی سے باہر پھینک کر رزاق کی جانب مُڑا۔

"سیدھا سا جواب دوں یا گھما پھرا کر۔۔۔"

رزاق کو خطرے کی بو آگئی تھی۔ اور یہ احساس بڑی شدت سے رگوں میں بیٹھ گیا وہ اُلو بن گیا ہے۔ یقیناً سومرو بن کر آنے والا آدمی ایک فراڈ تھا۔ وہ تھوڑا آگے بڑھا تو رزاق نے پسٹل پر اپنی گرفت مزید مضبوط کر لی۔

”آگے مت آنا ورنہ گولی چلا دونگا۔“

اس بات پر سامنے والے نے پہلے تو بڑی کھینچی سی مُسکراہٹ پھینکی تھی۔ پھر نظریں انتہائی سرد ہوگئیں۔

”انتظار کس بات کا ہے۔ تیرے سامنے کھڑا ہوں۔ سورے اگر اپنے باپ کا خون ہے تو چلا گولی۔“

رزاق کا چہرہ اس بات پر سُرخ ہوگیا۔ سیفٹی کیچ ہٹا کر رزاق نے نشانہ لیا۔

منگو چیتے کی طرح اُس کے سامنے آیا تھا۔ کمرے میں فائر کی بجائے تھپڑ کی آواز گونجی تھی۔ رزاق کے ہاتھ سے پسٹل چھوٹ کر کمرے کے دوسرے کونے میں گرا۔ اور وہ شاک کے عالم میں گال پر ہاتھ رکھ کر اُسکو دیکھ رہا تھا۔ جو متوازی چال چلتا ہوا۔ پسٹل تک گیا۔ نیچے جھک کر ہتھیار کو گرفت میں لیکر اُسکا سیفٹی کیچ دوبارہ لگایا۔ میگزین نکال کر دونوں چیزوں کو کمرے میں موجود میز پر رکھ دیا۔

”رزاق صاحب بیٹھ جایئے۔ کیونکہ جتنا لمبا تیرے کارناموں کا ریکارڈ ہے۔ آج کی رات ہم دونوں کے دُکھ سُکھ میں گُورے گی۔ چل شاباش شروع ہوجا۔۔۔ رزاق نے گال سے ہاتھ ہٹایا تو چہرے پر چار اُنگلیاں چھپی ہوئی تھیں۔

رزاق ٹرانس میں آگے بڑھ کر بیڈ کی پائینتی پر بیٹھ گیا۔

منگو اُسکے عین سامنے کھڑا ہوگیا۔

”بول اب تک کتنی بے قصور جانوں کا سودہ کر چُکا ہے؟۔“

”مں صرف وہی مال بیچا ہے۔ جو آج تم نے خریدا ہے۔“

ایک اُلٹے ہاتھ کا لپڑ رزاق کے چودہ طبق روشن کر گیا۔

”چلو میں اپنا سوال بدلتا ہوں۔ بچے کہاں سے لاتے ہو؟۔“

”میں نہیں جانتا تم کیا پوچھ رہے ہو۔“

”تیرے بچوں کے باپ کا نام نہیں پوچھ رہا ہوں۔ جو تم لاعلمی کا ڈرامہ کرو۔ مجھے ابھی کے ابھی ساری تفصیل کھول کر نہ بتائی تو مجبوراً مقرر وقت سے پہلے تم پر گولی ضائع کرنی پڑے گی۔“

ساتھ ہی اُس نے اپنا گالک نکال کر ہاتھ میں پکڑا جس کی نالی پر سائلنسر لگا ہوا تھا۔

''تم اگر مجھے نقصان پہنچانے کی کوشش بھی کرو گے۔ تو میرے لوگ تمہیں ڈھونڈ کر تمہارا بُرا حشر کریں گے۔ اس لیے مجھ پر سوچ سمجھ کر گولی چلانا۔''

منگو کی سرد نگاہیں مزید بے رحم ہو گئیں۔۔۔ کمرے میں کلک کی آواز اُئی اُس کے بعد رزاق کی بلند ہوتی چیخیں رہ گئیں۔ جب تک رزاق اپنا پیر پکڑے بُری طرح کانپتا روتا رہا۔ منگو نے ایک اور سگریٹ سُلگھایا اور کھڑکی کے پاس کھڑے ہو کر پینے لگا۔ ابھی آدھا ہی ہوا تھا۔ جب باہر پھینک کر ایک دفعہ پھر رزاق کے پاس آیا۔ جو فرش پہ بے حال سا پڑا تھا۔ اُسکا پاؤں ابھی تک بند جوتے میں قید تھا۔ جس میں سے لہو بہہ بہہ کر سارا فرش لال کر چکا تھا۔

''اب چاہو تو اپنے بندوں کو فون کر کے میرے بارے میں بتا سکتے ہو۔ میں ابھی اگلے دس پندرہ منٹ یہیں ہوں۔''

''پلیز ڈاکٹر کو فون کر دو۔ مجھے بڑی تکلیف ہو رہی ہے۔ میرا خون رُک نہیں رہا میں مر جاؤ نگا۔ خُدا کا واسطہ۔۔۔''

ابھی اُسکی بات منہ میں تھی۔ جب جبڑے پر لگنے والا مُکا سب بُھلا گیا۔

''خبردار جو تم نے مجھے خُدا کا واسطہ دیا۔ خبردار جو تیری ناپاک زُبان پر میرے رب کا نام بھی آیا تو۔ زبان گدی سے کھینچ لونگا۔''

''بتا مجھے۔۔۔ آج تک کتنی ماؤں کی گود اُجاڑ چکا ہے؟۔۔۔''

''مجھے یاد نہیں ہے۔ شائد پانچ سو یا چھ سو۔۔۔ بس جان لیا اب مجھے ڈاکٹر کے پاس لے چلو۔''

''اتنی جلدی کس بات کی ہے۔ جتنا خون نکلے گا بعد میں اُتنا ہی نیا بن جانا ہے۔ مگر جن ماؤں کے بچے تیرے ہاتھ لگے۔ وہ آج تک لاپتا ہیں۔ پہلے اُنکی بات مکمل ہو گی۔ بتا کہاں سے بچے حاصل کرتے ہو؟''

''کوئی ایک زریعہ نہیں ہے۔ ہمارے پاس بہت سے مختلف راستے ہیں۔ پر ہمارے اڈے پہ زیادہ تر وہ بچے آتے ہیں۔ جو بھیک مانگتے ہیں۔ یا گھروں سے بھاگے ہوتے ہیں۔ کُچھ دوسرے صوبوں اور شہروں سے اغوا کئے گئے ہوتے ہیں۔ پھر کُچھ بچے ایسے ہیں جو مدرسوں سے بھاگ آتے ہیں۔ کیونکہ اُدھر مولوی لوگ اُنکے

ساتھ یہی کچھ کرتے ہیں۔ اگر وہ گھر جاتے ہیں۔ ڈر کی وجہ سے ماں باپ کو بتا بھی نہیں پاتے کہ قاری کیا کیا سلوک کرتے ہیں۔ گھر والے اُنکا رونا پیٹنا سب نظر انداز کر کے انکو زبردستی مار پیٹ کر کے مدرسہ چھوڑ آتے ہیں۔ پھر وہ بچے موقع ملتے ہی وہاں سے بھاگ جاتے ہیں۔"

"ایک قصاب کو پیچھے چھوڑ کر بھاگتے ہیں۔ اور آگے تم جیسے ہزاروں کی تعداد میں منہ کھول دانت نکال کر اُنکی بوٹیاں نوچ کھانے کو تیار بیٹھے ہو۔"

"میں نے آج تک کسی بچے کا ہاتھ نہیں لگایا۔"

"اس سے کیا فرق پڑتا ہے؟۔ تم میرے معاشرے کا گند ہو گند جس کو جڑ سے اُکھاڑ پھینکنا پاکستانی کا فرض ہے۔"

"دیکھو تم نے سب جان لیا پوچھ لیا اب مجھے ڈاکٹر کے پاس لے چلو۔"

"کیا تم اُن بے زُبان انسان کے بچوں کے کام آئے؟۔۔۔"

"کیا تم نیا یک پل کو بھی سوچا اُن سینکڑوں بچوں میں سے ایک بچہ اگر تیرا سگھا بیٹا ہوتا تو اُس کے کتنے دام لیتا۔ اچھا چلو ایک ڈیل شام میں کی تھی ناں ایک ڈیل ابھی کرو۔ میں تمہیں تمہارے بیٹے کا ایک لاکھ دینے کو تیار ہوں۔ بیچتے ہو؟۔۔۔"

"میرے بچے لاوارث نہیں ہیں۔ جو تم اُنکا سودا کرو۔"

"اگر ابھی میں ایک گولی تیرے دل پہ ماردوں۔ تو تیرے بعد تیرے بچے بھی لاوارث ہو جائینگے۔ کیا پھر انکو خرید سکوں گا؟۔ لعنت ہے تیری سوچ پر بیغیرت۔ جو یتیم اور بے سہارا ہوں اُنکے لیے اللہ نے تیرے میرے جیسے لوگوں پر فرض کیا ہوا ہے۔ اُنکا خیال کریں۔ اُنکی کفالت کریں۔ اللہ نے تُجھے جنکی حفاظت پر معمور کیا تو گدھ بن کر اُنہی کو کھا گیا۔ تجھے ذرا شرمندگی بھی نہیں ہے۔ تو اس معاشرے کا فرد ہے۔ تونے معاشرے کو بُرائی کی آلودگی سے پاک کرنے کی بجائے بہت زیادہ گند پھیلا دیا ہے۔ جو راہ تو دوسروں کے بچوں کے لیے چُنتا آرہا ہے۔ وہی راہ کل کو تیرے بچے چُنیں گے۔ تب تجھے بڑی تکلیف ہوگی۔ اگر یہ گلیاں، بازار، محلے، اور شہر کسی غریب نادار کے لیے محفوظ نہ رہے تو یقین مان یہی منہ جنکو آج تم دوسروں کے بچے بیچتے ہو۔ کل کو تمہاری آنے

والی نسلوں کو بھی یہی نوچ نوچ کر کھائینگے۔"

"مجھ سے مزید برداشت نہیں ہو رہا۔۔۔ مجھے ڈاکٹر کے پاس لے چلو"

"ڈاکٹروں کے پاس تمہارے مرض کا علاج کہاں۔"

"کیا مطلب ہے؟۔"

"بات یہ ہے۔ تیرے ناپاک خون سے میں اپنے ہاتھ رنگنا نہیں چاہتا۔ تُجھے زندہ بھی نہیں چھوڑ سکتا۔ پھر اس صورت میں کیا کریں؟۔۔۔"

"تم مجھے کیوں مارنا چاہتے ہو۔ میں نے تمہارا کیا بگاڑا ہے۔"

"یہ تم جیسا بندہ ہی جرات کر سکتا تھا۔ اپنے تمام گناہوں کے بعد بھی پوچھ رہے ہو۔ تم نے کیا' کیا۔۔۔؟۔۔ انسانیت کے خون سے بڑھ کر بھی کوئی جُرم ہوگا۔"

بات کرتے ہوئے منگو نے اپنی جیب سے ایک کیس نکالا۔ جسے کھولا کر ایک بھری ہوئی سرنج برآمد کی بڑے ماہرانہ انداز میں سوئی کے اوپر سے کور ہٹایا۔ پیچھے سے زور ڈالا جس سے سرنج میں موجود محلول پریشر کے ساتھ نکلا۔ سیٹ کر کے اُس نے سرنج رزاق کے ہاتھ میں دی۔

"یہ اپنے ہاتھوں سے اپنے جسم میں اُتارو۔"

"یہ کیا ہے؟۔۔۔"

"تمہارا علاج۔۔۔ اس میں سو ملی لیٹر کیمیکل ہے۔ جو پہلے تو تمہارے دل کی دھڑکن خطرناک حد تک تیز کرے گا۔ پھر بڑی آہستگی کے ساتھ تمہارے دل کو ختم کرتا جائے گا۔ تمہارے گھر والے دو ہفتوں سے پہلے واپس نہیں آنے والے۔ گلی محلے والوں کے ساتھ تمہاری بات چیت نہ ہونے کے برابر ہے۔ لہٰذا کوئی بھی تمہاری غیر موجودگی کو محسوس کر کے بھاگتا ہوا تمہاری تلاش میں نہیں آنے والا۔ بڑے آرام سے یہاں اسی مقام پر لیٹ کر موت کا انتظار کرنا۔ پوسٹ مارٹم کی رپورٹ میں موت کی وجہ ہارٹ اٹیک شو ہونا۔ بھلا تمہاری کہاں کسی کے ساتھ کوئی دشمنی ہے۔ تم نے تو آج تک کسی کو کوئی گزند نہیں پہنچائی۔ تمہاری موت کے بعد لوگ اچھے نام سے ہی یاد کریں گے۔"

سرنج پکڑا ہاتھ بُری طرح سے کانپ رہا تھا۔ ہاتھ پر پہلے سے ہی خون کے دھبے موجود تھے۔ رزاق کا سارا جسم پسینے میں نہایا ہوا تھا۔ موت سامنے نظر آئی تو اُسکے آنسو نکل آئے۔

"مجھے معاف کر دو۔ میں یہ کام چھوڑ دونگا۔ آج کے بعد کسی کے بچے کو نہیں بیچونگا۔"

منگو کو باتوں میں لگا کر رزاق نے اپنی جانب سے چالاکی دیکھائی۔ سرنج کے ساتھ منگو پر اُچھل کر حملہ آور ہوا۔ مگر وہ آگے سے پوری طرح تیار تھا۔ اُس نے اُس کا وار اُسی پر پلٹتے ہوئے رزاق کا ہاتھ موڑ کر سرنج کا منہ دل کی جانب کیا اور ایک ہی جھٹکے میں سرنج اُس کے دل کے عین اُوپر پیوست کر دی۔

"میں مرنا نہیں چاہتا ہوں۔ مجھے چھوڑ کر مت جاؤ۔"

رزاق اونچی آواز میں فریاد کرتا رہ گیا۔ اُسکو اس دنیا سے ہمیشہ کے لیے غافل ہونے میں چھ سات منٹ لگ ہی جانے تھے۔

منگو نے خالی سرنج اُسکے جسم سے نکال کر ایک بیگ میں رکھنے کے بعد اپنی جیب میں ڈالی۔ رزاق کی جیب کی تلاشی لیکر فون نکال لیا۔ لینڈ لائن کا سیٹ بھی نکال کر ہاتھ میں پکڑ لیا۔ اُسکا پسٹل لوڈ کر کے فرش پہ اُسکے قریب رکھ دیا۔ رزاق اب واسطوں پہ اُتر آیا تھا۔ مگر اُسکی آواز کم ہوتی جا رہی تھی۔

سیڑھیوں کے ساتھ لگتی دیوار سے باہر کود کر اندھیرے کا حصہ بن گیا۔

ظلم کی ایک داستان اپنے انجام کو پہنچی۔



"حرا باجی کدھر ہو جلدی آؤ۔ اماں وڈی کی جانب سے تمہیں نمٹانے کی تیاریاں شروع کرنے کا حکم ہوا ہے۔"

حرا منہ صاف کرتی واش روم سے برآمد ہوئی۔ اور صائمہ کو گھورا۔

"صبح صبح کیا فضول گوئی کر رہی ہو؟۔۔۔"

"فضول گوئی نہیں جناب بڑی اہم اور اندر کی خبر لائی ہوں۔ وڈی اماں نے اُٹھتے ہی آج اپنے سارے بچوں کو میٹنگ روم میں طلب کیا۔ اور وہاں پر حکم صادر کیا ہے۔ اسی ماہ حرا اور فاطمہ کی شادی کر دی جائے گی۔"

حرا تولیہ سٹینڈ پر رکھتے ہوئے تعجب کا اظہار کرتے بولی۔

"یہ لو بیٹھے بیٹھائے میری شادی کا خیال کدھر سے آ گیا۔ ابھی کل فربود کے لیے لڑکی دیکھنے کے بعد رجیکٹ کر کے آئی ہیں۔ اور آج یہ شوشہ۔۔۔"

"فربود بھائی کے لیے دیکھی جانے والی لڑکی اماں وڈی نے نہیں رجیکٹ کی۔ بلکہ فربود بھائی کی والدہ ماجدہ کو اعزاز جاتا ہے۔ دیکھ لینا بیٹے کے لیے کوئی حور ہی بیاہ کر لائیں گی۔"

"ہاں جی وہ کچھ بھی کر سکتی ہیں۔"

حرا نے کہا ہی تھا۔ جب عائشہ اندر داخل ہوتے ہوئے بولی۔

"بھابھی تمہیں مبارک ہو۔ اللہ نے تمہاری سُن لی۔ تمہارے لمبے لمبے سجدے اور وظیفے رنگ لے آئے۔ آخر کار اتنے سالوں بعد گھر والوں کو تمہاری رُخصتی کا خیال آ ہی گیا۔"

"انسان کی شکل اچھی نہ ہو تو کم از بات ہی اچھی کر لے۔ کب تم نے مجھے رُخصتی کروانے کے شوق میں لمبے سجدے دیتے دیکھا ہے۔"

"ہائے اللہ روز تہجد کے وقت سجدے نہیں تو کیا مراقبہ کرتی ہیں۔"

"تم میرے ہاتھ لگو ذرا پھر میں تمہیں بتاتی ہوں۔ میری خالص عبادت کو مشکوک بنا رہی ہو۔"

حرا جوتا ہاتھ میں لیے عائشہ کی جانب لپکی جو ایک ہی جست میں کمرے سے نکل کر باہر کھڑی ہو گئی۔ زبان پھر بھی نہیں رُکی بولی۔

"آپ سے تو واسع بھائی سچے ہیں۔ جیسے ہی اُنہیں بتایا شادی طے ہو گئی ہے۔ اُسی وقت دونوں ہاتھ آسمان کو اُٹھا کر اللہ کا شُکر بجا لائے۔"

"میں مان ہی نہیں سکتی واسع نے ایسا کچھ کہا ہو گا۔ ہے تو وہ تمہارا بھائی مگر اللہ کا شُکر ہے تم پر بالکل نہیں گیا۔"

"آپ کو میرا یقین نہیں تو براہِ راست اپنے شوہر نامدار سے پوچھ لیں۔ واسع بھائی بتائیں ذرا حرا باجی کو آپ کتنے خوش ہیں۔"

واسع کا نام سنتے ہی حرا نے تیزی سے جوتا پھینک دیا۔اور مڑی تو وہ دونوں ہاتھ کمر پر باندھ کر باری باری حرا کو اور اپنی بہن کو دیکھ رہا تھا۔بولا

"خوشی کی بات پر انسان خوش ہی ہوگا۔اس لیے میں بھی خوش ہوں۔"

"اب بتائیں حرا باجی کیا کہتی ہیں۔؟۔۔۔"

حرا کے گال دہک رہے تھے۔وہاں سے بھاگنے کی تیاریوں میں تھی۔جھنجھلا کر بولی۔۔۔

"عاشی تم نے سدا بچہ ہی رہنا ہے۔یا بڑا ہونے کا بھی کوئی پروگرام ہے۔"

"اس وقت تو گھر میں چھوٹی ہوں۔ہاں کل کو میرے بھتیجے بھتیجیاں آجاتے ہیں۔تو ظاہری بات ہے خود بخود بڑی ہو جاؤنگی۔"

"مجھے تو تمہارے سدھرنے کے کوئی آثار نظر نہیں آتے۔وڈی اماں سے بات کرتی ہوں۔وہ مجھ سے پہلے تمہارا انتظام کریں۔"

"دیکھا باقاعدہ بھابھی بننے کی ابھی ڈیٹ ہی ملی ہے۔اور یہ ابھی سے ظالم ثابت ہو رہی ہے۔واسع بھائی سوچ لو بڑی تگڑی بیوی ملی ہے۔"

"سوچنے سمجھنے کا سٹیج بہت پیچھے رہ گیا ہے۔اب تو سیدھا تخت یا تختہ ہوگا۔کیوں بیگم صاحبہ؟"

واسع کے سوال پر حرا نے اپنی جادوگر نگاہیں اُٹھا کر ایک دفعہ واسع کی نظروں میں دیکھا اور وہاں سے کھسک گئی۔واسع کے ہونٹوں پہ مُسکراہٹ رہ گئی۔جسے پیچھے سے آئے فربود نے نشانہ بنایا۔

"اتنا جو مُسکرا رہے ہو۔کیا کمینہ پن ہے جو چُھپا رہے ہو؟"

عائشہ ہنستی چلی گئی۔جبکہ واسع نے شرمندہ ہوئے بغیر فربود کے کندھے پہ ہاتھ جھڑا۔۔۔

"تجھ سے زیادہ کوئی کیا کمینہ پن دیکھائے گا۔ایک دل میں رہتی ہے۔پھر بھی کس دیدہ دلیری سے رشتے دیکھنے جاتے ہو۔"

"کون کون واسع بھائی جلدی بتائیں۔فربود بھائی کے دل میں کون رہتی ہے۔"

فربود نے سر پیٹ لیا۔واسع کو دیکھتے ہوئے بولا۔

''چلو لگاؤ اب میرا تماشہ بھی کسر رہ گئی ہے۔''

''بتائیں بھی واسع بھائی۔۔۔''

عائشہ پوری طرح بے صبری ہو رہی تھی۔ واسع نے بتانے کا فیصلہ کر لیا۔

''صاحبزادے کو ایک گوری پسند ہے۔''

''دیکھا مجھے پتا تھا۔ ہو ہی نہیں سکتا فربود بھائی کسی لڑکی کے دم چھلے کے بغیر امریکہ سے لوٹ کر آتے۔ کتنے فرمابردار بیٹے بنے گھوم رہے ہیں۔''

''کیا مطلب فرمابردار بنا گھوم رہا ہوں۔ میں فرمابردار ہوں۔ تبھی تو اماں کی مرضی کی لڑکی دیکھنے جاتا ہوں۔ آئی بڑی۔۔۔''

''اچھا تو وہ گوری کا کیا بنے گا۔''

''اُسکا کیا بننا ہے؟''

واسع بولا

''اُسکو بھی کوئی مل جائے گا۔ دل جگرے والا جو اپنی ماں سے نہ ڈرتا ہو گا۔''

''لعنت ہے تیرے جیسے بھائی پر کیا بکواس کر رہا ہے؟۔۔۔''

''آپ لوگ لڑو۔ میں جا کر سب کو یہ نئی خبر دیتی ہوں۔ اگر وڈی اماں اور چچی کو گوری پسند آ گئی تو کیا پتا واسع بھائی کے ساتھ ہی آپکی شادی بھی ہو جائے۔''

اس سے پہلے کہ وہ دونوں اُسکو روکتے۔ وہ تیز گام ٹرین کی طرح بھاگ گئی۔

فربود نے شرمندہ کرتی نظروں سے واسع کو دیکھا۔

''مجھے گھورنے کی بجائے میرا احسان مانو۔ تمہارا اتنا بڑا مسلہ حل کر دیا ہے۔''

''مسلہ حل نہیں کیا بڑھایا ہے۔ اب میری ماں نے میری گُھتے والی کرنی ہے۔''

''تو پھر کیا ہے؟ کونسی نئی بات ہے۔''

''شاباش ہے۔ پر مجھے تمہارے چھوڑے گئے اس شوشے سے کوئی فائدہ ملتا نظر نہیں آ رہا ہے۔ اُلٹا نقصان

ہونا ہے۔امی نے مزید ایمر جنسی نافذ کر دینی ہے۔"

دونوں چلتے ہوئے باہر کو چل پڑے۔فربود کی نظر تاشفہ پہ پڑی جو نل کے پاس بیٹھی کپڑے دھو رہی تھی۔

ماتھے پہ تیوری لیے بولا۔

"ایک تو یہ لڑکی جب دیکھو کوئی نہ کوئی کام ہی کرتی ہوتی ہے۔کبھی فارغ کیوں نہیں ہوتی ؟"

واسع نے بھی گردن موڑ کر اُس جانب دیکھا اور بولا۔

"ابھی پوچھ لیتے ہیں۔"

اگلے پل اونچی آواز میں کہا۔

"تاشفہ بہن یہ اپنا فربود جاننا چاہ رہا ہے۔تم ہر وقت کام کام ہی کیوں کرتی ہو؟"

جواب میں تاشفہ نے چونک کر سر اُٹھایا۔اور واسع کے سوال پر فربود کو خطرناک گھوری سے نواز کر واپس کپڑوں کی جانب متوجہ ہوگئی۔

فربود ناک چڑھاتے ہوئے بدمزگی سے بولا۔

"یار یہ مجھے ہی کیوں گھورتی ہے؟۔۔۔"

واسع کا قہقہہ بے اختیار تھا۔جس کے جواب میں فربود نے اُسکو گھوری سے نوازا۔۔۔

☆......☆......☆

"واہ او شہزادے زبردست چھا گئے ہو۔یہ نئی والی ساری وڈیوز کروڑوں میں جانی ہیں۔جو جو تم نے کہا سب پر عمل کیا ہے۔"

کیمرہ مین گلزار نے کیمرے کا میموری کارڈ نکال کر موتی کے آگے رکھتے ہوئے پُر جوش آواز میں کہا تھا۔

موتی آج بھی اپنی تیل لگی زُلفوں اور داڑھی میں سُرمے والی آنکھوں کے ساتھ انتہائی پُر اسرار لگ رہا تھا۔اُس کے ہاتھ تیز رفتاری سے کی بورڈ پر ناچ رہے تھے۔

میموری کارڈ کو پی سی میں ڈالتے ہوئے سرسری انداز میں پوچھنے لگا۔

"آج نیچے سے اتنی رونے کی آوازیں کیوں آرہی تھیں۔"

”کچھ نہیں یار وہی روز کے ڈرامے آج بھی کوئی نیا لڑکا ہاتھ لگا تھا۔اُسی نے سارا تہہ خانہ سر پہ اُٹھائے رکھا۔سالے کو دو دن بعد دیکھنا پیسہ آتے ہی سارا کچھ بھول جائے گا۔“

”تم کتنے سال سے یہاں پر کیمرہ مین ہو؟۔۔۔“

”پہلے میں کیمرہ مین نہیں تھا۔یہ تو ڈاکٹر نعیم نے مجھے ایک دو دفعہ کیمرہ تھمایا۔پھر مجھے خود شوق ہو گیا۔“

موتی کی نظریں سکرین پر تھیں۔ماتھے پہ ہلکی سی تیوری۔۔۔آنکھوں میں مکمل سنجیدگی

”تو میری طرح تم بھی یہ کام شوقیہ طور پر کر رہے ہو؟۔“

”یار موتی لعنت بھیج ایسے شوق پر یار میں تو مجبوری میں ادھر پھنسا ہوا ہوں۔تو اپنا یار ہے۔تجھ سے کیا چھپانا۔میرے بھائی پر قتل کا الزام لگ گیا تھا۔یار ہم غریب لوگ نہ تو پولیس کو دینے کے لیے اندھا پیسہ نہ عدالتی کاروائی میں پورے آ سکتے تھے۔ہمارا کیس اس قدر کمزور تھا۔میرے ایک دوست نے مجھے وسیم بھائی سے ملوایا۔کہا اگر تو انکے کام آجائے تو یہ تیری مدد کر سکتے ہیں۔میں نے بغیر سوچے سمجھے ہاں کر دی۔بلکہ وسیم نے اسٹام پیپر پر دستخط لے لیے۔ہماری جانے بلا یہ پڑھے لکھے دو نمبر لوگ دل کے کس قدر کالے ہیں۔میں حرف شناس تو تھا مگر تب مت ماری گئی تھی۔میں نے یہ نہیں پڑھا کہ وہ میرے سائن کروا کس شرط پر رہا ہے۔کچھ اُس وقت میری ماں کے دن رات کے رونے گھر کی ٹینشن ہر چیز نے مل کر دماغ خالی کر دیا تھا۔پر سائن کرنے کی دیر تھی۔نہ جانے کیسے اور کیوں اگلی پیشی پر ہی میرا بھائی جیل سے باہر تھا۔اور جانتے ہو اُسکی قیمت مجھے کیا دینی پڑی؟۔۔۔

میں زندگی بھر کے لیے ان دونوں بھائیوں کا غلام ہوں۔نہ میں یہاں سے کام چھوڑ کر جا سکتا ہوں۔نہ انکے کسی حکم کو پورا کرنے سے انکار کر سکتا ہوں۔مجھے عید کے دو دن گھر جانے کی اجازت ہے۔ورنہ میں یہاں سے زندہ نہیں نکل سکتا۔شروع شروع میں جب ان دونوں بھائیوں کی اصلیت میرے سامنے آئی یقین مان دو دن تک کھانا نہ کھایا گیا۔اور یہاں پر نیلام ہونے والی معصوم آہیں اور سسکیاں راتوں کو سونے نہ دیتی تھیں۔میں ساری ساری رات جاگ کر گزار دیتا۔دن کو یہ لوگ ایک گھڑی فارغ نہ بیٹھنے دیتے۔"

”تمہارے گھر والوں نے تمہیں یہاں سے لیجانے کی کوشش نہیں کی؟۔۔۔“

گلزار کے چہرے پہ تاریک سایہ گزرا۔۔۔

”یہ لوگ ہماری سوچ سے بھی زیادہ نیچ ہیں۔ یہاں کام کرنے والا ہر فرد کسی نہ کسی مقام پر مجبور ہے۔ شروع میں میرے بھائی باپ نے مجھے واپس لیکر جانے کی ضد کی پر اُنکو میرے بھتیجے کے حوالے سے دھمکیاں دیکر ایسا خوفزدہ کیا گیا تھا۔ آج تک اُنکی دوبارہ ہمت نہیں پڑی اس طرف آنے کی۔ یہ لوگ بہت زیادہ طاقتور ہیں۔ پولیس انکے ساتھ ہے۔ ایک وہ حرام زادہ ایس ایچ او ہے۔ سرفراز احمد آج کل سُننے میں آیا ہے۔ کہیں روپوش ہو گیا ہے۔ یا پھر کسی ایجنسی کی نظر میں آ گیا ہے۔ چار دن پہلے ایس ایچ او کے گھر پر فائرنگ کے واقع میں ہم ان لوگوں کے چار پانچ بندے مارے گئے ہیں۔ وسیم بھی بڑی بُری طرح زخمی ہوا تھا۔“

موتی اپنا کام چھوڑ کر حیرت سے گلزار کو سُن رہا تھا۔ بولا

”ایس ایچ او کا انکے ساتھ کیا لین دین؟۔ اور اگر وہ روپوش ہے۔ تو اُسکے گھر پر انکے بندے کس نے مارے ہیں؟۔۔۔“

گلزار نے ایک احتیاط کے طور پر کمرے سے نکل کر ادھر اُدھر کاریڈور میں نظر دوڑائی پھر آ کر اپنی جگہ پر ٹک گیا۔ ”پیارے یہاں دیواروں کے بھی کان ہیں۔ میرے ساتھ تو یہ سب باتیں اور سوال کر رہے ہو۔ کسی اور پر اعتماد کر کے اپنی موت کا سامان مت بنانا۔ ایس ایچ او جیسے بندے کو کیا پتا انہوں نے خود ہی لڑھکا دیا ہو۔ وہ تھا بھی کوئی بُری نسل کے کُتے کا بچہ۔“

”کون؟۔۔۔“

”وہی یار ایس ایچ او سرفراز احمد۔۔۔ ایک نمبر کا بے غیرت۔۔۔“

”کیا وہ بھی یہی کام کرتا ہے؟۔“

”وہ بچے ایک شہر سے دوسرے شہر منتقل کرواتا ہے۔ انکا بڑا اہم رُکن ہے۔ سارے ملک میں جہاں سے بچہ اغوا ہو۔ اُسی کے گارڈ میں ادھر اُدھر جاتا ہے۔ ادھر سے افغانستان میں بھی سپلائی کرتا ہے۔ پھر وہاں سے ادھر ایک ایک پھیرے کا کروڑ وکماتا ہے۔ یار ایک بات میں جان گیا ہوں۔“

”وہ کیا؟۔۔۔“

گلزار نے موتی کے ہاتھ میں بُجھتا ہوا سگریٹ پکڑ کر بڑے بڑے دو چار کش لگائے۔ اور دھواں اُڑاتے

ہوئے بولا۔

"رب بھی امیروں کا ہی ساتھ دیتا ہے۔ یار یہ لوگ اتنا اتنا بڑا گناہ کما رہے ہیں۔ پھر بھی ان پر اللہ کا عذاب نہیں آتا۔ ایک غریب آدمی ہے۔ گلی میں کہیں سائیکل چوری کرتا پکڑا جائے۔ لوگ اُسکو مار مار کر شکل بگاڑ دیتے ہیں۔ ایسے ایسے لوگ بھی اُسکو مکے دھمو کے جھڑ رہے ہوتے ہیں۔ جنہوں نے اپنی زندگی میں مکھی تک نہ ماری ہو۔ اور دوسری جانب ڈاکٹر اور ایس ایچ او جیسے لوگ ہیں۔ جو اس معاشرے کی جڑوں میں پانی ڈال گئے۔ نسلوں کو روگی کر دیا۔ پر آج بھی ہمارے لوگ انہی کو عزت اور تکریم سے دیکھتے ہیں۔ انکو گاڑیوں میں جاتا دیکھ کھڑے ہو کر سلام کرتے ہیں۔ انکے جوتے سیدھے کرتے ہیں۔ چھوڑ یار میں بھی کیا بکواس کرر ہا ہوں۔ میں خود بھی تو یہ سب کرر ہا ہوں۔ پر یار میرے بس میں نہیں ہے۔ ورنہ میں ان میں سے ایک آدھ کی جان تو لے ہی لیتا۔ پر مجھے علم ہے۔ اگر میں نے ایسی کوئی کوشش بھی کی تو یہ لوگ میرے گھر والوں کو چیل کوؤں کے آگے ڈال دینگے۔ پر قیامت والے دن میں نے اللہ سے یہ ضرور پوچھنا ہے۔ اختیار ایسے ظالموں کے ہاتھ کیوں دیا؟۔"

ایک سایہ دروازے سے کچھ دور رُک گیا تھا۔

موتی نے تیزی سے گلزار کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بات بدل دی۔

"گلزار مجھے ڈاکٹر نعیم کی شخصیت بڑی جاندار لگتی ہے۔ میں نے آج تک اُن کے ساتھ براہ راست ملاقات نہیں کی۔ مگر میرا خواب ہے۔ اگر ایسا ہو جائے۔ میں تو خوشی سے مرنے والا ہو جاؤنگا۔"

گلزار سمجھ گیا تھا۔ کوئی اُنکی بات سُن رہا ہے۔ وہ بھی اُسی انداز میں بولا۔

"ہاں یار ڈاکٹر صاحب اپنی مثال آپ ہیں۔ غریب دوست انسان ہیں۔ ورنہ جتنی تنخواہ ہمیں یہاں پر مل رہی ہے۔ اتنی تو گورنمنٹ سیکٹر میں بھی نہ ملتی۔ میں تو دن رات ڈاکٹر صاحب کی صحت و تندرستی کی دُعا مانگتا ہوں۔"

"چل اب بس کر دے۔ دو نمبر مرید باہر جو بھی کوئی تھا۔ اب چلا گیا ہے۔"

موتی کے بتانے پر گلزار ہنستے ہوئے مزید بولا۔۔۔

"نہیں یار پے مجھے کہہ لینے دئے۔ میرا دل کرتا ہے۔ ڈاکٹر صاحب کو روز کے روز ہار ڈالوں۔ پھولوں کے

نہیں جوتوں کے۔اللہ کرے اس کو یذید جیسی موت آئے۔فرعون جیسا زوال آئے۔"

"مجھے اتنے دن ہو گئے ادھر آتے جاتے مجھے تو کبھی محسوس نہیں ہوا تم اندر سے اتنے دُکھی ہو۔ بلکہ تم پر تو وسیم کو سب سے زیادہ اعتماد ہے۔"

"اعتماد بنایا ہے۔اب اگر کام ہی یہی کرنا ہے۔تو مر مر کر کرنے کی بجائے ہنس کھیل کر کر لینا بہتر ہے۔ دوسرا فائدہ یہ ہے۔جب سے انکو میری وفاداری کا یقین ہو گیا ہے۔تنخواہ زیادہ ہو گئی ہے۔میں اپنی خواہشیں مار کر جی رہا ہوں۔تو کم از کم میرا خاندان تو عیش کرے۔"

"یہ بھی ٹھیک ہے۔اچھا یار میں نکلتا ہوں۔یہ کارڈ میں گھر لے جا رہا ہوں۔اپنی لیپ ٹاپ سے ساری وڈیوز اپ لوڈ کر دونگا۔"

"نہیں موتی تم کارڈ اپنے ساتھ نہیں لے جا سکتے۔اس کو ادھر ہی چھوڑ جاؤ۔جو کام رہ گیا ہے۔وہ کل آ کر کر لینا۔"

"کیا تمہیں میرے پر اعتماد نہیں ہے۔؟۔۔۔"

"بکواس نہ کر موتی بات اعتماد کی نہیں اصول کی ہے۔کوئی بھی مواد گھر لیکر جانا اصول کی خلاف ورزی ہے۔"

"او کے چھوٹے باس مگر میں تو پہلے بھی کچھ کام گھر جا کر کرتا رہا ہوں۔"

"وہ پرانی ویڈیوز کو ایڈیٹ کرنے کا کام تھا۔کہیں گم بھی ہو جاتا تو کوئی نقصان نہ ہوتا۔ہم اپنا پیسہ وصول کر چکے تھے۔مگر یہ نئی فائلز ہیں۔جب تک آن لائن اپنا پیسہ وصول نہیں ہو جاتا۔یہ انتہائی اہم ہیں۔"

"گلزار تو بھی دوغلا ہی ہے۔کچھ دیر پہلے جنکو کوس رہا تھا۔ابھی اُنہی کے مال کی حفاظت کر رہا ہے۔"

"وہ تو موتی تو بھی کر رہا ہے۔دن رات لگا کر تو نے نئے گاہک ڈھونڈے ہیں۔صرف امریکہ میں کا ہی بزنس تین گنا بڑھ گیا ہے۔"

"یار جتنی دفعہ نیا گاہگ آتا ہے یہ میری تنخواہ میں بیس ہزار کا اضافہ کرتے ہیں۔اس صورت میں تو خود ہی سمجھدار ہے۔جب فائدہ مجھے ملے گا۔کام تو کرنا ہی ہے۔اچھا اب میں جا رہا ہوں۔اللہ حافظ تو کمرہ لاک کر لینا"

موتی نکل گیا۔گلزار نے ایک دو وڈیو دیکھیں۔اور کمرہ لاک کر کے اپنی رہائش کی جانب چل پڑا۔

☆......☆......☆

"آپ ہمیں یہاں اس قید خانے میں چھوڑ کر یوں غائب کیوں ہوئے؟۔۔۔"

"مجھے کام تھا۔"

مریم نے جتنے غُصے میں سوال کیا جواب اُتنا ہی تحمل سے دیا گیا۔

"مجھے ابھی اسی وقت اس جگہ سے جانا ہے۔ مزید ایک پل بھی ادھر نہیں رہوں گی۔"

"وجہ جان سکتا ہوں؟۔۔۔"

"جی ضرور۔۔۔ سب سے بڑی وجہ یہ آدمی منیر نیازی جو ہر وقت سر پہ سوار رہتا ہے۔"

"اُسکا نام منیر نیازی نہیں منیر مدثر ہے۔"

"ہاں جو بھی ہے۔"

"تم بدتمیز کیوں ہو؟۔۔۔"

"میں بدتمیز نہیں ہوں۔ میں غُصے میں ہوں۔۔ بے بس ہوں۔ مجھے اپنی ماں یاد آتی ہے۔ اور میرے بھائی کو سوائے کھانے کے اور کسی کام میں کشش محسوس نہیں ہو رہی۔ جی بھر کر کھاتا ہے۔ پھر وہیں صوفے پر گیمز کھیلتے کھیلتے سو جاتا ہے۔ جب مزید لیٹے رہنا ممکن نہ رہے اُٹھ کر باتھ روم جاتا ہے۔ اور دوبارہ سے وہی عمل دُہراتا ہے۔ ایسے میں مجھے کیا بہت خوش ہونا چاہیے؟۔۔۔"

منگو نے ایک نظر ارسلان پر ڈالی جو اس وقت بھی رس ملائی کا باؤل پکڑے بیٹھا تھا۔ پھر دوبارہ فوکس اُس پانچ فُٹ کی دادی اماں پر آیا۔

"تمہاری امی کی تدفین ہو چکی ہے۔"

مریم کا روشن چہرہ لمحوں میں تاریک ہو گیا۔ آنکھیں بھر آئیں۔

"ایسے کیسے امی کی تدفین کر دی۔ میں نے تو اُنکا منہ بھی نہیں دیکھا۔ میری ماں تو چھین ہی لی تھی۔ ظالمون مجھے آخری دفعہ اُنکو جی بھر کر دیکھ تو لینے دیتے۔ میں جا رہی ہوں۔ مجھے کوئی نہیں روکے گا۔ میں یہاں ایک سیکنڈ نہیں رُکوں گی۔"

زارو قطار روتے ہوئے مریم ہال کے مین دروازے کی جانب بڑھی۔ منگو اور منیر کی آنکھ ملی۔ منیر نے سر

اثبات میں ہلاتے ہوئے۔ اپنے سامنے کھلے لیپ ٹاپ پر کچھ کیز دبائیں۔ کلک کی آواز کے ساتھ دروازہ اندر سے لاک ہو گیا۔

مریم نے دروازہ کھولنے کی پوری کوشش کی آخر پہ لاتے گھونسے تک مار دیئے۔ مگر دروازہ نہ کھلا۔ تھک کر وہیں فرش پہ گھٹنوں میں سر دیکر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ کتنی دیر تک اُس کمپاؤنڈ میں مریم کے سسکیاں گھونجتی رہیں۔

جب سسکیاں تقریباً دم توڑ گئیں۔ منگو نے فریج سے پانی والی بوتل لی اور ٹشو کا ڈبہ لیکر اُسکے برابر آ بیٹھا۔

''یہ پانی پی لو۔''

مریم نے کچھ کہے بغیر پانی تھام لیا۔ مگر فوراً اسے پیا نہیں۔ چہرہ صاف کرنے کے بعد ہاتھ میں پکڑی بوتل کے منہ پر انگلی پھیرتے ہوئے آنسوؤں سے ڈھلی آواز میں بولی۔۔۔

''منگو جو کچھ میرے خاندان کے ساتھ ہوا ہے۔ اسکے پیچھے کیا وجہ ہے؟۔۔۔''

''میں کیا کہہ سکتا ہوں۔''

''آپ کو سب خبر ہے۔ پلیز مجھے بتا دیں۔ میری ماں کی جان کیوں لی گئی۔ اُنہوں نے کسی کا کیا بگاڑا تھا۔ قصوروار تو میرا باپ ہے۔''

منگو نے چونک کر مریم کی جانب دیکھا۔

''امی کو ماموں نے بتایا تھا۔ ابو کا اُٹھنا بیٹھنا اچھے لوگوں کے ساتھ نہیں ہے۔ ایک دفعہ کسی اغوا کے کیس میں ابو کا نام لیا جا رہا تھا۔ امی نے بہت لڑائی کی۔ تب ابو نے وعدہ کیا وہ کوئی ایسا کام نہیں کرتے ہیں۔ جس سے خاندان کی عزت پر کوئی حرف آئے۔''

منگو کو سمجھ نہ آئی یہاں وہ کن الفاظ کا استعمال کرے آیا اس لڑکی کو تسلی دے کہ تمہارا باپ نیک آدمی ہی ہے۔ اُس نے تم لوگوں کے اعتماد کو ٹھیس نہیں پہنچائی۔ قانوں کی ٹوپی پہن کر وارداتیں نہیں کرتا تھا۔ تم جو بھی سوچ رہی ہو۔ سب غلط ہے۔ یا سیدھے سے سارا سچ بتا دے۔

گہرا سانس کھینچ کر رہ گیا۔ ویسے بھی آج کل پے در پے ایسے ایسے انکشافات سامنے آرہے تھے۔ اُسکی ٹیم کا

ہر آدمی اپنی جگہ دنگ تھا۔

"تم اگر چاہو تو میں تمہیں تمہاری والدہ کی قبر پر لے جا سکتا ہوں۔"

"پلیز مجھے لے جائیں۔ میں اپنی آنکھوں سے دیکھنا چاہوں گی اُنکو کہاں دفنایا گیا ہے جنازے میں کون کون شریک ہوا۔ کیا کسی نے ہم بہن بھائی کے بارے میں نہیں پوچھا۔"

"جنازہ تمہارے ماموں کے گھر سے اُٹھا ہے۔ ساری رسومات اُنہوں نے ہی کی ہیں۔ فی الحال تم لوگوں کی گمشدگی سب کے لیے پریشانی کا باعث بنی ہوئی ہے۔ میں نے تمہارے ماموں کو سچ بتانے کے ساتھ ہی خاموش رہنے کی سخت ہدایت کی ہے۔"

"کیا میں اپنے ماموں کے گھر جا سکتی ہوں؟۔۔۔"

"نہیں۔۔۔"

منگو کا لہجہ قطعی تھا۔ اپنی بات کہتے ہوئے کھڑا ہو گیا۔ اُسکے موبائل پر میسج آ رہے تھے۔ جبکہ مریم ضدی انداز میں بولی

"کیوں نہیں؟۔۔۔"

"یہ سوال کر کے تم مجھے حیران کر گئی ہو۔ ابھی تک میں تمہیں بڑی سیانی سمجھ رہا ہوں۔ اس وقت تمہارا لاپتہ رہنا ہی تمہاری زندگی کی ضمانت ہے۔"

"ہم کب تک ایسے چھپ کر بیٹھیں گے؟۔"

وہ مریم کے سوال کا جواب نہ دے سکا۔ ماتھے پہ سلوٹوں کا جال تھا۔ مُنیر کی سوالیہ نظریں اُس پر جمی ہوئی تھیں۔ وہ چلتا ہوا منیر کے پاس گیا اور فون کی سکرین اُسکے سامنے کر دی۔

جسے دیکھ کر منیر کے منہ سے گالی نکلتے نکلتے رہ گئی۔

"یہ کیا مصیبت ہے سر؟۔۔۔ ساری زندگی حرام کام کرنے کے بعد کیا اس بے غیرت نے موت بھی حرام کی قبول کرنی ہے۔"

"اگر میرے وہاں پہنچنے تک وہ اپنی کوشش میں کامیاب نہ ہو چکا ہوا تو میں پوچھنا نہیں بھولو۔۔۔"

اُس کی نظر ارسلان کے ہاتھ میں پکڑے فون پڑی تو اپنی بات درمیان میں چھوڑ کر تن فن کرتا اُسکے سر پر پہنچا۔

''یہ کس کا فون ہے؟۔۔۔''

ارسلان اُسکی آواز میں چھپے غُصے پر ذرا سا گھبرایا۔

''یہ۔۔۔ یہ میرا فون ہے۔ ابو نے پچھلے سال دلوایا تھا۔''

''کیا تم نے اس فون کو اس گھر میں استعمال کیا ہے؟ کسی کو کال کی ہے؟ یا کسی کی کال سُنی ہے؟۔''

''نہیں فون میں کال کرنے کے پیسے نہیں ہیں۔ بس کالز ریسیو کی ہیں۔''

''کس کی کالز؟۔۔۔''

''ابو کے دوست کی۔۔۔''

منیر نے اُسکو درمیان میں ہی ٹوک دیا۔

''یہ سوال اب فضول ہے۔''

ساتھ ہی منیر نے سی سی ٹی وی سکرینز کی جانب اشارہ کیا۔ باہر گلی اوپر چھت اور گھر کے پچھلے جانب گلی میں لگے کیمروں میں جو منظر نظر آرہے تھے۔ اُن کے مطابق اُنکا گھر اس وقت پورے طور پر پولیس کے گھیرے میں تھا۔

منگو نے رکھ کر ایک تھپڑ ارسلان نے گال پر جڑا۔ پاگل دے پُتر کس باپ کے ساتھ باتیں کرتے رہے ہو؟۔''

ارسلان نے گال پر ہاتھ رکھ کر منہ بسورتے ہوئے جواب دیا۔۔۔

''صرف ڈاکٹر نعیم سے ہی بات کی تھی۔ وہ تو ابو کے بیسٹ فرینڈ ہیں۔''

''وہ بے غیرت انسان تمہاری ماں کا قاتل ہے۔ تمہاری بہن بالکل ٹھیک کہتی ہے۔ سوائے کھانے کے تمہیں اور کوئی کام نہیں ہے۔ مرو اب ادھر باہر ہر طرف تمہارے رشتے دار آچکے ہیں۔ آگے سے نکلو تب بھی مرو گے۔ پچھلا رستہ اگلے والے سے بھی آسان ٹارگٹ ہے۔''

اُس نے فون زمین پر پھینک کر اپنی جوتے کی بھاری ہیل کے ساتھ دو چار ضربوں میں فون توڑ دیا۔

منیر نے اپنا سر ہی پیٹ لیا۔جھنجھلا کر بولا۔

''موٹے چار دن سے تجھے عیاشی کروا رہا ہوں۔اُسکا صلہ تم نے یہ دیا۔''

''مجھے کیا علم تھا وہ دُشمن ہے۔اور یہ کونسا کوئی ایکشن فلم چل رہی ہے۔ جہاں ولین فٹ سے نمبر ٹریس کروا لے۔اور ولین کے پاس اتنی جدید ٹیکنالوجی کہاں سے آئی ہے۔''

''وہ تیرا ماما بڑی دور تک رسائی رکھتا ہے۔تم نے اُسکو کیا بتایا تھا۔''

''وہی جو سچ ہے۔''

''سچ کیا ہے؟۔''

''یہی کہ آپ ایک سیکریٹ ایجنٹ ہو۔آپکا نام منگو ہے۔آپ نے ہماری جان بچائی ہے۔آپ ابو کے آدمی ہیں۔''

''دل تو کر رہا ہے۔اُلٹے ہاتھ کی ایک اور لگاؤ۔کیا یہ ہمیشہ سے ایسا ہی پاگل ہے؟۔۔۔''

مریم جو اپنا رونا دھونا بھول کر آنکھیں پھاڑے سکرین کے شیشوں پر نظر آتے باوردی جوانوں کو دیکھ رہی تھی۔منگو نے اُسکا اُڑتا ہوا رنگ دیکھ کر ماحول کو پُر مزاح رکھنے کی کوشش میں پوچھا تھا۔

مگر مریم نے جواب دینے کی بجائے سوالوں کی بوچھاڑ کر دی۔

''اتنی ساری پولیس ہمارے پیچھے کیوں آئی ہے؟ ہم نے کونسے جرم کئے ہیں۔اگر قسمت میں گولی ہی لکھی ہے۔تو ہمیں اُس دن ہمارے اپنے گھر میں ہی مرجانے دیا ہوتا۔یہاں آج پرائی دہلیز پر تو نہ مرتے۔''

منیر نے آنکھیں گھمائیں۔

''سر ایک بات تو میں گارنٹی کے ساتھ کہنے کو تیار ہوں۔یہ لڑکی انڈین ڈرامے بہت دیکھتی ہوگی۔''

''بھائی منیر نیازی موت دروازے پہ کھڑی ہے۔اور آپکو ہری ہری سوجھ رہی ہیں۔''

ارسلان کی بات پر منیر نے اُسکی گردن پر ایک ہاتھ جھڑا۔

''سارا تیرا قصور ہے۔''

''منیر یار تم ہی عقل کو بہن بولو۔''

"سوری سر ان لوگوں کے ساتھ ہر وقت کی بحث نے مجھے فضول گوئی کا عادی بنا دیا ہے۔"

"ہاں جی نظر آ رہا ہے۔ چلو اب نکلنے کی کرو۔"

"ہر کوئی اپنی ہی بولی بولے جا رہا ہے۔ کوئی میری بھی سُن لو۔ میں ہر گز باہر نہیں جاؤ۔۔۔"

گولیوں کی برسات نے مریم کو خاموش کروا دیا۔

باہر سے ہیوی فائرنگ کی آواز آ رہی تھی۔ جیسے میدانِ جنگ لگا ہو۔ مریم اور ارسلان اپنے ہاتھ کانوں پر رکھ کر فرنیچر کے پیچھے چُھپ گئے۔ مگر منگو اور ارسلان جانتے تھے۔ یہ گھر بلٹ پروف تھا۔ باہر والے جتنی مرضی کوشش کر لیتے گولی دیوار' کھڑکی یا دروازے سے اند نہیں آنی تھی۔

منگو نے منیر کو اشارے میں کُچھ پوچھا۔ جس کے جواب میں اُس نے اثبات میں گردن ہلائی۔ دونوں آگے پیچھے چلتے ہوئے مین بیڈ روم میں گئے۔ الماری کے سب سے نچلے خانے میں سے پیٹرول کی بوتلیں نکال کر منگو باہر آیا۔ جبکہ منیر اپنے سارے لیپ ٹاپ' ٹیب' فون وغیرہ ایک بیگ میں ڈال رہا تھا۔ منگو نے گیس بند کی مین سوئچ سے بجلی بند کی۔ پیٹرول کی بوتلیں کھول کر سارے فرنیچر دروازوں پر چھڑک دیا۔

مریم حیرت سے اُسکا عمل دیکھ رہی تھی۔ چہرہ خوف سے سفید پڑ رہا تھا۔ ارسلان تو باقاعدہ رو رہا تھا۔ مگر وہ دونوں مشینی انداز میں اپنے کام میں مصروف رہے۔

اب باہر دروازوں کو توڑنے کی کوششیں ہو رہی تھیں۔ شور تیز ہوتا جا رہا تھا۔ موت قریب سے آ رہی تھی۔ منگو نے مریم اور ارسلان کو بازو سے پکڑا اور بیڈ روم کی جانب لے گیا۔

"منگو میں جل کر مرنا نہیں چاہتی ہوں۔ یہاں ہر طرف پیٹرول کی بو ہے۔ اگر باہر سے ایک بھی گولی اندر گھس آئی۔ یہ گھر دھماکے سے پھٹ جائے گا۔"

"فکر نہ کرو ایسا کُچھ بھی ہونے سے پہلے ہم یہاں سے جا چکے ہونگے۔"

کمرے میں مریم اور ارسلان کے لیے ایک اور حیرت کا سامان موجود تھا۔

منیر نے بیڈ اوپر کو کھڑا کیا ہوا تھا۔ جو کے غور سے دیکھنے پر معلوم ہوا۔ بیڈ لوہے کے بڑے بڑے پائپ ملا کر بنایا گیا تھا۔ جسکو ریموٹ کی مدد سے اوپر اُٹھایا گیا تھا۔

بیڈ کے نیچے کی جگہ سے کارپٹ ہٹا کر ایک لوہے کا دروازہ کھولا گیا تھا۔

منیر نے پہلے اپنا بیگ پیک اُس دروازے سے نیچے پھینکا۔ پھر خود کود گیا۔ منگو نے ٹارچ جلا کر نیچے ماری منیر بیگ کندھے پہ ڈالنے کے بعد اپنی ٹارچ جلا رہا تھا۔

''کلیر۔۔۔؟۔۔۔''

منگو کے پوچھنے پر منیر نے لیس سر کہہ کر گرین سگنل دیا۔

منگوارسلان کی جانب مُڑا۔

''اب تمہاری باری ہے۔''

''میں نہیں کود رہا۔ نہ جانے کتنی گہرائی ہو۔ میری ٹانگ وانگ ٹوٹ گئی تو پھر؟ نیچے چوہے' سانپ اور بچھو وغیرہ بھی ہو سکتے ہیں۔ میں نہیں جاؤ نگا۔''

باہر سے آنے والی آوازوں سے صاف پتا لگ رہا تھا۔ وہ لوگ آری کی مدد سے لاک کاٹ رہے تھے۔

جسکا مطلب یہی تھا۔ سات آٹھ منٹ میں وہ لوگ گھر کے اندر داخل ہونے میں کامیاب ہو جائینگے۔ اور اس سے زیادہ وقت اُنکو یہاں سے محفوظ مقام پہ جانے کے لیے درکار تھا۔

منگو نے ارسلان کو اُٹھایا اور اُسکے لاکھ واویلا کرنے کے باوجود نیچے گڑھے میں اُتار دیا۔

ارسلان چیخ رہا تھا۔ جس پہ منیر نے اُسکے منہ پر ٹیپ لگا کر اُسکی بولتی بند کی۔

منگو نے مریم کی طرف دیکھا۔

جو اپنے آنسو ہتھیلی کی پشت کے ساتھ صاف کر کے آگے بڑھی۔ ٹانگیں نیچے کو لٹکائیں پھر چھلانگ ماردی۔

باہر کا دروازہ کُھل گیا تھا۔ اب گھر کے اندر سے جوتوں کی آواز آرہی تھی۔

منگو نے جیب میں سے گرنیڈ برآمد کیا۔ اُسکی پن نکال کر پورے زور سے باہر کی جانب پھینکا۔ خود گڑھے میں کود کر اندھا دھند بھاگنا شروع کر دیا۔

گڑھے میں روشنی صرف اُسکی ٹارچ کی ہی تھی۔ منیر پہلے ہی ارسلان اور مریم کو لیکر آگے جا چکا تھا۔

ابھی زیادہ دور نہیں گئے تھے۔ جب اپنے سر کے اوپر زمین کانپتی محسوس ہوئی۔ جس دروازے سے وہ

سُرنگ میں داخل ہوئے تھے۔اُسکا دروازہ ٹوٹ کر سرنگ میں گرا تھا۔جس کی وجہ سے گرد کا ایک بہت بڑا بادل اُنکو اپنی لپیٹ میں لے گیا۔عہ

ایک ہاتھ میں ٹارچ اور دوسرے میں پسٹل پکڑے وہ چکنا ہو کر سب سے آگے چل رہا تھا۔

سُرنگ آگے جا کر پارک میں ختم ہوئی۔مگر اُسکے آگے لگا دروازہ نہیں کُھل رہا تھا۔

منگو نے اُنکو تھوڑا پیچھے ہو کر کھڑے ہونے کا بولا۔اور لاک والے حصے پر فائر کیا۔دروازہ کُھل گیا۔

پہلے وہ خود باہر آیا۔ابھی وقت تو اتنا نہیں تھا۔مگر اندھیرا اچھیل چکا تھا۔

علاقے میں پولیس کی گاڑیوں کے سائرن گونج رہے تھے۔اُس نے ٹارچ بند کر دی۔اور منیر کو باہر آنے کا اشارہ کیا۔منیر کے پیچھے وہ بہن بھائی بھی نکل آئے۔

''ادھر کھڑے ہونا۔خطرناک ثابت ہو گا۔تم ارسلان کو اپنے ساتھ لے جاؤ۔خیال کرنا یہ تھوڑا بیوقوف ہے۔کہیں پھر سے تمہارے لیے کوئی مشکل نہ پیدا کر دے۔''

منیر نے سر خم کیا۔اپنے بیگ میں سے چار ہیٹ نکال کر ایک اپنے سر پہ رکھا۔باقی کے اُن تینوں کو دیئے۔

اُن چاروں کا حلیہ انتہائی بُرا ہو رہا تھا۔سارے کپڑے گرد آلود تھے۔چہروں پر مٹی کی تہہ جمی نظر آ رہی تھی۔اصل شکل وصورت کے برعکس وہ لوگ کارٹون لگ رہے تھے۔

منگو نے ایک ارسلان کا ہیٹ اُسکے ہاتھ سے لیکر مضبوطی سے اُسکے سر پہ پہنایا۔

''منیر جو بھی کہے گا۔تم اُسکی بات اگنور نہیں کرو گے۔کیونکہ تمہاری وجہ سے اگر مزید کوئی نقصان ہوا۔تو بیٹا میں جوتے مار مار کر تمہیں بندر بنا دوں گا۔سُن رہے ہو؟''

''میں منیر کی بجائے آپکے ساتھ کیوں نہیں جا سکتا ہوں۔''

''اکٹھے جانے میں خطرہ ہے۔اسلیے میں مریم کو اپنے ساتھ رکھوں گا۔تم منیر کے ساتھ جاؤ۔منزل پر پہنچ کر ملیں گے۔''

''آپ کے ساتھ مریم ہی کیوں جائے گی۔میں بھی تو جا سکتا ہوں۔مریم منیر کے ساتھ چلی جائے۔''

منگو نے ارسلان کی آنکھوں میں غور سے دیکھا۔وہ یقیناً ڈر رہا تھا۔

''مریم لڑکی ہے۔ اُسکے حوالے سے میں خود کو ذمہ دار سمجھتا ہوں۔ اسلیے تم چُپ چاپ منیر کے ساتھ جاؤ۔ بحث کا وقت نہیں۔ اور ڈرنا بھی مت کُچھ نہیں ہو گا۔ کیونکہ اس گلی سے نکل کر تم لوگ مین سڑک پر جاؤ گے۔ وہاں سے کوئی بھی آتی جاتی پبلک ٹرانسپورٹ لو اور سیدھے ہیڈ کوارٹر پہنچو۔ ادھر اُدھر کہیں نہیں جانا۔''

اس دفعہ منیر مزید کُچھ کہے بغیر ارسلان کا ہاتھ پکڑ کر آگے بڑھ گیا۔

مریم کو آنے کا اشارہ کر کے منگو منیر کی مخالف سمت میں چل پڑا۔

آج پھر مریم کو منگو کے ہم قدم ہو کر چلنے میں پوری طاقت صرف کرنی پڑ رہی تھی۔ وہ ایک ایک قدم کسی جن کی طرح اُٹھاتا تھا۔ مریم تو پہلے ہی بیچاری اندر سے سہی ہوئی تھی۔

اب بھی دل کنپٹیوں میں دھڑک رہا تھا۔

''منگو آہستہ چلو میرے سے اتنی تیز نہیں چلا جا رہا۔''

منگو نے گردن موڑ کر دیکھا۔ مگر قدم نہیں روکے۔

''ہمارے چاروں طرف پولیس پھیلی ہوئی ہے۔ ہمیں جلد از جلد اس علاقے سے نکلنا ہے۔ اسلیے ہمت سے کام لو۔''

آگے گلی میں اچانک سے ایک گاڑی موڑ کاٹ کر ادھر کو آئی۔ منگو نے نارمل انداز میں اپنے قدم اُٹھانے کا عمل جاری رکھا۔ کیونکہ ہیڈ لائٹس سیدھی دونوں پر پڑ رہی تھیں۔

مریم گھبرا کر بھاگنے لگی تھی۔ جب بروقت منگو نے اُسکی کلائی تھام کر سرگوشی کی۔

''سامنے مت دیکھو نیچے نظریں کر کے چلتی چلی آؤ۔ بھاگنا نہیں ہے۔''

اردگرد کی چھوٹی چھوٹی تنگ گلیوں کے درمیان یہ بازار کافی چوڑا تھا۔ یہاں سے وہ گھر تو نظر نہیں آ رہا تھا۔ مگر دھویں کے بھبھوکے نظر آ رہے تھے۔ پلاسٹک کے جلنے کی بو کے علاوہ انسانی چیخوں اور آہو بکا کی آوازیں صاف آ رہی تھیں۔

مریم کا ہاتھ اپنی گرفت میں لیے وہ گاڑی کے پاس سے گزر گیا۔ تب ہی آدمی نے گاڑی رُکوائی اور نیچے اُتر کر منگو کی جانب آیا۔

"تم کون ہو؟ اور کہاں سے آرہے ہو؟"

"میں یہاں کا رہائشی ہوں جی۔ میری گلی میں دھماکا ہوا ہے۔ وہیں سے آرہا ہوں۔"

"دھماکا تو اس طرف ہوا ہے۔ تم تو مخالف سمت سے آرہے ہو۔"

"اس گلی سے آئے ہیں جناب"

اُس نے وہاں سے نکلتی تنگ گلی کی جانب اشارہ کیا۔

"اچھا اچھا یہ ساتھ کون ہے؟"

"چھوٹی بہن ہے۔ اسکے سر میں چوٹ آئی ہے۔"

منگو نے دل میں شکر کیا کہ وہ سر تا پیر مٹی میں اٹا ہوتھا۔

سامنے والا بھی کوئی گھاک آدمی تھا۔ کینہ توز نظروں سے دونوں کو سرتاپا جانچتے ہوئے اُس نے گاڑی کی ڈرائیونگ سیٹ پر موجود کانسٹیبل کو آواز دی۔

"شکور ذرا ڈیش بورڈ پر پڑی پانی کی بوتل تو ادھر لاؤ۔ اس باجی کا سارا چہرہ گردآلود ہے۔ ذرا انکا منہ دھلوا دو۔ خدمتِ خلق کرنا ہی ہمارا اولین فرض ہے۔"

ڈرائیور پانی والی بوتل لیکر آ گیا۔ پہلے والے نے اپنی جیب سے فون نکال کر اُسکی سکرین پر پن ڈالنے کے بعد گیلری کھول کر ایک تصویر نکالی۔

منگو قد میں اُس آدمی سے اونچا تھا۔ جسمانی طور پر گاڑی والے دونوں آدمی منگو کے مقابلے میں ہٹے کٹے تھے۔ مریم کا ایک ہاتھ ابھی بھی منگو نے تھام رکھا تھا۔ وہ بُری طرح کانپ رہی تھی۔

فون والی تصویر کسی اور لڑکی کی نہیں بلکہ مریم کی ہی تھی۔

پانی کی بوتل کھول کر کانسٹیبل نے مریم کی جانب بڑھائی۔

"بی بی اپنے چہرے کی گرد صاف کرو۔"

مریم نے بوتل پکڑی مگر وہ ہاتھ سے گر گئی۔ کانسٹیبل بوتل اُٹھانے کو نیچے جُھکا تھا۔ جب منگو کے بھاری بوٹ کی ضرب نے اُسکے ناک کی ہڈی توڑ دی وہ وہیں زمین پر گر کر تڑپنے لگا۔ اُس کے ناک سے بھل بھل خون بہہ

رہا تھا۔

"مریم جا کر گاڑی میں بیٹھو۔۔۔"

منگو کے حکم پر مریم گاڑی کہ جانب بھاگی۔

جبکہ دوسرا آدمی اس دوران منگو پر بندوق تان چکا تھا۔

"تو وہ تم ہی ہو۔ ہمارے بندے مار کر ہمیں ہی چکما دیکر بھاگ رہے ہو۔ کیا نام تھا تمہارا۔۔ ہاں منگو۔۔۔ اب دیکھتا ہوں۔ تو یہاں سے زندہ کیسے جاتا ہے۔"

منگو نے اپنے دونوں ہاتھ اوپر اُٹھا دیئے۔

سامنے والے نے گولی چڑھائی منگو کو وقت مل گیا وہ تیزی سے اپنے پیروں پر جُھکا سارا وزن دونوں ہاتھوں پر ڈال کر اپنی ایک ٹانگ کو پورے زور سے حریف کی گھٹنوں پر مارا۔ وہ پہلی بار میں ہی لڑکھڑا گیا۔ گرنے کے دوران اُس نے منگو پر فائر کھول دیا۔ وہ آگے سے جُھکا بھاگا بھی مگر ایک گولی اُسکی بائیں ران کو چیرتی ہوئی نکل گئی۔ درد کی شدید لہر نے اُسکو چند لمحوں کے لیے بالکل مفلوج کر دیا۔

رکوع کی صورت میں جھکے ہوئے اُس نے اُس جانب نظر ڈالی جہاں گھر تباہ ہوا تھا۔ وہاں بہت سے لوگ نظر آ رہے تھے۔ فائر کی آواز پر اُنکی توجہ اس طرف ہو چکی تھی۔ منگو جانتا تھا۔ یہ وقت انتہائی قیمتی ہے۔ اگر ابھی نہ بھاگا تو وہ خود تو مرے گا ہی پر یہ ظالم لوگ مریم کے ساتھ بہت بُرا سلوک کریں گے۔

جسکے ناک پہ لگی تھی۔ وہ تو ابھی تک سیدھا پڑا کراہ رہا تھا۔ دوسرا لیٹے لیٹے ہی اپنی گن کے میگزین میں گولیاں بھر رہا تھا۔ موبائل پر نمبر ملانے کے بعد اُس نے سیٹ ابھی کان پہ رکھا ہی تھا۔ جب منگو کے بھاری بوٹ نے اُسکو ہوش کی دنیا سے غافل کر دیا۔

منگو نے جھک کر اُسکا فون اُٹھایا۔ اور لنگڑا کر چلتا ہوا گاڑی کی ڈرائیونگ سیٹ پر جا بیٹھا۔

اُسکا خون نکل رہا تھا۔ مگر چونکہ اُسکے ٹراوزر کا رنگ گہرا نیلا تھا۔ دیکھنے میں سب ٹھیک ہی لگا۔

ٹی شرٹ کے اوپر اُس نے فل آستین کی کالی شرٹ پہنی ہوئی تھی۔ جسے اُتار کر جلدی سے ران کے اوپری حصے پر باندھ دیا۔ تاکہ خون زیادہ نہ بہے۔

مریم نے وحشت زدہ آنکھوں سے منگو کے عمل کو دیکھا۔ پھر اپنے شک کی تصدیق کرنے کے لیے ڈرتے ہوئے اُسکے ٹراوزر کے گیلے نظر آتے حصے پر اُنگلی رکھ کر محسوس کیا۔

"ہائے میرے اللہ منگو بھائی آپ تو زخمی ہیں۔ کیا آپکو گولی لگی ہے؟۔۔۔"

اُس کی تشویش اور سوال وجواب کو مکمل طور پر اگنور کرتے ہوئے بیک ویو مرر سیٹ کیا۔ دور سے کچھ ہیولے گاڑی کی جانب آتے دیکھائی دیئے۔

اُس نے ہینڈ بریک ہٹائی اور گاڑی کو گئیر میں ڈالتے ہوئے آگے بڑھا دیا۔

ایک فائدہ اُسکو اُسکو یہ مل گیا۔ گاڑی کسی گورنمنٹ افسر کی تھی۔ اُس نے روڈ پر آتے ہی گاڑی کی سپیڈ بڑھا دی۔ جو فون اُس آدمی سے چھین کر لایا تھا۔ اُسکے سپیڈ ڈائل پہ ایک نمبر فیڈ تھا۔

منگو نے وہ نمبر ملایا۔ دوسری بیل پر ہی فون اُٹھانے کے بعد کوئی بے صبری سے پوچھ رہا تھا۔

"مجھے صرف اچھی خبر کا انتظار ہے۔ کیا وہ پکڑے گئے؟۔ اور اُس منگو کو زندہ حالت میں میرے پاس لانا۔ تا کہ میں بھی دیکھوں آخر کس مائی کے لال میں جرات آئی کہ وہ میرے منہ لگے۔"

"تمہاری باتوں نے ثابت کر دیا ہے۔ تم یقیناً ڈاکٹر نعیم بول رہے ہو۔ مبارک ہو جنکی تلاش میں تم نے پولیس کی وردی میں اپنے کرائے کے ٹٹو بھیجے تھے۔ وہ لوگ تو بالکل محفوظ ہیں۔ پر اپنے آدمیوں کی خبر لے لو۔ کافی تو پھٹڑ ہوئے ہیں۔ مرنے والوں کی تعداد سے میں ناواقف ہوں۔"

"کون بول رہا ہے؟۔۔۔"

"میں بول رہا ہوں منگو۔۔۔ ڈاکٹر بیماری۔۔۔ تجھے میں پہلا اور آخری موقع دے رہا ہوں۔ سرفراز کے بچوں کو اُنکے حال پہ چھوڑ دے۔ ورنہ موت تو تیری ویسے بھی میرے ہاتھوں ہی لکھی ہے۔"

ڈاکٹر نعیم نے گالیوں کی بوچھاڑ کر دی۔

"منگو یا پنگو تو جو کوئی بھی ہے۔ تیری بھلائی اسی میں ہے۔ تو سرفراز کے بچوں کو میرے حوالے کر کے اس معاملے سے نکل جا۔ ورنہ میں تیرا وہ حشر کرونگا۔ نہ تجھے موت آئے گی اور نہ ہی تو زندہ رہے گا۔"

"میں سرفراز کے بچے ہی کیا۔ سرفراز کو بھی تیرے حوالے کرنے کو تیار ہوں۔ تو بس مجھے کہیں سے بابر مراد

برآمد کردیے۔"

"کون بابر مُراد میں کسی بابر مُراد کو نہیں جانتا ہوں۔"

"تیری یادداشت کے تمام پیچ جو وقت کے ساتھ ڈھیلے ہو گئے ہیں۔ میں بہت جلد رُو برو مل کر تجھے ایسا سیٹ کرونگا۔ تجھے ہر اُس بچے کا نام یاد آ جائے گا۔ جسے مار کر تو نے ماضی کے صفحات میں دفنا دیا ہوا ہے۔"

منگو نے فون بند کر کے کھڑکی سے باہر پھینک دیا۔

آدھے گھنٹے مسلسل گاڑی چلاتے رہنے کے بعد اُس نے ایک جگہ گاڑی روکی۔ اور مریم کو باہر نکلنے کا بولا۔

اپنی جگہ سے نکل کر اُس نے جیب میں سے ایک ریموٹ نکال کر اُسکا بٹن دبایا۔

وہ سکریپ گاڑیوں کا ورک شاپ تھا۔ منگو نے ریموٹ کا بٹن دبایا تو اندھیرے میں ایک گاڑی کی ہیڈ لائٹ آن ہو کر بند ہو گئی۔

جیسے اپنی موجودگی کا پتا دیکر انتظار میں خاموش ہو گئی۔

پیچھے سے لائی گاڑی چابی اندر ہی لگی چھوڑ کر دوسری کی جانب بڑھ گیا۔

"یہ گاڑی کس کی ہے؟۔۔۔"

"اپنی ہے۔ تم جلدی اندر بیٹھو۔۔۔"

"آپکو ڈاکٹر کی ضرورت ہے۔ پلیز بھائی کسی ہاسپٹل میں چلو۔"

"نہ نہ ایسا ممکن نہیں ہے۔ سب سے پہلے تمہیں محفوظ کرنا ہے۔ اُسکے بعد کچھ اور۔۔۔"

ابھی جگہ پر بیٹھ کر اُس نے ہاتھ بڑھا کر ڈیش بورڈ کا خانہ کھولا وہاں رکھا ایک سفید رنگ کا بیگ نکالا۔

بیگ میں فرسٹ ایڈ کا سامان تھا۔ مریم دیکھتی ہی رہ گئی۔ منگو نے بیگ سے ایک سرنج لیکر مطلوبہ محلول سے بھری اور پھر کانپتی گرفت کے ساتھ اپنی ٹانگ میں ٹیکا لگانے کے بعد پوری طرح سے ڈرائیونگ کی طرف متوجہ ہو گیا۔ وہ یقیناً شدید تکلیف میں تھا۔

"میں تمہیں اپنے افسر کے گھر چھوڑنے جا رہا ہوں۔ تم وہاں بالکل بے فکر ہو کر رہنا۔ میں ایک دو دن میں تمہیں لینے آؤنگا۔ تمہارے باپ نے خودکشی کی کوشش کی ہے۔ جب تم اپنی امی کی قبر پر جانے کے لیے ضد کر

رہی تھیں۔ اُس وقت مجھے میسج موصول ہوا تھا۔ ڈاکٹر اپنی کوشش کر رہے ہیں۔ مگر اُسکے بچنے کی زیادہ اُمید نہیں ہے۔ کیونکہ وہ اپنی زبان سے صرف موت مانگ رہا ہے۔ ارسلان منیر کے ساتھ رہے گا۔ اُس کے لیے پریشان مت ہونا۔"

اُس نے اپنے فون پر نمبر ملایا۔

"اسلام وعلیکم سر میں آپکے دروازے پہ موجود ہوں۔ پلیز ایک مہمان کو قبول کریں۔"

"منگو یہ معاملہ جتنا کنفیڈنشل رکھا جانا تھا۔ اب اُتنا ہی اُچھالا جائے گا۔ کیونکہ خبروں تک رسائی حاصل کر گیا ہے۔"

"سر لوگ صرف قیاس آرائیوں سے کام لے رہے ہیں۔ اس وقت ساری تفصیل میں جانے کا میرے پاس وقت نہیں ہے۔ آپ باہر آکر اس بچی کو اندر لے جائیں۔"

"منگو میں نہیں جاؤنگی۔ مجھے تمہارے ساتھ جانا ہے۔"

اُس نے گاڑی ایک گیٹ کے سامنے روکی۔

"پاگلوں والی بات نہ کرو مریم۔ جاؤ شاباش جلدی سے اندر جاؤ۔"

"مجھے ڈر لگ رہا ہے۔ کیا پتا ڈاکٹر کے آدمیوں نے ارسلان اور منیر کو پکڑ لیا ہو۔"

"میں منیر کو کہہ دیتا ہوں۔ وہ تم سے رابطہ کر کے ارسلان کے ساتھ بات کروا دے گا۔ ادھر احسان اللہ صاحب کی بیٹی کے ساتھ تمہارا وقت اچھا گزرے گا۔ اُنکا نام ایمن صالحہ ہے۔ اور وہ ایک سائکالوجسٹ ہیں۔"

مریم نے اپنے آنسو صاف کیئے۔ اور آگے بڑھ کر منگو کے گلے میں بانہیں ڈال کر ملی۔

"اللہ حافظ منگو۔۔۔"

منگو کتنی دیر اپنی جگہ ہل بھی نہ سکا۔ چیف احسان اللہ خود گیٹ پر آئے تھے۔ مریم گاڑی سے نکل کر اُنکی جانب بڑھی۔ منگو نے چیف کو ہاتھ ہلاتے ہوئے گاڑی آگے بڑھا دی۔

اس وقت درد اور اُداسی نے ایسی حالت کر دی کہ اُسکو صرف ایک ہی چہرہ یاد رہ گیا۔ جی چاہ رہا تھا۔ اُڑ کر اُس کے پاس چلا جائے۔ پچھلی دفعہ اچانک سے اُسکے سامنے جا کر منگو نے اُسکو حیران تو کر ہی دیا تھا۔ مگر اُسکے

بغیر اجازت اُسکے لبوں کے جام پی کر اُسکو ناراض بھی کر چکا تھا۔ پہلے وہ منگو کے میسج کے انتظار میں رہتی تھی۔ اور آج کل منگو دیوانہ ہوا تھا۔ کیونکہ وہ ناراضگی دیکھانے میں اتنی سخت ثابت ہو رہی تھی۔ اُس کے ایک میسج کا جواب تک نہ دے رہی تھی۔ اور وہ ہر روز پاگلوں کی طرح دس دفعہ معافی مانگ رہا تھا۔ وہ جتنا دور بھاگ رہی تھی۔ منگو کے اندر اُسکو پانے کی پیاس اور بھی بڑھتی جا رہی تھی۔ نہ جانے اس پیاس کے مقدر میں وصال کی گھڑیاں تھیں۔ یا فقط فراق ہی فراق تھا۔

☆......☆......☆

ڈاکٹر نعیم کا سفید چمک دار چہرہ اس وقت غصے سے نیلا کالا ہو رہا تھا۔

"تم سب کے سب حرام خور ہو۔ کچھ نہیں کر سکتے۔ کل اُس نے ہمارے ایک خاص بندے رزاق کو مارا ہے۔ اور آج تم سب کی ماں بہن کر گیا ہے۔ تم لوگوں سے ایک آدمی نہیں پکڑا جا رہا۔ ابھی تو وہ خو بار بار تم لوگوں کے سامنے آ رہا ہے۔ تو یہ حال ہے۔ اگر اُسکو ڈھونڈنا پڑ جاتا تو کیا بنتا۔"

وسیم کا فیکچر ہونے والا بازو ابھی تک پلاسٹر میں تھا۔ جسکی وجہ سے وہ کہیں آ جا نہیں رہا تھا۔ اس صورت میں باہر کا کام ڈاکٹر نے اپنے خاص محافظوں کو سونپا ہوا تھا۔ جن کا انچارج اس وقت سر جھکائے بے عزتی کروا رہا تھا۔

"سر ہمارا زیادہ نقصان پٹرول پر بھڑکنے والی آگ کی وجہ سے ہوا ہے۔ چار لوگ جھلس گئے ہیں۔ تین چار کو ہسپتال بھیج کر ادھر آ رہا ہوں۔ ہماری پوری کوشش ہے۔ ہم بہت جلد اُسکو پکڑ لیں گے۔"

"خاک پکڑو گے۔ تم لوگ جو کر سکتے تھے۔ کر چکے ہو۔ وہ کوئی عام کھلاڑی نہیں لگ رہا ہے۔ یقیناً اُسکے پیچھے کوئی بہت بڑا ہاتھ ہے۔ چند دن کے لیے تم سب میں سے کوئی بھی اس طرف کا رُخ نہیں کرے گا۔ سب کے سب لوگ انڈر گراؤنڈ ہو جاؤ۔ ابھی ساری مصروفیت ترک کر دو۔ مجھے یہاں کوئی بندہ نظر نہ آئے۔ وسیم موتی اور گلزار کو بول کر نیچے تہہ خانوں کو تالے لگوا دو۔ سب ثبوت یہاں سے نکال کر ضائع کر دو۔ اور باقی جو جو کچھ ضروری ہو۔ وہ پسرور والے گھر میں منتقل کر دو۔ وسیم تم خیال کر لینا۔ اور میری ساری فیملی کی ڈبئ کے لیے ٹکٹس کروا کر کل ہی انکو یہاں سے نکال دو۔"

"مجھے کچھ دنوں کے لیے ضروری کام سے کراچی جانا ہے۔وہاں کے کام کو بھی کچھ دیر بند کرنا ہوگا۔کم ازکم جب تک یہ سارا معاملہ دب نہیں جاتا۔"

"بھائی تہہ خانے میں جو بچے بند ہیں۔اُنکا کیا کرنا ہے؟۔۔۔"

"اُن سے جان چھڑواؤ اگر خود سے کہیں دفعہ ہو جاتے ہیں۔تو ٹھیک ورنہ مار دو۔میں صرف یہ چاہتا ہوں۔اگر کوئی ایجنسی ادھر ریڈ کرنے آئے۔اُنکو یہاں پر کچھ بھی نہیں ملنا چاہیے۔نچلا گودام سارا دوائیوں سے بھر دو۔کیمرے وغیرہ سب غائب کرو۔اور یہ سب رات کے رات ہونا چاہیے۔دن چڑھنے سے پہلے تم سب کے سب اپنی شکلیں گم کرلینا۔جاؤ اب کام کرو جا کر۔"

کمرہ خالی ہونے کے بعد ڈاکٹر نے اپنا موبائل اُٹھایا۔اور اپنے بہنوئی کا نمبر ملایا۔

"اسلام وعلیکم ظفر بھائی آپ سے ایک چھوٹا سا کام ہے۔"

"ہاں ہاں بس یہی سمجھ لیں۔"

"مجھے ایک آدمی کی کھوج ہے۔اُسکا نام منگو ہے۔مجھے یہ پتا کروا کردیں یہ کس ایجنسی کے لیے کام کرتا ہے۔اسکا ڈیلر کون ہے۔اسکو بابر مراد والا کیس کس نے دیا ہے۔"

"اگر یہ مشکل کام ہے۔تو بہنوئی صاحب یاد رہے۔آپ جیسے نالائق میٹرک فیل کو اسمبلی تک پہنچانے کا کام بھی آسان نہیں تھا۔مگر ہم نے اپنا پیسہ بے دریغ لٹایا۔صرف آج کے دن کے لیے سُنا آپ نے۔۔۔!! آئندہ مجھے نفی میں جواب دینے سے پہلے ہزار دفعہ سوچنا۔"

اُس نے فون بند کر کے میز پر پٹخ دیا۔اپنے ڈیسک کے دراز میں سے برانڈیڈ وہسکی کی بوتل نکال کر پینے لگا۔عام طور پر وہ ایسے بوتل کو منہ لگا کر پینے کو بدتہذیبی سمجھتا تھا۔مگر اس وقت اُسکی ذہنی حالت ابتر ہو رہی تھی۔

منگو کے منہ سے بابر مُراد کا ذکر بالکل بھی پسند نہیں آیا تھا۔نعیم بابر مُراد کو بھولا نہیں تھا۔اور ویسے بھی یہ تو ابھی کل کی بات ہے۔وہ تو برسوں پہلے والے عابدین عباس کو بھی نہیں بھولا تھا۔

دونوں میں ایک بات مشترک تھی۔دونوں انتہائی خوبصورت بچے تھے۔بہت صبر اور محنت کے بعد نعیم کے ہاتھ لگے تھے۔

اُسکا شاطر دماغ بہت کُچھ سوچ رہا تھا۔ منظر سے غائب ہو جانا ہی موزوں لگ رہا تھا۔
اُس نے وِسکی کی خالی بوتل بن میں پھینکی اور اپنی گاڑی کی چابی لیے وہاں سے نکل گیا۔

☆......☆......☆

''تاشفہ ان میں سے جو جوڑا تمہیں پسند ہے۔ وہ تم لے لو۔''

سیماب کے کہنے پر اُس نے اپنے سامنے کُھلے پڑے جدید کٹ اور ڈیزائن کے مختلف سوٹوں پر نظر دوڑائی۔ اب بہن کو یہ سمجھانا تو مشکل تھا۔ مجھے رنگوں سے نفرت ہو گئی ہے۔ اور وجہ جانتی ہو کیا ہے؟۔ وجہ وہ شخص ہے۔ جس سے پہلے اور جس کے بعد مجھے کسی اور کا نام بھی یاد نہیں ہے۔ اُسکی جانب سے ایک آواز آ جائے تو میں جی اُٹھتی ہوں۔ آج کل میں نے اُسکی آواز پر لبیک کہنا چھوڑ دیا ہے۔ یوں محسوس ہوتا ہے۔ جیسے اپنی ہی شاہرگ کو اپنے ہی ہاتھوں سے کاٹ رہی ہوں۔ بھلا اُسکے بغیر میں جی سکوں گی؟۔۔۔ مجھے اپنے دل کے اُس حصے سے بڑی نفرت ہے۔ جو ہر دم اُسی کے گیت گاتا ہے۔ دل کے اُس حصے سے اور بھی نفرت ہے۔ جو اُسکو بھول جانا چاہتا ہے۔ بھلا اُسکو کیوں بھولنا جسکو یاد کرنے میں زمانے لگے۔ شعور کی دنیا میں داخل کس نے کیا؟۔۔۔ اُس نے۔۔۔

بار بار مخاطب کر کے اپنی آواز سُننے پر مجبور کس نے کیا؟۔۔۔ صرف اُس نے۔۔۔

یہ احساس کس نے دلوایا کہ دنیا میں ماں باپ اور بہن بھائی کے علاوہ بھی کوئی رشتہ ایسا ہے۔ جو آپکا خونی تعلق نہیں ہے۔ پر جان سے عزیز ہے۔

''کہاں گُم ہو جاتی ہو؟۔۔۔''

''ہاں کہیں نہیں۔۔۔''

''تو پھر جلدی اپنی پسند بتاؤ۔ بچے گاڑی میں باپ کو تنگ کر رہے ہونگے۔ پھر ایویں اُنکا پارہ ہائی ہو جانا ہے۔'' سیماب کا اشارہ اپنے شوہر کی جانب تھا۔ جو بچوں کو لیکر گاڑی میں انتظار کر رہے تھے۔

''یہ والا کیسا رہے گا۔ تمہارے پاس پیلے رنگ کا کوئی بھی جوڑا نہیں ہے۔''

''چلیں یہی لے لیتی ہوں۔''

''بڑا احسان کرو گی۔''

اُسکو جواب دینے کے بعد سیماب دُکاندار سے مخاطب ہوئی۔

''بھائی یہ چاروں سوٹ پیس پیک کر دیں۔اور انکا فائنل مناسب ریٹ بتائیں۔

''میری باجی جو ریٹ میں نے پہلے بتایا ہے۔وہ بالکل مناسب ہے۔یقین ماہیے ہماری تو خرید اُتنے میں نہیں بیٹھتی۔''

''تم لوگ ہر دفعہ یہی کہتے ہو۔''

''میری باجی اپنی پسند بھی تو دیکھوناں چیز آپ سب سے اچھی پسند کرتی ہو۔اور پیسے دیتے وقت کنجوس بن جاتی ہو۔''

''توبہ استغفار تم لوگوں کے ساتھ سر کھپانا دس نفلوں کا گھاٹا ہے۔یہ لو پکڑو اس دفعہ تو میں جلدی میں ہوں۔مگر اگلی دفعہ کسر نہیں کھاؤنگی۔''

سیماب نے جلدی میں رقم نکال کر دُکاندار کے سامنے رکھی۔جو کہ اُنکے گاؤں کا لڑکا تھا۔سیالکوٹ شہر میں اُسکی کپڑے کی دُکان تھی۔

اب دونوں بہنیں مارکیٹ سے نکل کر گاڑی کی جانب جا رہی تھیں

''آپی تم مواحد بھائی کی شرافت کا کُچھ زیادہ ہی فائدہ نہیں اُٹھاتی ہو۔''

تاشفہ کی بات پر سیماب کو پوچھنا پڑا۔۔۔

''وہ کیسے۔۔۔؟''

''پہلے گلگت کے ٹرپ سے۔بہنوں اور امی کے لیے چیزیں لائی ہو۔اور اب یہ سوٹ دلوا دیے ہیں۔''

''ہاں تو اپنی جیب سے دلوائیں ہیں۔مواحد کا کیا گیا ہے۔جو اُسکو اعتراض ہوگا۔''

''یہ بھی اچھی غنڈا گردی ہے۔بیوی اگر اپنا کمانے والی ہو تو کیا وہ یوں شوہر کا جی جلائے گی۔''

''پہلی بات تو یہ کہ میں نے صرف اپنی ماں بہنوں کے لیے شاپنگ نہیں کی۔مواحد کی امی اور بھابھیوں کے لیے بھی کی ہے۔بہن تو اُسکی ہے کوئی نہیں۔میں کونسا دوسرے دن تم لوگوں کو گفٹس دیتی ہوں۔یہی کبھی جب

موقع بن جائے۔شادی کے بعد تو میں نے امی کی کوئی مدد نہیں کی ہے۔"

"شادی سے پہلے جو اتنا کچھ کر دیا وہی کافی ہے۔اب بس اپنا اور میاں کا خیال کرو۔ہماری فکر مت کیا کرو۔ہم لوگ مزے میں ہیں۔"

"آج خاص کر امی نے مجھے تم سے اکیلے میں بات کرنے کو کہا تھا۔اسی لیے چھوٹی کو بھی ساتھ نہیں آنے دیا۔"

"ایسی کیا بات تھی۔جس کے لیے اس قدر رازداری برتی گئی۔"

"تاشفہ تمہارے لیے ایک رشتہ آیا ہے۔"

بیچ راستے اُس کے قدم تھم گئے۔ پیچھے آنے والی عورت اُس کے ساتھ ٹکرا گئی۔اور برہمی کا اظہار کرتے ہوئے سائیڈ سے نکل گئی۔سیماب نے اُسکو ہاتھ سے پکڑ کر ایک طرف کھینچا۔

اُسکے چہرے پر کوئی تاثر نہ تھا۔مگر رنگ بدل گیا۔

"تاشی کیا بیوقوفی ہے۔اتنا رش والا بازار ہے۔تیزی سے آنے جانے والے لوگوں کے درمیان میں یک دم کھڑے ہو جانا انتہائی خطرناک ہے۔"

"اُس سے زیادہ خطرناک آپ کی بات ہے۔"

سیماب نے تاشفہ کی ویران نظروں میں دیکھا۔دل ڈوب گیا۔گاڑی میں بیٹا شوہر بچے سب بھول کر اُسکو ساتھ لیے ایک فوڈ شاپ میں آ گئی۔

"بیٹھو ادھر۔۔۔"

ساتھ ہی اُسکے لیے ٹھنڈا پانی آرڈر کیا۔تاشفہ کے ہاتھ ٹھنڈے برف ہو رہے تھے۔چہرہ لٹھے کی طرح سفید۔۔۔

سیماب کی آنکھوں میں پانی آ گیا۔

"تاشی تم مجھے ڈرا رہی ہو۔رشتہ آیا ہے۔ہم نے رشتہ طے نہیں کیا۔یہ لو شاباش پانی پیو۔۔۔!"

"آپی پانی پینے سے من کی آگ نہیں بجھتی نہ کم ہوتی ہے۔پھر مجھے پانی کیوں پلا رہی ہو۔کوئی فائدہ نہیں

ہونا۔ مجھے علم تھا۔ ایک دن میں نے سولی چڑھائے جانا ہے۔ پر مجھے اُمید نہیں تھی کہ وہ دن اتنی جلدی آجانا ہے۔''

''شادی ہونے سے کوئی سولی نہیں چڑھتا پگلی۔ ہمارے امی ابو کی شادی ہوئی تھی۔ میری ہوئی ہے۔ ساری دنیا میں کڑوڑوں لوگ ہر روز اس بندھن میں بندھتے ہیں۔ یہ تو بڑا مبارک رشتہ ہے۔''

''آپی اپنے جیسے خوش بختوں کی مثال نہ دو۔ میرے جیسے بد بخت اگر نظر میں ہیں تو اُنکی مثال لادو۔''

''تاشی میری جان اپنے سے محبت کرنے والوں کو یوں ازیت نہیں دیتے اللہ کو یہ بات پسند نہیں ہے۔''

''خوشی سے کون خودکشی کرتا ہے آپی۔''

''تاشی وہ باہمت لوگوں کو بہت پسند کرتا ہے۔''

''پسند تو بڑی چھوٹی چیز ہے آپی۔ کیا وہ اُن سے محبت بھی کرتا ہے؟۔۔۔''

سیماب کے آنسو چھلک پڑے۔۔۔ دوپٹے کے پلو میں جذب کرتے ہوئے تھوڑے وقفے بعد جب بولنے کے قابل ہوئی تو کہا۔

''یہ اُسکی محبت ہی ہے۔ جو ہمارے دلوں کو تمہارے حق میں حد سے زیادہ نرم کر دیا ہوا ہے۔ وہ جن سے محبت کرتا ہے۔ لوگوں کے دلوں میں اُنکی محبت ڈال دیتا ہے۔''

''پھوپھی شمیم کو تو مجھ سے شدید نفرت ہے۔''

''اُس کا یہاں کیا ذکر۔۔۔؟۔''

''اگر اللہ کو مجھ سے محبت ہے۔ تو وہ شمیم پھوپھی کے دل میں میرے لیے محبت کیوں نہیں ڈال دیتے۔''

''دیکھو وہ عورت ہمارے لیے اتنی اہم بالکل نہیں ہے کہ ہم اُسکی باتوں کو یوں ذہن پہ سوار کریں۔''

''ایسا کہہ دینے سے تکلیف تو ختم نہیں ہوگی۔ یہ حقیقت ہے۔ وہ ابو کی بہن ہیں۔ یہ بھی حقیقت ہے۔ وہ ہمارے گھر بہت آیا کرتی تھیں۔ ابو سے بے انتہا محبت تھی۔ مگر پھر میری وجہ سے اُنہوں نے پہلے ہمارے گھر آنا چھوڑا۔ پھر ابو کو بھی چھوڑ دیا۔ صرف میری وجہ سے آپی صرف میری وجہ سے امی کو اپنے بیوگی کے دن حالات کے ساتھ اکیلے لڑ کر گزارنے پڑے ہیں۔ فقط میری خاطر اُنکی سُسرال اور میکے نے اُنکو تنہا کر دیا۔''

”تو ہم کونسا مر گیے ہیں۔ہم زندہ ہیں۔الحمدُ اللہ بہت بہتر حال میں ہیں۔اپنی محنت کے سر پہ اپنے پیروں پہ کھڑے ہیں۔کسی کے آگے ہاتھ نہیں پھیلاتے۔لوگوں نے ساتھ چھوڑا تھا۔اللہ نے تو تنہا نہیں کیا۔“

”تنہا کرنا اور کیا ہوتا ہے آپی؟۔۔۔“

”تاشفہ وہ لوگ ہمارے لیے اہم نہیں ہیں۔تم اہم ہو۔اب کیا تم دوسروں کے کیے کی سزا بھی ہمیں دوگی۔“

”آپ کو میری وجہ سے کوئی تکلیف آئے آپی میں ایسا سوچ بھی نہیں سکتی ہوں۔“

”تو پھر رشتے کے نام سے ڈرنا چھوڑ دو۔“

”مجھے شادی نہیں کرنی ہے۔“

”کیوں نہیں کرنی ہے؟۔۔۔“

”وجہ آپ بہ خوبی جانتی ہیں۔“

”تاشفہ انسان پر آزمائشیں آجاتی ہیں۔مشکل وقت کا شکار ہو جاتا ہے۔کوئی مصیبت آجاتی ہے۔اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہوتا کہ ہم اُس کیفیت یا اُس مشکل کو ساری عمر کے لیے اپنے اوپر طاری کر کے رکھیں۔ انسان کو اللہ نے لکیریں پیٹنے کے لیے پیدا نہیں کیا۔ایک ہی بات کو زہن پر سوار کر کے ساری عمر کا روگ پالنے کے لیے پیدا نہیں کیا ہے۔اللہ نے تو یہ بھی اجازت نہیں دی کہ انسان دنیاداری سے کٹ کر اللہ اللہ کرتا جنگلوں کو نکل جائے۔پھر وہ کیسے چاہے گا کہ اُسکا بندہ یا بندی ایک آزمائش کے پیچھے اپنے آپ کو یوں تنہا کر لے۔“

”میں نے کب خود کو تنہا کیا ہے۔آپ سب تو میرے ساتھ ہو۔بس میں شادی نہیں کرنا چاہتی۔“

”دیکھ میری جان سب سے پہلے اپنے دماغ میں ایک بات بٹھا لے۔تو یورپ کی بسنے والی کوئیگوری نہیں ہے۔جو اپنی مرضی کے سر پہ ساری عمر شادی نہ کرے کام کرے اچھا کمائے کھائے اور یونہی عمر بتا دے۔تو مشرق میں پیدا ہونے والی ایک پاکستانی لڑکی ہے۔جس معاشرے میں بسنے والے پچانوے فیصد مرد کی خواہش یہی ہوتی ہے اُنکی شادی ایک کم عمر لڑکی سے ہو۔پچیس سے لڑکی کی عمر اوپر گئی نہیں اور ماں باپ نے اس بات کو سر پر سوار کر لیا ہوتا ہے۔لڑکی کی عمر نکلی جارہی ہے۔اور ہماری امی بھی یہیں کی پلی بڑھی ہیں۔وہ بھی دن رات اب تمہاری شادی کی فکر میں رہتی ہیں۔کیونکہ نہ تو تمہارے سر پر باپ ہے نہ بھائی اب جو کرنا ہے۔میں نے اور امی

نے ہی کرنا ہے۔"

"اگر واقعی کچھ کرنا چاہتی ہیں تو پھر ایک احسان کر دیں۔"

"وہ کیا۔۔۔؟۔۔۔"

"میری شادی کا خیال اپنے دل سے نکال دیں۔"

"تاشی میں جانتی ہوں۔تمہارا بہت عرصے سے کسی لڑکے کے ساتھ رابطہ ہے۔کیا تم دونوں صرف دوست ہو یا کچھ اور بھی ہے؟۔"

تاشفہ کو لگا جیسے دل سینے کی قید سے نکل کر دھڑک رہا ہو۔

کہیں سیماب اُس کے چہرے پر آنے والے رنگ نہ دیکھ لے اس ڈر سے اُس نے چہرہ جھکا لیا۔

"کیا وہ تم سے شادی کرنا چاہتا ہے؟۔۔۔"

تاشفہ کے گالوں سے دُھواں نکلنے لگا۔

"میں آپکو بتا چکی ہوں آپی مجھے شادی نہیں کرنی ہے۔"

"اسکا مطلب ہے۔وہ لڑکا تمہارے ساتھ سنجیدہ ہے۔"

"میں نے یہ بھی نہیں کہا۔۔۔"

"پہیلیاں تو مت بجھواؤ تاشی۔۔۔"

"گھر چلیں۔۔۔؟۔۔۔"

"اگر تم خود اُس سے شادی کی بات نہیں کرنا چاہتی ہو۔تو کم از کم مجھے ہی اُسکا نمبر دے دو۔میں اُسکی مرضی جان لونگی۔"

"کیا کہیں گی؟۔میری بہن سے بھیک میں شادی کر لو۔"

"بھیک میں کیوں؟۔اگر تم اُس سے محبت کرتی ہو۔تو کیا وہ تم سے محبت نہیں کرتا؟۔۔۔"

تاشفہ نے حیرت سے بڑی بہن کو دیکھا۔۔۔

"آپی مجھے اُس سے محبت نہیں ہے۔"

''تاشفہ میں اتنی بھی اندھی اور بیوقوف نہیں ہوں۔ جتنی نظر آتی ہوں۔ تم مجھے نمبر دے دو باقی کام میرا ہے''

''نمبر لے لیں۔ مگر اُسکو کال کرنے سے پہلے مجھے زہر دے لینا۔''

''اب یہ بکواس کس لیے۔''

''کیونکہ مجھے شادی نہیں کرنی ہے۔''

''تمہاری سوئی ابھی بھی وہیں کی وہیں اٹکی ہوئی ہے۔ اسکا مطلب میرے اتنا سر کھپانے کا کوئی فائدہ نہیں ہوا۔''

''سر کھپانے سے مسائل حل ہو جاتے تو آپی میں نے خود اپنے ساتھ بہت سر کھپایا ہے۔ مگر حاصل وصول کچھ نہیں ہوا۔''

''تاشفہ تم گھر سے نکل کر نوکری کرنا نہیں چاہتی تھیں۔ خاص کر جو نوکری اس وقت کر رہی ہو۔ وہ فیصلہ کس قدر مشکل تھا۔ مگر امی کی خاطر تم نے ہاں کر دی۔ چندہ اب بھی امی کا خیال کرو۔ وہ تمہاری شادی کرنا چاہتی ہیں۔ میں یہ نہیں کہہ رہی کہ ابھی کے ابھی ہی شادی کر دینی ہے۔ آج رشتہ آیا ہے۔ ابھی ہم کوئی دو چار ماہ کا وقت سوچنے کے لیے لیں گے۔ میں چاہتی ہوں۔ تم اس دوران اپنے آپ کو ذہنی طور پر تیار کر لو۔ اپنی سوچ کو اس نقطے پہ لاؤ۔ شادی ضروری عمل ہے۔ سب کی طرح تمہاری بھی ہونی ہے۔ اگر چاہو تو اپنی ڈاکٹر کے ساتھ ڈسکس کر لینا۔ جو تمہارے تحفظات ہوں۔ تم ڈاکٹر کے سامنے کُھل کر بیان کر سکتی ہو۔ وہ یقیناً تمہاری مدد کرے گی۔''

تاشفہ اپنے اندر کی جنگ بہن کے سامنے نہ رکھ سکی۔ چاہ کر بھی نہ رکھ سکی۔ آنکھوں میں نمی لئے گردن ہلا دی۔ سیماب اتنے میں ہی مطمئن ہو گئی۔ چلو مانی تو۔

واپسی کا سارا راستہ جو چپ تاشفہ کے لبوں پر لگی تھی۔ وہ چپ رات تک قائم رہی۔ کھانے کے بعد ٹی وی دیکھا۔ سیماب کے بچوں نے چھوٹی خالہ کے ساتھ مل کر خوب شور و غل کیا۔ وہ تب بھی خاموش نظروں سے سب دیکھتی رہی۔ چہرہ ہر تاثر سے پاک تھا۔

امی بار بار اُسکو دیکھ رہی تھیں۔ دل میں خود کو کوسا بھی

''شائد شادی والی بات ابھی نہیں کرنی چاہیے تھی۔ بازار جانے سے پہلے کتنی خوش تھی۔ اب یوں ویران بیٹھی

ہے۔" سیماب نے اُنہیں تسلی دی۔

"پریشان نہ ہوں۔آج یا کل بات تو کرنی ہی تھی۔اور اسکا ردِعمل تب بھی ایسا ہی آنا تھا۔شادی کے نام پر اپنی ہم عمر لڑکیوں سا رویہ کبھی نہیں اپنائے گی۔امی آپ کمزور نہ پڑیں۔آپکا حوالہ دیکر میں نے اسکو بلیک میل کرنا ہے۔اور اگر آپ ہی نرم پڑ گئیں۔اس نے پھر قابو نہیں آنا۔اسلیے اُسکی جانب سے کچھ عرصہ آنکھیں موندھ لیں۔ یہی ہم سب کے لیے بہتر ہوگا۔"

"اچھا بڑی آپا جی۔اور وہ رشتے والوں کو کیا جواب دینا ہے۔؟"

"اُنکو کہہ دیں ہمیں سوچنے کے لیے وقت درکار ہے۔اس دوران لڑکے کے بارے میں چھان بین بھی کروا لیں گے۔"

"رشتے والی عورت لڑکے کی تصویریں دیکر گئی ہوئی ہے۔تم مناسب سمجھو تو تاشفہ کو دیکھا دو۔اگر اُسکو لڑکا ہی پسند نہ ہوا۔تو کیوں اُسکو ذہنی کوفت کا شکار رکھنا۔"

"آپ صبر کریں۔ابھی تو نہیں مگر جب اگلی دفعہ چھٹی پر آئے گی۔تب دیکھا جائیگا۔۔۔"

"جیسے مناسب سمجھو۔اُٹھو اب گیارہ بج گئے ہیں۔سو جاؤ بچے بھی سارے دن کے تھکے ہوئے ہیں۔"

سب سے پہلے تاشفہ اپنے کمرے میں گئی۔اور کمرہ اندر سے لاک کر لیا۔عام طور پر بھانجی کو اپنے ساتھ سلاتی تھی۔پر آج وہ بالکل خالی تھی۔کسی کو دینے کے لیے دو حرف محبت کے نہ تھے۔

بیڈ پر کُھلی آنکھوں سمیت چت لیٹے لیٹے نہ جانے کتنا وقت گُزر گیا۔فون مُٹھی میں بند تھا۔پر آج کل اُس نے فون کو دیکھنا چھوڑ دیا تھا۔

وہ پچھلی ملاقات پر جو نئے در کھول کر گیا تھا۔تاشفہ نے ابھی تک اُسکو معاف نہیں کیا تھا۔کیا حق تھا اُسکو؟ وہ کیوں اتنا قریب آیا؟ کیوں ایک حد پار کر گیا؟۔۔۔کیا میں نے اُسکو اس قدر بیباکی کی اجازت دی؟

مگر اُس نے اجازت مانگی کب تھی۔وہ کب کبھی کوئی کام اجازت مانگ کر کرتا ہے۔بغیر اجازت کے زندگی میں آیا۔بغیر اجازت کے دل میں براجمان ہوا۔اور اب بغیر اجازت کے اپنا اسیر کر گیا۔وہ کیسے اُسکو بتاتی تمہاری خوشبو ابھی تک تصور میں آباد ہے۔یہ خوشبو نہ ہاتھ دھونے سے جاتی ہے۔نہ ہونٹ پونچھنے سے جاتی

ہے۔وہیں کی وہیں ہے۔آؤ اور یہ واپس لے جاؤ۔
کبھی کبھی اُسکو یہ خیال آتا۔کیا کسی سے اس قدر محبت جائز بھی ہے؟۔۔۔کیا اس شدت کی محبت کی اجازت ہے؟ جہاں تمہارا دل اگلے کے سارے گناہ معاف کر دے۔دل اُسکو قصوروار تک نہ گردانے۔کیوں؟
۔۔۔فون کی بیپ نے خیالوں کی دنیا سے نکالا۔
سکرین پر اُسی کا نمبر تھا۔
ہاتھ بے اختیار ہو کر نوٹیفیکیشن کھولنے لگے۔
''میں تمہارے دروازے کے باہر کھڑا ہوں۔دروازہ کھولو''
ہڑبڑا کر اُٹھ بیٹھی۔پھر خیال آیا اُسکو کیا علم میں کہاں ہوں۔اسی لیے لکھ بھیجا۔
''کس دروازے کے باہر۔۔۔''
جواب فون پہ نہیں آیا۔بلکہ کمرے کا جو کمرہ باہر کو کھلتا تھا۔اُس پہ ہلکی سی دستک ہوئی۔
تاشفہ کو لگا یقیناً کوئی مذاق ہوگا۔دوپٹے کا بھی ہوش نہ رہا۔بیڈ سے اُتری اور آگے بڑھ کر جلدی سے لاک کھول کر دروازے کا ایک پٹ وا کیا۔سامنے گہرے اندھیرے کے سوا اور کچھ نظر نہ آیا۔
روئی ہوئی آنکھیں' کچھ ڈھونڈتی ہوئی بے تاب نظریں۔۔۔سفید ٹراوزر پہ پیلا کُرتا۔لمبے سلکی بال گھٹاؤں کی طرح پھیلے ہوئے تھے۔
جب کوئی نظر نہ آیا۔چہرے پہ مایوسی اور آنکھ میں پانی ایک ساتھ آیا تھا۔اور وہ جو اندھیرے میں جھاڑی کی اوٹ سے یک ٹک اُسکے روشنیاں لُٹاتے سراپے کو دیکھ رہا تھا۔گہری سانس بھر کر لنگڑاتا ہوا آگے بڑھا۔
وہ دروازہ بند کر رہی تھی۔جب خون سے رنگا ہاتھ درمیان میں نظر آیا۔اُسکے حلق سے چیخ برآمد ہوتی ہوتی رہ گئی۔کیونکہ اگلے پل وہ کمرے کے اندر اُسکے بالکل سامنے موجود تھا۔
''اسلام وعلیکم''
سلام لینے سے پہلے وہ اپنے پیچھے دروازہ بند کر چکا تھا۔
وہ سر اُٹھا کر آنکھیں جھپکے بغیر اُسکو دیکھے جا رہی تھی۔مگر کچھ غلط تھا۔آج وہ ہمیشہ کی طرح فریش نہیں لگ رہا

تھا۔ چہرے پر پسینے سے سارے بال چپکے ہوئے تھے۔ آنکھیں سُرخ ہو رہی تھیں۔ ایسا محسوس ہوا جیسے وہ تکلیف میں ہے۔

"کیا ہوا ہے؟۔۔۔"

"شکر ہے تمہیں خیال آ گیا۔ ورنہ مجھے لگا ساری رات ادھر ہی کھڑا رکھو گی۔"

"کیا ہوا ہے؟۔۔۔"

"گولی لگی ہے۔"

تاشفہ کی آنکھیں پھیل گئیں۔

"کہاں؟ کب؟ کیوں؟ کیسے؟۔۔۔"

"مجھ سے کھڑا نہیں ہوا جا رہا۔ پہلے بیٹھ جاؤں؟۔۔۔"

وہ جیسے ہوش میں آئی۔

"ہہ ہاں۔۔۔ ادھر۔۔۔"

جلدی سے بیڈ پر پڑا کمبل ایک طرف کر کے اُسکے بیٹھنے کی جگہ بنائی۔ پھر کھڑکی کے پردے برابر کیئے۔ اندر واپے دروازے کا لاک پھر سے چیک کیا۔

منگو کو بیٹھنے میں انتہائی تکلیف کا سامنا کرنا پڑا۔ مسلسل ڈرائیونگ کرنے سے ٹانگ میں سوجن ہو گئی تھی۔

بیڈ پر بیٹھنے کی بجائے وہ ٹانگیں لٹکا کر نیم دراز ہو گیا۔

پریشانی سے تاشفہ کے ہاتھ پیر پھول رہے تھے۔ اب غور سے اُسکی ٹانگ کو دیکھا۔ تو کلیجہ حلق میں آتا محسوس ہوا۔ ٹراؤزر خون سے بھرا ہوا تھا۔ حتٰی کہ جس شرٹ سے ٹانگ کو باندھا گیا ہوا تھا۔ وہ بھی خون سے بھری ہوئی تھی۔ دونوں کے رنگ گہرے ہونے کی بنا پر وہ پہلی نظر میں جان نہیں پائی تھی۔ غور کرنے پر نظر آیا تھا۔

"میں ڈاکٹر کو بُلاؤں۔۔۔؟۔۔۔"

تاشفہ کی بات پر اُس نے فوراً سر اُٹھایا۔

"ہرگز بھی نہیں ڈاکٹر کے پاس جانا ہوتا۔ تو میں خود چلا جاتا۔ کیا کمرے میں کوئی ریڈیو وغیرہ ہے۔ تو چلا دو

تا کہ میری آواز باہر نہ جائے۔"

تاشفہ میکانکی انداز میں مُڑی بال لہرائے اور وہ اُسکی زُلفوں میں اُلجھ گیا۔

تاشفہ نے اپنا موبائل کھولا۔سب سے اوپر جو قوالی آئی اُسے پلے کرتے ہوئے فون کو سٹریو کے ساتھ جوڑ دیا۔آواز اتنی تیز نہیں تھی۔مگر اتنی ہائی ضرور تھی۔جواب اُنکی باتوں کی آواز کو چُھپا سکتی۔

سٹریو آن کر کے وہ واپس اُسکی جانب مُڑی کہ اب اگلا حکم؟۔۔۔کمرے میں نصرت کی آواز گونج رہی تھی۔

تمنا ہی کہ یونہی بسر ہو

تیری چوکھٹ ہو اور دیوانے کا سر ہو

وہ اُسی کو دیکھ رہا تھا۔

"یہ سفید بیگ کھول کر سارا سامان نکال دو۔"

تاشفہ نے عمل کرنا چاہا مگر ایک تو وہ اتنا قریب تھا۔دوسرا جو اس وقت اُسکی حالت تھی۔اس سب کے اثر میں تاشفہ کے ہاتھ بُری طرح کانپ رہے تھے۔ہلکی سی گرہ نہ کھولی جا رہی تھی۔

وہ دھیرے سے مُسکرایا۔

نہ دنیا نہ منصب نہ زر کے لیے

یہ سر وقف ہے تیرے در کے لیے

ہاتھ بڑھا کر اُسکے کانپتے ہاتھوں پر اپنی گرفت رکھ کر بیگ کا منہ کھول دیا۔

ملا میری فطرت کو دیوانہ پن

تیرے حُسنِ دیوانہ زر کے لیے

"اتنا سا کام تھا۔گھبرا کیوں رہی ہو؟۔۔۔"

تمہارے تبسم کی اِک اِک ادا

قیامت ہے اہلِ نظر کے لیے

"آپکا اتنا زیادہ خون بہہ گیا ہے۔ڈاکٹر کے پاس جانا چاہیے۔"

اُٹھا در سے چلمن کو اے محوِ ناز
دیکھا اپنا رُخ لمحہ بھر کے لیے

''میں تو اپنے طبیب کے پاس ہی آیا ہوں۔ جسمانی تکلف تو کُچھ بھی نہیں ہے۔ میرے پاس دوا موجود ہے۔ ابھی پٹی کر کے دوا لے لونگا تو آرام آ جائے گا۔ کیا یہ تمہارے اصلی بال ہیں؟ یا وِگ لگائی ہے؟۔۔۔''

اُسکے سوال پر تاشفہ کا ہاتھ بے اختیار اپنے سر پر گیا۔ جواب دینے کی بجائے اُس نے تیزی سے بالوں کو جوڑے کی شکل میں لپیٹ دیا۔ جونہی ہاتھ نیچے کیئے۔ جوڑا کُھل گیا اور بال دوبارہ سے بکھر گئے۔

ہمیشہ ہمیں دیکھنا ہے تمہیں
تم ہی ہو ہماری نظر کے لیے

وہ پھر سے مُسکرا دیا۔ جبکہ شرم سے تاشفہ کے گال دہک رہے تھے۔

''مجھے ڈریسنگ کرنی ہوگی۔ پلیز خون دیکھ کر گھبرانا مت۔ ورنہ یہ نہ ہو۔ اپنی بجائے مجھے تمہارا علاج کرنا پڑ جائے۔''

تاشفہ نے کسی بچے کی طرح اثبات میں سر ہلایا۔

منگو نے ایک ایک کر کے بیگ میں سے ساری چیزیں نکال کر اپنے پاس بیڈ پہ رکھیں۔

سب سے پہلے شرٹ کھولی پھر قینچی اُٹھائی۔ پائنچے سے لگ کر جہاں پر زخم تھا۔ وہاں تک پینٹ کاٹ دی۔ اب زخم کُھل کر نظر آیا تو تاشفہ نے دل تھام لیا۔ گہرا سُرخ خون زخم کے اوپر تہہ کی صورت میں جما ہوا تھا۔

دروازے پہ ہونیوالی دستک سے وہ بُری طرح اُچھلی۔۔۔

گھبرا کر منگو کو دیکھا۔ جو اُسی اطمینان سے بیٹھا ہوا تھا۔

مگر اُسکی سنجیدہ نظریں دروازے سے ہوتی واپس تاشفہ پہ آ کر رُک گئیں۔ تاشفہ نے ڈرتے ڈرتے پوچھا۔

''ک کون؟۔۔۔''

دوسری طرف سے حرمین کی کڑک دار آواز آئی۔

''تاشی باجی نصرت فتح علی خان کو سُننے کا یہ کونسا وقت ہے؟۔۔۔''

اُسکو سمجھ نہ آیا کیا جواب دے۔ اگر دروازہ کُھلنے کا مطالبہ ہوگیا تو کیا کرے گی۔

''وہ میرا دل کر رہا ہے۔ صرف دو چار گانے سُن کر بند کر دوں گی۔''

''خود سُنیں ناں کس نے منع کیا ہے۔ پر آپ تو ساری گلی کو سُنا رہی ہیں۔''

''حرمین جا کر سو جاؤ تنگ نہ کرو۔''

اس دفعہ اُس نے ڈانٹ سے کام لیا۔

دوسری طرف حرمین بھی جل کر بولی۔

''پتا نہیں کس پہ چلی گئی ہیں۔ مجال ہے جو کبھی کوئی کام نارمل لوگوں والے کیے ہوں۔ سُنتی رہیں ساری رات بلکہ سناتی رہیں۔''

تاشفہ پلک جھپکے بغیر اُسکو دیکھ رہی تھی۔ جو حرمین کی بات بڑے غور سے سُننے کے بعد سنجیدہ نظروں سے تاشفہ کی آنکھوں میں دیکھ رہا تھا۔

تاشفہ نے سکون کا سانس لیا مزید کوئی آواز نہ آئی تھی۔ جسکا مطلب تھا۔ حرمین واپس اپنے کمرے میں جا چکی تھی۔

''محبت میں کیا کیا نصیر اہلِ دل

تڑپتے رہے چارہ گر کے لئے۔۔۔

اگر جو امی یا اُسکی بہنوں کو علم ہو جائے اس وقت اُسکے کمرے میں ایک جوان مرد موجود ہے۔ امی تو بے یقینی سے ہی مر جائیں گی۔

مواحد بھائی کا کیا ردِعمل ہوگا۔ وہ سوچنا بھی نہیں چاہتی تھی۔

''مجھے پانی ڈالنے کے لیے ایک برتن چاہیے۔''

منگو کی آواز پر وہ ایک دفعہ پھر سوچ کی دنیا سے باہر نکلی۔ سارے کمرے میں نظر دوڑائی۔ بیڈ سائیڈ پہ پلاسٹک کا باؤل نظر آیا۔ جس میں دن کے وقت مافیہ نے خربوزہ کاٹ کر رکھا تھا۔

واش روم سے باؤل دھونے کے بعد لا کر اُسکے سامنے رکھا۔

ایک پیکٹ میں پانی تھا۔ جسے کاٹ کر باؤل میں نکالنے کے بعد اُس نے ایک مختلف قسم کا پیکٹ اُس میں مکس کیا۔ پھر کاٹن کو اُس میں ڈبو ڈبو کر زخم کو صاف کیا۔

منگو نے اپنی شہادت کی انگلی سے گولی کی جگہ کے اردگرد دباؤ ڈالا۔ تازہ خون اُبل کر باہر آیا۔ اُسکے چہرے کا رنگ بتا رہا تھا۔ اُسکو کتنی تکلیف کا سامنا تھا۔ وہ تو اپنے کام میں مصروف تھا۔ مگر بیڈ سے چند قدم کی دوری پہ کھڑی وہ اپنے آنسو پینے کی کوشش میں بے حال ہو رہی تھی۔ جب اُس نے ایک پیکٹ سے ٹیوزر نما آلا نکالا۔ تاشفہ نے آگے بڑھ کر اُسکا ہاتھ پکڑ لیا۔

"اس سے کیا کریں گے؟۔۔۔"

"گولی اندر ہی ہے۔ اُسکو نکالنے کی کوشش کرنے لگا ہوں۔"

"ہرگز نہیں آپ میرے سامنے یہ سب نہیں کریں گے۔ ساری دنیا چھوڑ کر ایک میں ہی ملی تھی۔ جسکے سامنے اپنے آپ کو اس اذیت کا شکار کر رہے ہیں۔"

"ہاں میں کہیں سڑک کے کنارے گاڑی روک کر یہ سب کرنے کے بعد تمہارے پاس آسکتا تھا۔ مگر نہ جانے کیوں میرا خیال تمہاری جانب ہی گیا۔ وہ کیا کہتے ہیں۔ محب اپنے محبوب کی تکلیف نہیں دیکھ سکتا۔ سوچا چلو اللہ نے موقع دیا ہے۔ فائدہ اُٹھایا جائے۔ میری حالت پر تم خوش ہوتی ہو یا پریشان۔۔۔"

ابھی اُسکی بات منہ میں تھی۔ تاشفہ کا ہاتھ اُٹھا اور اُسکے گال پر پڑا۔

وہ اپنے گال پہ ہاتھ رکھ کر ششدر سا اُسکو دیکھے گیا۔ پھر ہنسنے لگا۔

"چلو تمہیں بھی اپنا غصہ نکالنے کا موقع ملا۔ اب صُلح سمجھوں؟۔۔۔"

"جو حرکت آپ نے کی تھی وہ انتہائی گھٹیا تھی۔"

"اب بتانے کا کیا فائدہ یہ تھپڑ تب مارنا تھا۔ جب میرے سینے سے سر لگا کر رونے بیٹھ گئی تھیں۔"

"اچھا اب یوں مجھے شرمندہ کریں گے۔"

"کیوں نہیں۔ شرمندہ ہونے والی بات تو کوئی نہیں ہے۔"

"آپ جیسے بے شرموں کے لیے تو واقعی نہیں ہے۔"

''دیکھوایویں جوتم میرے سوئے ہوئے جذبات جگانے کی کوشش کر رہی ہو۔باز آجاؤ آج میں کوئی عملی مظاہرہ کرنے کے موڈ میں نہیں ہوں۔بلکہ پہل کبھی بھی میری طرف سے نہیں ہوتی۔''

''ہاں ہاں میں ہی ہر دفعہ آپکے پاس جاتی ہوں۔آپ نے تو کبھی میرا راہ نہیں روکا۔''

''اگر تمہاری پاس آنے کی بجائے میں کہیں اور جاؤنگا۔تب بھی برداشت نہیں ہونا۔''

''آزما دیکھیں۔''

''کیوں ایسے فضول دعوے کرتی ہو۔تم نے ابھی تک میرے سوال کا جواب نہیں دیا۔''

''کس سوال کا؟۔۔۔''

''تمہارے بال اصلی ہیں یا مجھے قابو کرنے کے لیے وگ لگائی ہوئی ہے۔''

''ہاں وگ لگائی ہوئی ہے۔مجھے خبر تھی ناں آپ آنے والے ہیں۔اُسی خوشی میں میک اپ کیا' مہندی لگائی' وگ لگائی۔اب خوش؟۔۔۔''

وہ غصے میں سوچے بغیر بول گئی تھی۔اور سامنے والا اپنے ہاتھ روکے بس اُسکو دیکھتا رہ گیا۔

''تاشفہ بیگم اگر بھول گئی ہو۔تو میں یاد کروادوں۔میں ایک بڑا عام سا انسان ہوں۔اور تمہارے عشق میں گوڈے گوڈے گرفتار ہوں۔اسلیے ایسا خوبصورت نقشہ کھینچتے وقت ذرا خیال کرو۔پر میری خواہش ضرور ہے۔میری زندگی میں ہی ایسا دن آجائے۔۔۔''

تاشفہ کو اُسکی بات پہ ایک دفعہ پھر بڑا غصہ آیا۔جو منہ میں آتا ہے۔بغیر سوچے سمجھے بک دیتا ہے۔اُس نے پیکٹ میں سے سرجیکل دستانے نکالے اپنے ہاتھوں پہ چڑھائے۔منگو کے ہاتھ سے ٹویزر لے لیا۔اور اُسکی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے بولی۔

''میرا خیال ہے۔آج میرا دن ہے۔اللہ نے اگلے پچھلے سارے حساب بیباک کرنے کے لیے ہی آج آپکو میرے حوالے کیا ہے۔''

منگو کا منہ او کی شیپ میں کُھلا۔مگر اُسکو کچھ بھی کہنے کا موقع دیئے بغیر تاشفہ نے اُسکے سینے پہ اپنے دونوں ہاتھوں کا زور ڈال کر پیچھے کو لٹا دیا۔

وہ منہ میں بڑبڑا رہا تھا۔

''یا اللہ خیر کرنا۔ جس نے آج تک پیر میں چُبھا شیشہ نہیں نکالا ہو گا وہ گولی نکالنے کے چکر میں ہے۔''

تاشفہ نے اپنی اُنگلی کو اُسکے زخم پر رکھ کر دبایا۔ جس پر منگو اپنی جگہ اُچھلا۔

''اوہ مر گیا۔ کیا کر رہی ہو؟ پہلے کم درد ہے؟۔۔۔''

''یہ وارننگ تھی۔ اب اگر منہ کھولا تو یہ قینچی مار دونگی۔''

''تم عملی طور پر بھی خطرناک ہو۔ صرف دیکھنے میں ہی نہیں۔''

اس دفعہ اُس نے کوئی جواب نہیں دیا۔ پوری توجہ سے کاٹن کے ساتھ زخم کو صاف کرنے لگی۔ وہ آنکھ پر بازو رکھے لیٹا رہا۔

تاشفہ نے نزدیک سے سوراخ کا معائنہ کیا تو ٹانگیں کانپ گئیں۔

پھر بھی ڈرتے ڈرتے آلے کو سوراخ کے پاس لا کر کھولنا چاہا تو ہاتھ کانپ رہے تھے۔

وہ کافی دیر انتظار کرنے کے بعد اُٹھ بیٹھا۔

''ہاں جی بیگم صاحبہ نکل گئی ساری افسری۔۔۔ لائیں پھر پروفیشنل ہاتھوں کا کمال دیکھیں۔''

اگلا عمل چند منٹ میں ہوا۔ منگو نے دو سرنجیں بھر کر ٹانگ میں لگائیں۔

گولی زیادہ اندر نہیں تھی۔ تھوڑی سی کوشش کے بعد نکل گئی۔ پہلے وہ نہیں بولا۔

مگر بعد میں ایک بوتل تاشفہ کی جانب بڑھاتے ہوئے بولا۔

''جب میں اشارہ کروں اسکو سوراخ کے اوپر ڈالنا۔''

منگو نے اپنے منہ میں تولیا دیا۔ اور سر کو ہلایا۔

تاشفہ نے دل کھول کر وہ لیکوڈ اُسکی ٹانگ پر ڈالا۔ ایک دفعہ تو منگو کو آنکھوں کے سامنے تارے ناچتے دکھائی دے سرہانے میں منہ دیکر اپنی آواز کو دبا گیا۔

جب ذرا اثر کم ہوا تو کانپتے ہاتھوں سے سرجیکل ٹیپ کے ساتھ سوراخ کو اچھی طرح بند کر کے اوپر ڈریسنگ لگا کر واپس لیٹ گیا۔

ابھی تک گہرے گہرے سانس بھر رہا تھا۔ چہرہ اور شرٹ پسینے سے تر بتر تھے۔

تاشفہ کے دماغ نے بروقت عمل کیا۔ اُس نے ایک گلاس میں پانی ڈالا ساتھ دوائیوں میں نظر آتی آبروفین کی دو گولیاں اُسکی ہتھیلی پر رکھ دیں۔

''یہ کھالیں۔''

وہ کچھ بھی کہے بغیر گولیاں نگل گیا۔ وہیں لیٹے لیٹے وہ چند منٹ میں ہی نیند کی آغوش میں چلا گیا۔

وہ کتنی دیر تک بیڈ کے قریب کھڑی ہو کر اُسکو سوتا ہوا دیکھتی رہی۔

ہمت کر کے اُسکے پیروں کو بھاری بوٹوں سے آزاد کیا۔ پھر کھینچ کر جرابیں بھی اُتار دیں۔ اُسکی ساری ٹانگ پیر موزہ حتیٰ کے جوتے پر بھی خون جما ہوا تھا۔ تاشفہ کو فکر ہوئی نہ جانے ایک ہی رات میں کتنا خون ضائع ہو گیا ہوگا۔ کیا یہ ہر روز ایسی صورتحال سے گزرتا ہے۔

واش روم سے چھوٹے ٹب میں پانی بھر کر لائی جس میں تھوڑا سا ڈیٹول ملایا تھا۔

پانی بیڈ کے قریب رکھ کر اپنے بال لپیٹ کر پونی سے کس کر جوڑا بنایا۔

باری باری دونوں پاؤں اُٹھا کر ٹب میں رکھتے ہی اُسکے پسینے چھوٹ گئے۔ دس نمبر کا پاؤں اتنا بھاری اور پر سے وہ خود تو سویا پڑا تھا۔ تولیا گیلا کر کے ساری ٹانگ کو صاف کیا۔ یہ الگ بات اُسکے اتنے قُرب سے ہاتھ کانپ رہے تھے۔ شرم سے نظریں جھکی ہوئی تھیں۔ اس وقت بس یہ خیال رہ گیا۔ یہ تو کہیں بھی مدد کے لیے منہ کر سکتا تھا۔ سب پر مجھے ترجیح دیکر میرے پاس آیا ہے۔ اور میں اسکو یونہی خون میں لتھڑے کپڑوں میں پڑا چھوڑ دوں۔

ڈاکٹر بھی تو لوگوں کی مدد کرتے ہیں۔ اُن میں لڑکیاں بھی ہوتی ہیں۔ اچھا چلو اپنے ملک میں اتنا عام نہ ہو۔ پر باہر کے ممالک میں تو عورتیں پیرامیڈیک بھی ہیں۔ ایکسیڈنٹ یا کسی بھی قسم کی فیٹل ٹروما انجری میں انسان کے سارے کپڑے اُتار دیتے ہیں۔۔ وہ جو ڈاکیومنٹریوں میں دیکھاتے ہیں۔ سارے اصل زندگی کے واقعات ہیں۔

وہ اپنی ہی سوچوں میں مگن اُسکا ٹراؤزر اُتارنے کے عمل میں ہلکان ہو رہی تھی۔ حالانکہ منگو نے نیچے باکسرز پہنے ہوئے تھے۔ جنکی لمبائی گھٹنوں تک تھی۔

جب بہت لڑائی کے بعد بھی ٹراؤزر نہ اُترا تو اُس نے آسان حل نکالا کینچی سے سارا کاٹ دیا۔ پھر پورا زور لگا کر اُس کے نیچے سے کھینچ کر ایک طرف رکھا۔

''توبہ یہ انسان ہے یا کوئی جن۔۔۔''

ٹانگیں نیچے کو لٹکی ہونے کی وجہ سے پٹی پہ خون کے دھبے اُبھرنے لگے تھے۔ یقیناً بلیڈنگ پھر سے شروع ہو رہی تھی۔

''اب ٹانگیں اُٹھا کر بیڈ پہ کیسے رکھوں؟۔۔۔''

ہمت کر کے ایک ایک پاؤں اُٹھا کر جیسے تیسے بیڈ کے اوپر رکھ دیا۔ اوپر چادر ڈال دی۔ ساری بیڈ شیٹ پر خون کے دھبے نظر آ رہے تھے۔ اپنی الماری میں سے ایک بڑا سا بیگ نکال کر سارے خون آلود کپڑے پٹیاں سرنجیں سارا کچھ ڈال کر گرہ لگا دی۔

ٹب کا سارا پانی بھی سُرخ ہو رہا تھا۔ جسے بدلنے کے بعد نیا پانی ڈال کر لائی۔ تولیہ بھی دھویا۔ سارا فرش صاف کیا۔ اُس کا جوتا صاف کیا۔ اپنی طرف سے سارا کام ختم کر کے کمرے میں آئی۔

سٹریو پہ اب چوتھا گانا چل رہا تھا۔

جگجیت سنگھ کہہ رہے تھے

جُھکی جُھکی سی نظر بیقرار ہے کہ نہیں

دبا دبا سا سہی دل میں پیار ہے کہ نہیں

تُو اپنے دل کی جواں دھڑکنوں کو گن کہ بتا

میری طرح تیرا دل بیقرار ہے کہ نہیں

تیری اُمید پہ ٹھکرا رہا ہوں دنیا کو

تجھے بھی مجھ پہ اعتبار ہے کہ نہیں

کچھ غزل کے الفاظ کا اثر تھا۔ کچھ جذبات کا غلبہ وہ چلتی ہوئی بیڈ کے قریب آئی۔ ایک نظر وال کلاک پہ ڈالی رات کے ڈھائی بج رہے تھے۔ اپنی غلطی کا احساس ہوتے ہی اُس نے موسیقی بند کر دی۔ کمرے کی مین لائٹ

بھی بند کردی۔ اس ڈر سے کہ کسی کو اندر کا منظر نظر نہ آئے۔ جوں جوں رات بیت رہی تھی۔ اُسکا دماغ زیادہ اچھے سے کام کرنے لگا تھا۔

تولیے کو پانی میں بھگونے کے بعد اچھی طرح نچوڑا۔

پہلے اُس پہ جھک کر اُسکی سیدھی ہتھیلی صاف کی جس پہ خون جما ہوا تھا۔ اسی طرح دوسرا ہاتھ بھی صاف کیا۔ اب غور سے اُسکو دیکھا تو دل کو کچھ ہوا۔

وہ بالکل بے سدھ پڑا ہوا تھا۔ موٹی موٹی آنکھیں بند تھیں۔ پریشان گیسو پیشانی پہ پڑے تھے۔ سر ہلکا سا ایک طرف کو مُڑا تھا۔ دو چار سیکنڈ اُسکو دیکھتی رہی آیا سانس آ جا رہی ہے۔ مگر جتنی دیر وہ اُسکو دیکھتی رہی کوئی حرکت معلوم نہ ہوئی۔ پانی وغیرہ سب بھول کر بیڈ پر اُسکے برابر چڑھ کر بیٹھ گئی۔ پہلے ناک کے آگے اُنگلی رکھی۔ کچھ محسوس نہ ہوا۔ تاشفہ کے ہاتھوں کے طوطے اُڑ گئے۔ تیس چالیس سیکنڈ تک اُس نے اُسکے ناک کے آگے اُنگلی رکھے رکھی۔ مگر وہ سانس نہیں لے رہا تھا۔ گردن پہ کان کے نیچے ہاتھ رکھ کر اُسکی نبض دیکھی۔ جو معمول کے مطابق تھرک رہی تھی۔ اُسے کچھ تسلی تو ہوئی مگر پھر خیال آیا۔ ہارٹ اٹیک والے بندے کی بھی نبض ہی تو یک دم نہیں رُکتی ہے۔ اگر سانس نہیں لے رہا ہے۔ جسم میں آکسیجن کیسے جائے گی۔ آکسیجن نہ گئی تو دماغ کو نقصان پہنچ سکتا ہے۔ یہ قومہ میں تو نہیں چلا گیا۔ اتنی ہیوی بلیڈنگ کے بعد ہو سکتا ہے۔ اسکا شوگر لیول لو ہو گیا ہو۔ قوت مدافعت کمزور ہو جائے تو دماغ تک آکسیجن جانا بند ہو سکتی ہے۔

اُس نے سر جُھکا کر اپنا کان اُس کے دل پر رکھا۔

ایک دو تین چار۔۔۔ مضبوط توانا دھڑکن ایک تسلسل کے ساتھ قائم تھی۔

نبض چل رہی ہے۔ دل دھڑک رہا ہے۔ پھر یہ سانس کیوں نہیں لے رہا۔

منگو کا ایک ہاتھ سینے پہ دھرا تھا۔ دوسرا پہلو میں رکھا ہوا تھا۔

اُسکو خود کو احساس نہ ہو سکا کہ وہ آنسوؤں سے رو رہی ہے۔

"یہ سانس کیوں نہیں لے رہے۔"

"پلیز آنکھیں کھولیں۔"

پہلے اُسکے کندھے ہلائے۔ پھر اُسکے چہرے کو اپنے ہاتھوں میں لیکر آواز دی۔

''پلیز مجھے گھبراہٹ ہو رہی ہے آنکھیں کھولیں۔''

منگو کا وجود بے حس و حرکت پڑا تھا۔

''فون؟۔۔۔فون۔۔۔میرا فون کہاں ہے۔امی۔۔۔!!۔۔۔انکو آکر دیکھیں پتا نہیں کیا ہو گیا ہے۔ماہی آپی پلیز انکو بچالو۔۔۔سانس نہیں آرہی۔۔۔''

وہ رونے کے ساتھ ساتھ آوازیں دیتی دروازے کی جانب بھاگنے لگی تھی۔ جب منگو نے اُٹھ کر اُسکا ہاتھ پکڑ کر روک لیا۔

منگو حیرت زدہ رہ گیا۔وہ ہچکیوں سے رو رہی تھی۔ یہ سب بھول کر کہ اُسکی ماں اور بہن منگو کو یہاں موجود پا کر تاشفہ کے ساتھ کیا سلوک کریں گی۔ ہر خطرہ نظر انداز کر گئی۔بدنامی بھی تو ہونی تھی۔

''امی جلدی آئیں ناں۔۔۔''

وہ ہسٹریا ہو رہی تھی۔منگو نے جلدی سے اُسکے منہ پر ہاتھ رکھ کر آواز دبائی۔۔۔اُسکو اپنے ساتھ لگا کر تسلی دینے کی کوشش کی۔۔۔

''تاشفہ میں ٹھیک ہوں۔کسی کو بلانے کی ضرورت نہیں ہے۔تمہارے سامنے سانس لے رہا ہوں۔بول رہا ہوں۔''

وہ اب بھی نارمل نہیں ہوئی تھی۔نیم تاریکی میں خالی الذہنی سے اُسکو دیکھنے لگی۔

''آپ کو سانس نہیں آرہی تھی۔''

''وہ میں نے جان بوجھ کر روکی تھی۔''

''کیوں۔۔۔؟۔۔۔''

مجھے یقین نہیں تھا تم میرے مذاق کو اتنا سنجیدہ لے جاؤ گی۔''

وہ دھیمی سی آواز میں بولی۔۔۔

''جس شخص کے بغیر آپ ادھورے ہوں۔وہ آپکے سامنے بے جان پڑا ہو۔آپ کیا کریں گے؟۔۔۔''

''میں معافی مانگتا ہوں۔''

اُس نے تاشفہ کی پیشانی پہ بوسہ لیا۔

نرم لمس سے اُس کے آنسو صاف کر دیئے۔

''میں ڈر گئی تھی۔''

''میں دیکھ سکتا ہوں۔''

''گولی کیسے لگی؟۔۔۔''

''کام کے دوران۔۔۔''

''کیسا کام؟۔۔۔''

''نیک کام۔۔۔''

''اگر دل پہ لگ جاتی تو؟۔۔۔''

دونوں کے چہرے ایک دوسرے کے آمنے سامنے تھے۔منگو نے اپنی شہادت کی اُنگلی سے اُس کے چہرے پہ آئی آوارہ لٹ کو کان کے پیچھے اڑسایا۔

''تاشفہ موت برحق ہے۔جس سے کوئی نہیں بھاگ سکتا۔''

''پر آپ تو موت کو ہتھیلی پہ لیے پھرتے ہیں۔''

''کیا فرق پڑتا ہے۔جب تم میرے لیے دُعا کروگی۔مجھے کیا ڈر ہوگا۔''

''میں ایک دُعا بہت کرتی ہوں۔''

''وہ کیا؟۔۔۔''

''جب موت آئے۔پہلے میرے طرف آئے۔''

کئی پل خاموشی میں گزر گئے۔منگو نے گہرا سانس اندر کھینچا۔۔۔مسکراتی ہوئی آواز میں بولا۔۔۔

''چلو آج ایک بات تو کلیر ہوگئی۔''

''وہ کیا۔۔۔؟۔۔۔''

"وہ جو شاعر کہتا ہے۔دونوں طرف ہے آگ برابر لگی ہوئی۔"

تاشفہ کے گال سُرخ ہوئے۔اُس سے نظر چُراتے ہوئے اُسکی آنکھوں کی بجائے نظر منگو کے گلے کی ہڈی پر جم گئی۔جو اُسکے بولنے پر ہلتی تھی۔تاشفہ کا جی چاہا ہاتھ لگا کر محسوس کرے۔

"سیماب آپی مجھ سے آپکا نمبر مانگ رہی تھیں۔وہ کہتی ہیں۔اُنہیں علم ہے کہ میں کسی کے ساتھ انوالو ہوں۔"

منگو کے لبوں پہ بڑی جاندار مسکراہٹ۔۔۔

"تم نے کیا کہا؟۔۔۔"

"میں نے نمبر دینے کی حامی بھری ہے۔مگر دونگی نہیں۔"

"کیوں؟۔۔۔"

"آپ کو آرام کرنا چاہیے۔بیٹھنے سے خون نکلنے لگے گا۔"

"آرام بہت ہو چکا اب مجھے واپس جانا ہے۔تم نے میرے سوال کا جواب نہیں دیا۔"

"جواب ضروری نہیں ہے۔نمبر دینا بھی ضروری نہیں ہے۔"

"نمبر کس لیے چاہیے تھا؟۔۔۔"

"وہ۔۔۔"

تاشفہ نے اُسکی گرفت سے اپنے ہاتھ چھڑوائے اور بیڈ سے کھڑی ہو گئی۔

"تاشفہ بات کرو۔کیا وہ؟۔۔۔"

"وہ۔۔۔یہ۔۔۔جاننا چاہتی ہیں۔"

اتنا کہہ کر وہ پھر خاموش ہو گئی۔

"تاشفہ جی آپ مجھے تجسس سے کیوں مارنا چاہ رہی ہیں۔"

"وہ آپ سے پوچھنا چاہتی ہے۔آپ مجھ سے شادی کریں گے۔یا ویسے ہی دل لگی کر رہے ہیں۔"

منگو ہنسا اور پھر ہنستا چلا گیا۔

تاشفہ پہلے پچھتائی کہ بھلا اسکے سامنے اس بات کا ذکر کرنے کی کیا ضرورت تھی۔اب مذاق بناتا رہے گا۔ جب وہ کافی دیر تک وقفے وقفے سے ہنستا رہا تو تاشفہ نے کُرسی کا کُشن اُٹھا کر اُسکی جانب اُچھالا۔ جسے کیچ کر کے اُس نے پوچھا۔

''تاشفہ جی آپکا کیا خیال ہے۔یہ بندہ شادی کرے گا یا صرف دل لگی تک رہے گا؟''

''مجھے لگتا ہے۔آپ سے زیادہ مجھ پہ دل لگی کا الزام آتا ہے۔''

''اوہ۔۔۔یہ بھی اچھا ہے۔مگر کیسے۔۔۔؟''

''مجھے نہیں لگتا ہے۔ہم کبھی اس سے آگے جائینگے۔''

''وہ بیڈ سے نکلا اور کمرے کی لائٹ جلادی۔

تاشفہ کی نظر سیدھی اُسکی ران پہ بندھی بینڈیج پہ گئی۔سفید پٹی پہ سُرخ داغ واضح ہو رہے تھے۔

وہ اُسکے قریب آ کر بولا۔

''تم جب اپنے اور میرے حوالے سے کوئی بات کرو۔میں تمہارا چہرہ دیکھتے ہوئے تمہیں سُننا چاہتا ہوں۔ اب بتاؤ ہمارا رشتہ کس مقام سے آگے نہیں جائے گا؟''

''جس مقام پر ہے۔اس مقام سے آگے نہیں بڑھے گا۔''

''کیا میں یہ جاننے کی جسارت کر سکتا ہوں۔اس قدر یقین کی بنیاد کیا ہے؟۔۔۔''

''میرے یقین کی بنیاد یہ ہے کہ آپ مجھ سے وابستہ تو ہیں۔مگر مجھے جانتے نہیں ہیں۔''

''تمہارے کہنے کا مطلب یہ ہے۔رشتے قائم اور کامیاب تب ہی ہوتے ہیں۔جب فریقین ایک دوسرے کو جانتے ہوں؟۔۔۔''

''ہاں کم از کم ایک دوسرے کی خوبیوں'خامیوں کا ادراک ہونا چاہیے۔''

''تمہاری محبت کیا محبوب کو جان لینے کے بعد ہوتی ہے؟۔۔۔''

''ہاں۔۔۔جب تک آپ کسی کو برت نہیں لیتے۔کسی کے ساتھ کچھ وقت نہیں گزارتے۔اُسکی دن رات کی روٹین قریب سے نہ دیکھی ہو۔وہ اپنے قریبی رشتوں کو کیسے نبھاتا ہے۔لین دین میں کیسا ہے۔یہ سب تو برتنے

کے بعد پتا چلتا ہے ناں۔تو پھر محبت پہلے کیسے ہو سکتی ہے؟۔جو دو لوگ میلوں دور سے صرف فون کی تاروں سے جڑیں ہوں۔اُنکا تعلق ورچوئل سچائی تو ہے۔مگر حقیقی سچائی نہیں ہے۔"

منگو بڑے غور سے اُسکو دیکھ رہا تھا۔

"تم دوبارہ سے موضوع کو اُس نہج پہ لے جا رہی ہو۔جہاں ہماری لڑائی ہونا لازمی ہے۔"

"میں سچ بیان کر رہی ہوں۔"

"تمہارا سچ ہمیشہ منفی ہی کیوں ہوتا ہے؟۔۔۔"

"کیونکہ حقیقت منفی ہے۔"

تاشفہ کو اپنے آنسوؤں پہ سخت غصہ آ رہا تھا۔

"اگر تمہارے میرے درمیان فرضی سچائی ہے۔تو کیا تمہارے آنسوؤں کو اور جو تھوڑی دیر پہلے تمہاری میرے لیے فکر' پریشانی تھی۔یہ سب کچھ بھی فرضی ہے۔نظر کا دھوکا ہے؟۔۔۔"

"دیکھا اب تو آپ کو سمجھ جانا چاہیے۔ہر دفعہ میں آپکے لیے نئی ذہنی اذیت پیدا کرتی ہوں۔آپ بہت جلد اُکتا کر بھاگ جائیں گے۔میرے ذہنی مسائل ہیں۔جنکا حل کسی کے پاس نہیں ہے۔"

وہ دیوار کے ساتھ ٹیک لگائے کھڑی تھی۔وہ پاس گیا۔اُسکی بھیگی پلکوں والی خوبصورت آنکھوں میں دیکھا۔تاشفہ کے ہاتھ سے ٹشو لیکر اُسکا چہرہ صاف کیا۔

"ایک بات تو طے ہے۔تمہارے اس رویے کے پیچھے کوئی وجہ ہے۔میں اپنے پراجکٹ سے زندہ سلامت نکل آیا۔تو پھر تمہاری کھوج میں نکلوں گا۔مگر ابھی کے لیے اتنا جان لو جانِ من۔۔۔اگر آپکے پیارے کسی تکلیف میں ہوں۔اُس صورت میں تعلق توڑ لینا عقل مندی نہیں ہے بلکہ اُس وقت میں دوست کے شانہ بہ شانہ کھڑے ہونے کہ ضرورت ہوتی ہے۔"

"اس بات پر میں آپکی ہی بات آپ کو لُٹا دونگی۔وقت سے پہلے بڑے بڑے دعوے نہیں کرنے چاہیے۔"

"تاشفہ میری محبت کا اس سے بڑھ کر کیا ثبوت چاہتی ہو؟۔تم ہر دفعہ مجھے خود سے دور دھکیلتی ہو۔میں ہر دفعہ واپس تمہارے پاس ہی آتا ہوں۔"

”مجھے آپ سے فقط ایک وعدہ چاہیے۔“

”بولو۔۔۔“

”آپ کو مجھ سے وعدہ کرنا پڑے گا۔ چاہے کچھ بھی ہو جائے۔کوئی آپکو میرے خلاف بہت غلط باتیں بتائے۔ مجھے بُرا بھلا بولے۔میرے کردار پہ گند اُچھالے آپکو مجھ سے نفرت ہو جائے۔میری شکل دیکھنے کو بھی جی نہ مانے۔تب بھی آپ مجھے دھتکاریں گے نہیں۔“

”میں نے آج تک کسی دنیاوی رشتے سے کبھی کوئی اُمید نہیں باندھی۔مگر پچھلے چھ سال سے آپ میری سوچوں کا محور ہیں۔میں نے اپنے دل و دماغ کو صرف آپکے لیے وقف رکھا ہے۔میں یہ نہیں چاہتی کہ آپ دنیا میں اگر کسی عورت سے محبت کریں۔تو وہ بس میں ہوں۔آپ جس سے چاہے محبت کر لیں۔جس سے مرضی شادی کر لیں۔میں آپکی وفاداری نہیں مانگتی۔میں فقط عزت مانگتی ہوں۔جو میرا حق ہے۔میں یہ مان مانگتی ہوں۔آپ کبھی مجھے میرے ماضی کے حوالے سے پوچھ گچھ نہیں کریں گے۔مجھے یہ مان چاہیے کہ میں نے اس اعلیٰ ظرف انسان سے محبت کی ہے۔جس نے مجھے دنیا والوں کے سامنے معتبر کر دیا ہے۔مجھے آپکا مان چاہیے ہے۔مجھے خود غرض سمجھیں۔۔۔“

منگو نے اُس کے کانپتے ہونٹوں پر اُنگلی رکھ کر اُسکو خاموش کروا دیا۔

”تمہاری ساری گفتگو کے جواب میں ایک شعر کہنے کی جسارت کر رہا ہوں۔

اُس نے تاشفہ کے اوپر والے ہونٹ پر اُنگلی پھیری۔۔۔اور خمار بھری آواز میں بولا۔۔۔

سُرخی اودھے بُلاں دی

ایسی تیسی پھُلاں دی

تاشفہ سانس روکے اُسکو دیکھتی رہ گئی۔جسکی آنکھیں جذبے لُٹا رہی تھیں۔

”اگر کبھی آزمائش کا لمحہ آیا تاشفہ اور تم مجھے ڈگمگاتے پاؤ تو میری نصیحت ہے۔مجھے میرے ہی ہتھیار سے سینے پہ گولی مارنا۔میں غدار نہیں ہوں۔پھر اپنی عزت کو کیسے دھوکا دونگا؟۔۔۔“

اپنی بات پوری کرنے کے بعد وہ کُرسی پہ بیٹھ کر جوتے پہننے لگا۔

"پونے چار ہو گئے ہیں۔اگر میں اندھیرے میں یہاں سے نہ گیا تو آگے جو ہو گا۔اُسکی تفصیل میں جانے کی ضرورت نہیں ہے۔مگر جانے سے پہلے میں چاہتا ہوں۔تم مجھے کوئی بہت اچھی بات بتاؤ۔ جسے سوچ کر میرا آج کا دن خوشگوار گُزرے۔"

تاشفہ کُچھ بھی کہے بغیر الماری تک گئی۔ بڑے خُفیہ خانے کی چابی لگائی۔ایک کالے رنگ کا پیکٹ نکالا بیڈ کے پاس آئی۔ پیکٹ کی زپ کھول کر نیا نکور سفید لٹھے کا مردانہ شلوار قمیض نکال کر بیڈ پہ رکھا۔

وہ ایک جوتا پہن چُکا تھا۔دوسرا ہاتھ میں تھا۔اور ہاتھ درمیان میں ہی رُک گئے۔نظریں اُس سفید لباس پہ جمی تھیں۔وہاں سے ہٹیں تو تاشفہ کے سنجیدہ چہرے پہ جا رُکیں۔

جو ایک دفعہ پھر الماری کے اُسی خانے تک گئی۔واپس آئی تو ہاتھ میں لائٹ براؤن پشاوری چپل تھی۔ایک دفعہ پھر مُڑی اور اس دفعہ ہاتھ میں مردانہ پرفیوم اور ہیر برش تھا۔

وہ باکس دیکھ کر ہی جان گیا تھا۔وہ اُسی برینڈ کا پرفیوم تھا۔جو وہ روزمرہ استعمال کرتا تھا۔

وہاں اب بات کہنے سُننے سے بہت آگے نکل گئی تھی۔ وہ پوچھے بغیر بتا سکتا تھا۔یہ ساری چیزیں اُسی کے لیے خریدی گئی تھیں۔

تاشفہ پہ نظر پڑی تو وہ ڈبڈبائی آنکھوں سے اُسکو دیکھ رہی تھی۔

جو جوتا پہنا تھا۔وہ بھی اُتار دیا۔

بیڈ پہ رکھا لباس تھام کر واش روم میں چلا گیا۔دس منٹ بعد باہر آیا۔اُسی خاموشی سے بیٹھ کر جوتے پہنے اور آ کر اُسکے سامنے کھڑا ہو گیا۔

تاشفہ نے نظر اُٹھا کر نہیں دیکھا۔باکس سے پرفیوم برآمد کیا اور بازو لمبا کر کے اُسکی کالر کے اندر دونوں جانب گردن پہ لگایا۔

منگو نے ہیر برش اُسکے ہاتھ میں دیا اور سر کا نیچے جُھکایا۔

تاشفہ کے ہونٹوں پہ مُسکراہٹ تھی۔اور آنکھوں میں نمی۔۔۔ دونوں ہاتھ اوپر کو اُٹھا کر اُسکے گیلے بالوں کو اُسی کے مخصوص سٹائل میں سیٹ کیا۔اور ہاتھ واپس پہلو میں گرا لیئے۔

منگو نے اُسکو بانہوں میں بھرا اور کان میں سرگوشی کی۔

''تھینک یو۔۔۔''

اُس سے دور ہوتے ہوئے آنکھوں میں دیکھ کر پوچھا۔

''اجازت ہے؟۔۔۔''

تاشفہ نے مُسکراتے ہوئے اثبات میں سر ہلا دیا۔

اُس نے تاشفہ کی پیشانی چومی اور گندوالے بیگ میں اپنے پُرانے جوتے ڈالے اور جس دروازے سے آیا تھا۔اُسی سے باہر نکل گیا۔

تاشفہ نے برش بیڈ پہ رکھا۔اور تیزی سے دروازے تک آئی۔صحن میں نظر دوڑائی مگر وہ اتنے سے وقت میں ہی غائب ہو چکا تھا۔

دل میں اُسکی سلامتی کی دُعا مانگتے ہوئے اُس نے دروازہ بند کر لیا۔

وہ خود تو چلا گیا تھا۔مگر اُسکی خشبو یہیں تھی۔تاشفہ نے احتیاط سے سارا کمرہ سمیٹا۔وضو کر کے نماز پڑھی۔اور بیڈ پر اُسی جگہ لیٹ کر آنکھیں موندھ لیں۔جہاں وہ لیٹا تھا۔اُسی زاویے پہ اپنا سر رکھا۔جس زاویے پہ اُس کا سر پڑا دیکھا تھا۔

مُسکراہٹ ہونٹوں سے جُدا نہ ہو رہی تھی۔یہاں تک کہ نیند نے اپنی گرفت میں لے لیا۔



''موتی یار تو کدھر مرا ہوا ہے۔''

ساری رات سے گلزار اُسکا نمبر ٹرائی کر رہا تھا۔جو صبح ساڑھے چار بجے جا کر اُٹھایا گیا۔گلزار کا صبر جواب دے گیا تھا۔

''سالے ساری رات کا کدھر مرا ہوا ہے۔تیرے گھر بھی ہو کر آیا۔اُدھر بھی تالا لگا ہوا تھا۔''

''معاف کر دے یارا میرے کزن کی شادی تھی۔اُس کے لیے پسرور گیا ہوا تھا۔اُدھر سے آ رہا ہوں۔''

''اوئے تو پسرور آیا ہوا ہے؟۔''

گلزار کے جوش کے جواب میں موتی نے نا سمجھی سے ہاں کی۔۔۔

"کہاں پہنچے ہو؟۔۔۔"

"یار اسیالکوٹ سے دھرم کوٹ کو نکلنے والی سڑک پہ ہوں۔"

"شکر ہے او ما لکا۔ میں بھی اُدھر ہی ہوں۔ دھرم کوٹ چوک پہنچنے میں کتنی دیر باقی ہے؟۔۔۔"

"یہی کوئی پانچ دس منٹ کیونکہ سڑک بنی ہوئی ہے۔ اور ٹریفک نہ ہونے کے برابر ہے۔"

"ٹھیک ہے۔ تم اُدھر رُک کر ہمارا انتظار کرو۔ میں سفید رنگ کے مزدے میں ہوں۔ بس تمہیں دس پندرہ منٹ ہی رُکنا پڑے گا۔ ہم قریب ہی آگئے ہیں۔ کیا تم اپنی گاڑی پر ہو؟۔"

"نہیں یار! یہ شہزادی کرائے پہ لی ہے۔ گرے رنگ کی مرسڈی ہے۔ سمجھ کر اپنے ٹور دیکھ کر ایک دفعہ تو رشتے داروں کی انگلیاں منہ میں رہ گئیں۔"

"تجھ بے غیرت کو رشتے داروں کی پڑی ہوئی ہے۔ پیچھے ہماری بینڈ بج گئی ہے۔"

ہائے ایسا کیا ہو گیا؟۔۔۔"

"یار بس دنوں کا ہیر پھیر چل رہا ہے۔ آج ہی ہیڈ آفس خالی کرنا پڑا۔ ساری رات نکل گئی۔ مگر اللہ کا شکر ہے۔ ساری صفائی ہو گئی۔"

"یار! مجھے تیری بات کی کُچھ سمجھ نہیں آ رہی۔"

"موتی یار نشہ تو کرتا نہیں ہے۔ مگر ہے تو پکا جاج۔۔۔ سیدھی سی بات ہے۔ پر تیری کھوپڑی میں نہیں آنی۔"

"تو بھی تو سیدھے سے بتانے کی بجائے پتا نہیں کیا پہیلیاں شروع کر دیتا ہے۔"

"یار ہم لوگ خطرے میں ہیں۔ ڈاکٹر کے پیچھے کوئی ایجنسی لگ گئی ہے۔ اس لیے ڈاکٹر نے سارا کام بند کرنے کا بولا ہے۔۔۔ خود بھی یہاں سے جا رہا ہے۔ پہلے کراچی اور پھر وہاں سے بیرونِ ملک۔ وہاں بیٹھ کر پیسہ پھینکے گا۔ کیس کی فائل دب جائے گی۔ پھر کوئی ایس ایچ او آئے گا۔ فائل کو ہمیشہ کے لیے غائب کروا دے گا۔ اس طرح سے ڈاکٹر پھر اپنے کام پر واپس آ جائے گا۔"

"یہ تو بہت بُرا ہوا یار کیا ہماری نوکری بھی گئی؟۔۔۔ میں نے تو اتنی بڑی کمیٹی ڈالی ہوئی ہے۔ وہ کہاں سے

دیا کرونگا۔"

"اوہ موتی تو اپنا جگر ہے یار۔ پھر کاہے کو گھبرانا۔ میں نے وہاں سے اتنا مال تو اُڑا ہی لیا ہے۔ جو تیرا میرا خرچہ نکالتا رہے گا۔"

"کیا مطلب ہے؟ پیسے چوری کر کے لائے ہو۔"

"اوہ ڈگ دماغہ۔۔۔ ڈاکٹر کا حکم تھا۔ پُرانا سارا ریکارڈ جلا دیا جائے۔ جو زیادہ اہم ہے وہ پسرور والے اُنکے پُرانے گھر میں منتقل کردیا جائے۔"

"اچھا تو تم اب وہاں جارہے ہو؟۔"

"ہاں تو اور کیا یہ سڑک نتھیا گلی کو جاتی ہے؟۔"

موتی کا قہقہہ بڑا جاندار تھا۔

"بے غیرت ہنس رہا ہے۔ آج ہی کام کا دن تھا۔ اور تو کزن کی شادی پہ مرغے اُڑتا رہا۔ اوئے مجھے تیری گاڑی نظر آ گئی ہے۔ سالے اس گاڑی کا تو کرایہ بھی پچاس ہزار سے کم نہیں ہونا۔"

"مجھے کیا علم تھا۔ اپنی روزی روٹی پہ لات پڑنے والی ہے۔ میں اپنی کھٹارہ پہ ہی آجاتا۔"

سفید مزدہ دھرم کوٹ چوک میں رُکا۔ گلزار اگلی سیٹ سے نکل کر وہاں کھڑی مرسڈیز ٹونٹی ٹین جی ایل کے کلاس کی جانب بڑھ گیا۔

گلزار موتی کے برابر بیٹھتے ہوئے حیرت سے بولا۔

"سالے بڑی خشبوئیں مار رہے ہو۔ لگتا ہے آج اپنا شیر نہایا ہے۔"

"کرلے کرلے گتے والی۔ میں روز ہی نہاتا ہوں۔"

مزدہ آگے نکل گیا۔ موتی نے گاڑی اُسکے پیچھے لگائی۔

"ہاں آج صابن سے نہائے ہوئے ہو۔"

موتی نے ہنسنے پر اکتفا کیا۔

"مزدے میں کون کون ہے؟۔۔۔"

سے آگے ستراہ۔۔۔اُسکے آگے پناں والتھے۔پھر کہیں جا کر پسرور آئے گا۔"

''بڑا لمبا سفر ہے۔''

''ہاں مگر اتنا بھی نہیں۔جتنا لمبا سفر زندگی کا ہے۔''

''کہاں یار زندگی تو آج کل انتہائی مختصر ہو گئی ہوئی ہے۔''

''ہاں کئی تو جینے سے پہلے ہی مرجاتے ہیں۔''

موتی نے تعجب سے پوچھا۔

''تیری طبیعت تو ٹھیک ہے؟۔''

''یار تجھ سے کیا چھپانا۔آخر آج تیرے ہاتھ سے نکلی گولی سے بھی آج کچھ جانیں جانی ہیں۔"

''کس کی گولی کس کا ہاتھ میں نے تو آج تک بندوق کی شکل تک نہیں دیکھی۔''

''آج دیکھ لے گا۔کیونکہ ڈاکٹر نے آخری حکم دیا ہے۔''

''وہ کیا ہے؟۔''

''جب وہ کسی کی موت چاہتا ہے۔تو وہ آخری حکم جاری کرتا ہے۔تا کہ اُس آدمی کو گولی ماردی جائے۔''

''آج کس کو گولی مارنے کا حکم ہوا ہے۔''

گلزار کافی دیر خاموش رہنے کے بعد بولا۔

''میاں والی بنگلہ آئے تو پُل پار کرنے کے بعد گاڑی اُلٹے ہاتھ کو جانے والی کچی سڑک پر ڈال لینا۔وہاں تمہیں اپنے سوالوں کا جواب مل جائے گا۔''

''اس گفتگو کے دوران دو دفعہ سر کھجانے کے بہانے موتی نے اپنے کان میں موجود آلے کو ٹھیک کیا تھا۔ گلزار کے فرشتوں کو بھی نہ خبر تھی۔کہ دونوں کے درمیان ہونے والی گفتگو کوئی تیسرا بھی سُن رہا ہے۔

میاں والی بنگلہ آیا۔پُل سے اُترتے ہی موتی نے گاڑی مزدے کے پیچھے بائیں ہاتھ کو ڈال دی۔راستہ کچا تھا۔اور مزدے نے خوب دھول اُڑائی۔جو پوری سپیڈ سے بھاگتا جا رہا تھا۔

دو چار کلو میٹر جانے ایک سُنسان سے مقام پر آخر کار مزدہ رُک گیا۔نہر کے کنارے اُگی کائی کی لمبائی

سات آٹھ فٹ تھی۔ جس میں بہت اونچی قامت والا انسان بھی آسانی سے غائب ہو جاتا۔

موتی نے مزدے سے ہٹ کر پیچھے ہی گاڑی روک دی۔

اُس کے دل کی دھڑکن بڑے ٹھہرے اور تحمل انداز میں چل رہی تھی۔ آنکھوں میں گہری وحشت تھی۔ مگر دل کی گہرائیوں میں خطرناک ارادے تھے۔ بہت ہی خطرناک۔۔۔

''گلزار گاڑی سے نکل کر مزدے کی جانب گیا۔ جبکہ موتی گاڑی سے نکل کر ارد گرد کا جائزہ لینے لگا۔

دور اُفق پر سورج نے اپنی پہلی جھلک دیکھانا شروع کر دی تھی۔

تاریکی کا خاتمہ ہونے والا تھا۔ یہ ظلمت کے آخری پل تھے۔

موتی نے اپنی ساری زندگی اس سے خوفناک اور بے بس منظر نہیں دیکھا تھا۔ جو وہ اس وقت دیکھ رہا تھا۔

دس سے پندرہ سال کی عمر کے دس بچے جن کی آنکھوں پہ کالی پٹیاں بندھی ہوئی تھیں۔ جن کے ہاتھ پُشت پر باندھے گئے تھے۔ اُن پر مامور گارڈ نے کلاشنکوف پہنی ہوئی تھی۔ جانوروں کی طرح اُنکو ہانک کر کائی کے پیچھے لیکر جا رہا تھا۔

موتی کی مٹھیاں اتنی زور سے بند تھیں۔ کہ اُنگلیوں کی گرہیں سفید ہو رہی تھیں۔

جبڑے کی ہڈی سختی سے بھینچی ہوئی تھی۔ آنکھوں میں خون اُتر رہا تھا۔

گلزار نے ٹی ٹی کا میگزین چڑھایا اور موتی کی سمت میں دیکھ کر آنکھ مارتے ہوئے بولا۔

''آ جا شہزادے تجھے نئی دنیا کی سیر کرواؤں۔ جہاں انسان کی قیمت سالے کُتے سے بھی گئی گُزری ہے۔''

موتی اُسکے پیچھے آیا۔ تو قدم مضبوط گردن اُٹھی ہوئی تھی۔ اُس نے مُٹھیاں کھول کر ہاتھوں کو دو چار دفعہ کھولا بند کیا۔

کائی کی اندر گارڈ نے تمام لڑکوں کو ایک لائن میں کھڑا کیا ہوا تھا۔ اُنکے چہرے نہر کی جانب تھے۔

گلزار کا چہرہ سُرخ ہو رہا تھا۔ جب وہ بولا۔

''اللہ کی قسم مجھے آج بھی بندہ مارتے ہوئے اُتنا ہی ڈر آتا ہے۔ جتنا ڈر پہلی دفعہ انسانی جان لینے پر آیا تھا۔ میں کئی کئی دن سو نہیں پاتا۔ مگر میں یہ سب کرنے پر مجبور ہوں۔ مجھے اللہ معاف کرے۔''

اُس نے ٹی ٹی لائن میں سب سے پہلے لڑکے کے سر پہ تانا۔ گولی چڑھائی۔

اس بات سے بے خبر کہ اُس کے پیچھے کھڑے موتی کا ہاتھ اپنے ہولسٹر کی جانب گیا تھا۔ کالا گالک اُس اُسکے ہاتھ میں تھا۔

فضا میں فائر کی آواز گونجی بچوں کی چیخیں نکل گئیں۔

گارڈ کی آنکھیں حیرت اور خوف سے پھیلیں اس سے پہلے کے وہ موتی کا نشانہ لیکر وار کرتا۔ موتی کے گالک سے ایک اور گولی نکلی اور گارڈ کا کام کر گئی۔

گلوار مٹی پہ گرا اپنے آخری سانس بھر رہا تھا۔ موتی آن اُسکے سر پہ کھڑا ہوا۔

''میں تمہیں مارنا نہیں چاہتا تھا۔ مگر تمہارے اندر کی سفاکی نے مجھے ایسا کرنے پر مجبور کیا ہے۔ تم ڈاکٹر کے کام کو غلط سمجھتے تھے۔ مگر تم نے کبھی اس ظلم کو روکنے کی کوشش نہیں کی ہے۔ آج کس قدر بے دردی سے ان بچوں کو مارنے والے تھے۔ میں اتنا وعدہ ضرور کرتا ہوں۔ تمہیں ایک لاوارث لاش بنا کر پانی میں نہیں پھینکو گا۔ بلکہ تمہاری لاش کو تمہارے ورثہ تک پہنچا دیا جائے گا۔''

اس دوران وہاں پر دو گاڑیاں آن رُکی تھیں۔ جن میں سے کُل چار آدمی نکلے۔ اور ہاتھوں میں ہتھیار لیے ایک تو مزدے کے ڈرائیور کو قابو کر کے کھڑا ہو گیا۔ باقی کے تینوں کائی کے پیچھے بھاگے۔ وہاں کا منظر دیکھ کر سب کی جان میں جان آئی۔

موتی کے ہاتھ میں چاقو تھا۔ جس سے وہ بچوں کے ہاتھوں کی رسیاں کاٹ رہا تھا۔

اپنے بندوں کو دیکھ کر وہ اپنا کام اُن کو سونپ کر اپنی گاڑی کی جانب بڑھتے ہوئے۔ تیز تیز بولتا ہدایت دے رہا تھا۔۔۔

''کوشش کرنا ان لوگوں کی غیر موجودگی کی خبر اگلے تین چار گھنٹے تک لاہور نہ پہنچے۔ مجھے ڈاکٹر تک پہنچنا ہے۔ باقی کا پلان منیر دیگا۔''

''جی سر۔۔۔ اللہ نگہبان۔۔۔''

''اللہ نگہبان دوست۔۔۔''

وہ اپنی گاڑی میں بیٹھا۔سڑک تک آنے تک اُس کے پیچھے صرف دھول کے بادل بچے تھے۔
جی ٹی روڈ پہ گاڑی اپنی منزل کو ڈالنے کے بعد اُس نے فون ملا کر سپیکر آن کیا۔
فون سٹیرنگ کے نیچے ڈیش بورڈ پر رکھ کر اپنا سارا فوکس سامنے روڈ پہ رکھا۔
"ہیلو سر۔۔۔شکر ہے آپکی کوئی خبر تو آئی۔"

"منیر۔۔۔"

"جی سر۔۔۔"

"یہ بیویوں والے ڈائیلاگز مت مارا کرو۔میری بات غور سے سنو۔"

"جی سر۔۔۔"
"ڈاکٹر نعیم آج کسی وقت کراچی کے لیے نکلنے والا ہے۔اگر میرے اُس تک پہنچنے سے پہلے وہ نکل گیا۔تو پوری تسلی کر و وہ ائر پورٹ پر روک لیا جائے۔اُسکا بھائی وسیم فیملی کے ساتھ ہو گا۔اُسے بھی دھرو۔باقی چار ٹیمیں تشکیل دیکر جتنی جگہوں سے ہم نے دوران تفتیش مال برآمد کیا ہے۔اُن جگہوں پہ فل آن ریڈ پڑوانی ہے۔اس ایکشن میں اپنے ساتھ سوائے رینجرز کے اور کسی کو شامل نہ کیا جائے۔ساری ریکوری سارا کچھ خفیہ رکھا جائے گا۔میڈیا میں بھی وہ خبر جائے گی جو ہم بھیجنا چاہیں گے۔سُن رہے ہو؟۔"
"جی سر۔۔۔"
"تمام ٹیمیں ایک دوسرے کے ساتھ رابطے میں رہ کر ایک وقت میں ہی ایکشن کریں تا کہ ایک پارٹی کو دوسروں کو الرٹ کرنے کا وقت نہ مل سکے۔"

"جی سر۔۔۔"
"ڈاکٹر کی طرف میں خود جاؤ نگا۔کسی اور کی ضرورت نہیں ہے۔"

"جی سر۔۔۔"
"جنٹلمین گیٹ ٹو ورک اللہ پاک ہمارے حامی و ناصر ہوں۔"

"انشااللہ سر۔۔۔اللہ نگہبان سر۔۔۔"

"اللہ نگہبان۔۔۔"

کال بند ہوتے ہی اُس نے گاڑی اگلے گئیر میں ڈالی اور ایکسلیٹر پر دباؤ بڑھا دیا۔

گاڑی ہوا سے باتیں کرتی جارہی تھی۔حالانکہ جس سڑک پہ وہ جارہا تھا۔وہ پنجاب کی مصروف ترین سڑکوں میں شمار ہوتی ہے۔اب بھی چھ بجے جانے والے بسوں کے نمبر نکل چکے تھے۔اور رنگ برنگی بسیں اپنے مخصوص ہارن بجاتی بڑی شان سے آجارہی تھیں۔اسکے علاوہ دودھ کے گوالے مختلف دیہاتوں سے دودھ لیکر شہر کو روانہ تھے۔اس دفعہ پھر اُس نے گاڑی دھرم کوٹ چوک سے شارٹ کٹ درمیان سے جانے والی سڑک پر ڈالی جو آگے جاکر کاموکی کے قریب نکلتی تھی۔

لاہور پہنچتے پہنچتے آٹھ بج گئے تھے۔ٹول پلازہ پہ پیسے دینے کے لیے وہ ڈیش بورڈ کے دراز کی جانب جُھکا تو نظر سیٹ کے نیچے گری یو ایس بی پر پڑی۔

ماتھے پہ تیوری آئی۔وہ یو ایس بی اُسکی نہیں تھی۔یقیناً گلزار کی جیب سے گری تھی۔

ڈیش بورڈ میں اُس نے ہر وقت تھوڑا اُٹھا رکھا ہوتا تھا۔

راوی کے پُل سے رنگ روڈ کی طرف ڈال کر اُس نے جھک کر یو ایس بی اُٹھائی۔

یو ایس بی میں کیا ہے۔جاننے کے تجسس میں اُس نے گاڑی اگلے شولڈر پہ اُتار لی۔

گاڑی سائیڈ پہ روک کر اپنی ڈیکی میں رکھا لیپ ٹاپ نکال کر لایا۔

ڈرائیونگ سیٹ پہ ٹانگیں باہر کو لٹکا کر بیٹھتے ہوئے اُس نے لیپ ٹاپ آن کیا۔

جب ونڈوز آن ہو گئیں تو یو ایس بی لگائی۔

اسکے ساتھ ہی انگلیاں تیزی سے کے ساتھ کیز پر بھاگنے لگیں۔

یو ایس بی میں کئی فائلز سیو تھیں۔

وہ سرسری سا سب پر نظر ڈال رہا تھا۔جب سب سے نچلی فائل کے ٹائٹل نے حیران کیا۔

"انجلز اِن جیل۔۔۔"

اُس نے سب سے پہلے وہی فائل کھولی۔

اُس فائل میں فقط دو ویڈیوز تھیں۔
وہ جانتا تھا۔ان وڈیوز میں کُچھ بھی اچھا نہیں ہونا۔مگر پھر بھی اُس نے اندر ہی اندر دُعا کی "یا اللہ رحم۔۔۔"
"پہلی ویڈیو میں سب سے پہلے نظر آنے والا چہرہ ڈاکٹر نعیم کا تھا۔جس کے ساتھ ایس ایچ او سرفراز موجود تھا۔
اگلا چہرہ جو کیمرے کی آنکھ نے کیچ کیا تھا۔وہ بابر مُراد کا تھا۔
سہا ہوا چڑیا کا بچہ بھرائی ہوئی آنکھیں کپکپاتے لب' چہرے پر آنسوؤں کے نشان۔۔۔اُس کے آگے بس انسانیت کی نچلے سے بھی نچلے درجے کی تذلیل رہ گئی۔
اُسکو لگا وہیں بیٹھے بیٹھے بصارت پتھرا گئی ہے۔سماعت میں سوائے آہوں اور سسکیوں کے اور کُچھ نہ بچا۔
اینڈ پر ایک تصویر تھی۔بابر مراد کرمُردہ وجود کی تصویر۔۔۔"
پانچ منٹ تک بے حس و حرکت بیٹھے رہنے کے بعد اُس نے اگلی ویڈیو پر کلک کیا۔
وڈیو چلتے ہی اُسکے سر پہ آسمان آ گرا۔
جس کے ملبے تلے وہ دھنستا چلا گیا۔
وہ ایک دس سالہ بچی تھی۔جو چیخ چیخ کر رو رہی تھی۔اُس کو دو لوگوں نے پکڑ رکھا تھا۔سکول یونیفارم پہ دو پونیاں پہنے گلے میں پانی والی بوتل لٹک رہی تھی۔
"بھائی کو چھوڑ دو۔میرے بھائی کو چھوڑ دو۔اُسکو مت مارو۔اُسکا خون نکل رہا ہے۔عابدین آنکھیں کھولو۔عابدین سانس نہیں لے رہا ہے۔امی جی کدھر ہیں۔آ کر دیکھیں عابدین سانس نہیں لے رہا ہے۔میرے ابو کدھر ہیں۔میں نے اپنے ابو کے پاس جانا ہے۔"
وہ اپنے بازو چُھڑوانے کی کوشش میں اُچھل اُچھل کر کک مار رہی تھی۔
تب کیمرے کے پیچھے سے ایک آدمی سامنے آیا۔اُس نے لڑکی کے گال پر بے دردی سے تھپڑوں کی بارش کر دی۔
"چیخ چیخ ہی بند نہیں ہو رہی۔تم دو سانڈ وں سے ایک بالشت بھر کی لونڈی نہیں قابو ہو رہی۔سارا مزا خراب

کر دیا۔ اس نے لڑکی کی چوٹی پکڑ کر پوری قوت سے کھینچی جس سے وہ تڑپ کر رہ گئی۔ جبکہ وہ آدمی اس کا گال پہ بوسہ لیتے ہوئے خباثت سے بولا۔

"چلو وہ تو تھک گیا۔ کیا خیال ہے۔ کیوں نہ لگے ہاتھ تمہاری بھی زبان بند کر دی جائے۔"

تبھی کمرے کا دروازہ ٹوٹنے کی آواز کے ساتھ ایک مردہ بچے کی تصویر آئی۔ ادھر ویڈیو بند ہو گئی۔ اسے اپنا سر گھومتا ہوا محسوس ہوا۔

سالوں گزر جانے کے باوجود وقت ابھی تک ٹھہرا نہیں تھا۔ ساجد بن عباس کوئی اور نہیں طاہر عباس کا بھائی تھا۔ ویڈیو میں موجود لڑکی بھی طاہرہ عباس تھی۔

غصے اور نفرت سے شکور کا جسم کانپ رہا تھا۔ یو ایس بی نکال کر اپنی جیب میں رکھی۔ لیپ ٹاپ ایک طرف ڈالا۔ گاڑی واپس پی سی روڈ پہ آ گئی۔

آدھے گھنٹے بعد وہ ڈاکٹر کی ذاتی رہائش گاہ پہ تھا۔ اب معاملہ ذاتی نوعیت کا ہو گیا تھا۔ یا جان لیں یا جان دیں۔ کہتے ہیں پیار محبت اور جنگ میں سب جائز ہے۔

دور سے ڈاکٹر کے گھر کی عمارت کو تاڑتے ہوئے وہ گاڑی سے نکلا۔ ڈکی کھول کر سامنے پڑے سامان میں سے بلٹ پروف جیکٹ اٹھا کر پہنی۔ سر پہ ہیلمٹ پہنا۔ تقریباً چار پانچ فٹ مگزین اپنی جیکٹ کی جیبوں میں گھسائے۔ گن پہلے ہی ہولسٹر میں تھی۔ اسے نکال کر کمر پہ باندھا۔ اور اپنی گن کو سیدھا کر کے گولیاں اٹھانے کے بعد گاڑی کو لاک کرتا ہوا سیدھا ڈاکٹر کے گیٹ کی جانب گیا۔ پہلے اس نے اپنا وائرلیس سسٹم جام کر کے گرل کو کھول دیا۔

ساری عمارت گارڈز کے گھیرے میں تھی۔

پانچ وارڈز کے نگرانوں کو اس نے بڑے اطمینان سے ایک ایک گولی مار کے گرا دیا۔

وہ جگہ ڈاکٹر کی آرام گاہ تھی۔ محل میں ہی شدید کراس فائرنگ کے بعد خاموشی چھا گئی۔

پوری طرح الرٹ ہو کر ہر سمت میں دیکھتے ہوئے وہ آگے بڑھتا رہا۔ ساری عمارت میں افرا تفری پھیل گئی۔

اُس نے کسی کو بھی جان سے نہیں مارا بلکہ ٹانگ یا ہاتھ پہ مار کر راستے سے ہٹایا۔
زخمی گارڈ کے سر پہ رُک کر پوچھا۔
"ڈاکٹر کدھر ہے؟۔۔۔"
"مجھے نہیں پتا۔"
اُس نے ایک دفعہ پھر اُسے کے بارہ سیدھی کی اور گارڈ کی دوسری ٹانگ پر گولی ماردی۔
جس سے وہ روتا بلکتا تڑپتا بولتا چلا گیا۔
"پہلی منزل پر اُسکا کمرہ ہے۔اس وقت ڈاکٹر اُدھر ہی موجود ہے۔"
"یہی بات پہلے بتا دیتے تو اچھا نہیں تھا۔"
اندر داخل ہونے تک کوئی مزاحمت نہیں ہوئی مگر جیسے ہی وہ داخلی دروازے سے اندر گیا۔آگے سے زبردست فائرنگ سے واسطہ پڑا۔اگر وہ بروقت پیچھے کو نہ ہوتا۔تو یقیناً گولی اُسکے سر کو ہیلو ہائے کر گئی ہوتی۔
اندر سے لگاتار فائر آتے رہے۔
اُس نے مین دروازے کی بجائے پچھلی جانب کا جائزہ لیکر پائپ کے ذریعے پہلی منزل پر پہنچنے کا فیصلہ کیا۔
بندوق کا بیلٹ گلے اور کندھے پہ ڈال کر نالی نیچے کو رکھی۔اور بڑی تیزی سے پائپ کے ذریعے چڑھ کر پہلی منزل کی کھلی کھڑکی میں کود گیا۔
وہاں بہت سے کمرے تھے۔جن میں عام طور پر یہ پتا لگانا مشکل ہوتا کہ ڈاکٹر کس کمرے میں ہوگا۔مگر اس وقت دو گارڈ ایک دروازے کے سامنے ہائی الرٹ کھڑے تھے۔
اُس کے چہرے پہ مسکراہٹ آئی۔
دو گولیاں اور دونوں گارڈ گر گئے۔
دروازہ اندر سے لاک تھا۔اُس نے لاک کا نشانہ لیکر گولی چلائی۔لاک ٹوٹتے ہی دروازہ وا ہو گیا۔جسے پوری طرح کھول کر وہ اندر داخل ہوا۔
ڈاکٹر گہرے نیلے رنگ کی ڈریسنگ گاؤن میں ملبوس اپنے اُڑے ہوئے حواس کو قابو کرتے ہوئے فون پہ کسی

کو گالیاں دے رہا تھا۔ مدد ابھی تک کیوں نہیں آئی۔ کس ادارے کی جرات ہوئی جو اُس نے مجھ جیسے شریف اور معزز شہری کے گھر پر اس طرح سے دھاوا بولا ہے۔"

اُس نے نہ آؤ دیکھا نہ تاؤ۔۔۔ آگے بڑھ کر ڈاکٹر کے ہاتھ سے فون لیکر دیوار میں مارا اور اُس کے اوپر لاتوں اور گھونسوں کی بارش کر دی۔

پہلے تو بوکھلاہٹ کا شکار نعیم مار کھاتا گیا۔ مگر پھر آگے سے تھوڑی مذاحمت کرنے کی کوشش میں اور بھی پٹا۔

"چلو اب ہاتھ پاؤں مارنا بس کرو۔ باعزت شہری۔ کیونکہ آج تمہیں بچانے کوئی نہیں آرہا۔ اس وقت اس کمرے میں تم اور میں ہیں۔ اور ہم دونوں میں سے کوئی ایک ہی زندہ سلامت یہاں سے نکل کر جائے گا۔"

"موتی تم۔۔۔؟۔۔۔ میرے ملازم ہو کر تم نے مجھ سے غداری کی ہے؟۔"

"میں تمہارا ملازم نہیں۔ اپنے آپ کا ملازم ہوں۔ موتی تم تک پہنچنے کا ایک ذریعہ تھا۔"

"تو پھر تم کون ہو؟۔۔۔"

اُس نے اپنے چہرے پہ لگائی نقلی داڑھی اُتار دی۔

"میرا خیال ہے۔ تمہیں اندازہ لگانے کی اجازت دی جانا تمہارا حق ہے۔"

ڈاکٹر کے چہرے پہ ایک سایہ سا گزرا۔

"منگو۔۔۔؟۔۔۔"

"تم شاطر ہو۔ اور شاطر انسان کی سب سے بڑی اچھائی یہ ہے کہ وہ دماغ کا استعمال کرنا جانتا ہے۔ اب ذرا بلاؤ اپنے آدمیوں کو۔ ایک سال کا کتنا بجٹ اپنی حفاظت کے لیے خرچ کرتے ہو۔ اتنی اتنی مہنگی کمپنیوں کے جدید ترین ٹریننگ لیکر آنے والے گارڈز رکھے ہوئے ہیں۔ تمہارے کمرے تک آتے ہوئے مجھے ٹوٹل چھ منٹ لگے ہیں۔ دو تو پائپ چڑھتے ہی لگ گئے۔ وہ دو منٹ نکال لو تو پیچھے بچے چار منٹ۔۔۔ تمہارے گارڈ صرف چار منٹ تک تمہیں محفوظ رکھ سکے۔ وہ بھی اسلیے کیونکہ تم اندر تھے۔ باہر ہوتے تو اللہ کی قسم میں ایک منٹ بھی ضائع نہ کرتا۔"

ڈاکٹر کے منہ ناک سے خون نکل رہا تھا۔ ترتیب سے سجے رہنے والے بال گھونسلا بن گئے تھے۔ بیڈ پہ گرا

ہانپ رہا تھا۔

اپنے ہاتھ سے منہ ناک کو محسوس کرنے کے بعد منہ سے خون تھوک کر بولا۔

”جس نے تمہیں میرے پیچھے لگایا ہے۔میں تُجھے اُس سے دوگنی قیمت دینے کو تیار ہوں۔“

”تو میری قیمت لگائے گا؟۔۔۔“

منگو نے اپنی بندوق کا دستہ رکھ کر اُس کے دانتوں پہ مارا۔۔۔خون کا فوارا چھوٹ گیا۔جس میں یہ دیکھنا مشکل تھا۔کتنے دانت ٹوٹے۔

”پلیز مجھے مزید نہ مارو۔“

”بتا بابر مُراد کو کیسے اغوا کروایا؟۔۔۔اُس کو ہی کیوں؟۔۔۔“

”میں سب بتا دونگا۔اگر تم مجھے مزید نہ مارنے کا وعدہ کرو۔میں اپنا ہر جرم قبول کر لونگا۔مجھے گرفتار کر لو۔میں اپنا کیس عدالت میں لڑنا چاہتا ہوں۔“

”تم مکار ہو۔تو میں تم جیسوں کی سانس پینے کے لیے پیدا ہوا ہوں۔مجھے میرے سوال کا جواب دو۔اُسکے بعد میں اپنا ارادہ بتاؤں گا کہ تمہارے ساتھ کیا کرنا ہے۔منحصر کرتا ہے۔تم مجھے کس حد تک سچائی بتاتے ہو۔“

”میں سب بتا دوں گا۔بابر مُراد کے ماں باپ میرے ریگولر کسٹمرز ہیں۔وہ ہر دفعہ اپنی ماں یا باپ کے ساتھ میرے کلینک آتا تھا۔“

”پھر۔۔۔؟۔۔۔“

”ڈاکٹر نے بیڈ شیڈ کے ساتھ اپنا منہ صاف کیا۔لہو رُکا نہیں تھا۔

”مجھے وہ اچھا لگتا تھا۔وہ جب بھی میرے کلینک پہ آیا۔میرا جی چاہتا کسی طرح اسکو چُرا لوں۔مگر میں چیک اپ کے بہانے سوائے چھونے کے اور کُچھ نہیں کر سکتا تھا۔اپنی اس بے بسی پہ غُصہ بھی بہت آتا تھا۔“

منگو اپنے فون پہ اُسی ویڈیو بنا رہا تھا۔

”اُس تک رسائی کیسے حاصل کی؟۔۔۔“

”میں نے اُسکی گلی میں جو ایک دوکان والا ہے۔اُسکو خرید ا تھا۔“

”کتنے میں؟۔۔۔“

”پندرہ لاکھ میں۔۔۔ یہ اُس نے منہ سے مانگا تھا۔ اگر وہ اُس وقت مجھ سے دو کروڑ کا مطالبہ کرتا۔ میں اس قدر بے تاب تھا۔ میں دو کروڑ بھی دینے کو تیار ہو جاتا۔“

”وہ دُکان دار پندرہ لاکھ لیکر مان گیا؟“

ڈاکٹر طنزیہ ہنسا۔۔۔

”تم کیا سمجھتے ہو؟ سارا معاشرہ تم جیسا غیرت مند ہے؟ اُس دُکان دار نے اس کے علاوہ مجھے لڑکوں کی وڈیوز بنا بنا کر بیچی ہیں۔ بچے جب اُسکی دُکان پہ آتے ہیں۔ بہانے سے اُنکو اندر بلاتا ہے۔ فری میں چیزیں دینے کے لالچ میں اُن سے چھوٹی موٹی جنسی شرارتیں کروا کر ریکارڈ کرتا ہے۔ پھر میرے جیسے بیوپاریوں کو بیچتا ہے۔ جنکی ڈائریکٹ انٹرنیشنل مارکیٹ تک رسائی ہے۔ ہم آگے مہنگے دام بیچ کر منافع کماتے ہیں۔ خود بھی کھاتے ہیں۔ یاروں کو بھی کھلاتے ہیں۔

اُس دن شام کے وقت بابر اُسکی دُکان پر آیا تھا۔ جسے اُس نے نشہ آور گولیاں جوس میں ملا کر پلانے کے بعد اپنے گھر لے گیا۔ جو کہ دُکان کے عقب میں واقع ہے۔ اندھیرا پھیلنے کے بعد میرے بندے جا کر اُسکو لے آئے تھے۔“

”اغوا کرنے کے کتنے دن بعد اُسکی موت ہوئی؟۔۔۔“

نعیم نے نظر چُرائی۔۔۔ مگر منگو کے جوتے سے لگی ٹھوکر نے منہ کھول دیا۔

”وہ اُسی دن ہی مر گیا تھا۔“

”کون کون؟۔۔۔“

”میں اور ایس ایچ او۔ ساتھ میں پروفیسر بھی تھا۔“

”ویڈیو میں تو تم اور ایس ایچ او ہو۔“

”پروفیسر کبھی ویڈیوز میں نہیں آیا۔ اُسکو اپنا آپ ظاہر کرنا پسند نہیں ہے۔ دیکھو اب میں نے تمہیں سب کچھ بتا دیا ہے۔ تم نے میرے اعتراف کی ویڈیو بھی بنالی ہے۔ اب مجھے اریسٹ کر لو۔“

''اتنی بھی کیا جلدی ہے۔ پہلے مجھے اپنے پسرور چھوڑنے کی وجہ تو بتاؤ۔ تمہارا تعلق پسرور سے ہے۔ لاہور شفٹ ہونے کی کیا وجہ تھی۔؟۔۔۔''

''میرا کام۔۔۔؟۔۔۔''

''کونسا کام۔۔۔''

''میں ایک ڈاکٹر ہوں۔ مجھے لاہور بڑی مارکیٹ لگا۔ جہاں میں زیادہ کما سکتا تھا۔''

''اصل وجہ بتاؤ گے یا میں تمہارے باقی کے دانت بھی توڑوں؟"

اُس نے ڈاکٹر کو مارنے کے لیے بیڈ سائیڈ پہ رکھا لیمپ ابھی اُٹھایا ہی تھا۔ جب ڈاکٹر نے دفاع میں اپنے دونوں ہاتھ اوپر اُٹھائے۔

''پلیز مجھے مت مارو۔ میں بتاتا ہوں۔''

''بکو۔۔۔''

''مجھ پہ ایک بچے کو قتل کرنے کا الزام لگا تھا۔ آگے پیچھے پیسہ دیکر جان چھڑوائی پھر یہاں بھاگ آیا۔''

''وہ بچہ کون تھا۔؟۔۔۔''

''وہ بھی بڑا خوبصورت تھا۔ وہ تقریباً بابر کا ہی ہم عمر تھا۔ وہ بھی بابر کی طرح تکلیف نہ سہہ پایا۔ موقع پہ ہی جاں بحق ہو گیا۔"

''تجھے کہاں ملا۔۔۔؟۔۔۔''

''روز میرے کلینک کے سامنے سے گزر کر سکول جاتا تھا۔ میں پورے چار ماہ اپنا کلینک اُسکی وجہ سے صبح سات بجے کھولتا رہا تھا۔''

منگو نے اپنی جیب میں سے ایک شیشی نکالی۔۔۔

''کیا اُس کو بھی اغوا کروایا تھا؟۔۔۔''

''یہ شیشی میں کیا ہے؟۔۔۔''

''کیا اُسکو بھی اغوا کروایا تھا؟۔۔۔''

اُس نے شیشی کا ڈھکن کھولا۔اندر سے بھاپ نکلی۔۔۔

''ت ت تم کیا کرنے لگے ہو؟۔۔۔میں اپنے جرم کا اقرار کر چکا ہوں۔مجھ پہ کیس چلاؤ۔''

''میں نے پوچھا ہے کیا اُسکو بھی اغوا کر کے مارا تھا؟۔۔۔اغوا کیسے کیا تھا۔؟اُس لڑکے کے ساتھ ایک لڑکی بھی تو تھی۔''

منگو نے شیشی سے چند قطرے ڈاکٹر کے گاؤن پہ اُسکی گود میں پھینکے۔

دو سیکنڈ بھی نہ لگے کپڑا جل گیا۔محلول سیدھا ڈاکٹر کے جسم پہ گرا۔اُسکی چیخوں سے کمرہ گونج اُٹھا۔

''آگے بول لڑکی کے منہ پہ کتنے تھپڑ مارے تھے۔؟۔'اس دفعہ ڈاکٹر کے سیدھے ہاتھ پر شیشی کو ہلکا سا اُلٹایا۔

تین چار سیکنڈ کا کھیل تھا۔ہاتھ کی ہڈیاں بھی پگھلتی گئیں۔

''وہ بچہ میرے خاندان کا خون تھا گٹے۔۔۔تو حرام خور ہے۔کتنے گھروں میں تو نے ماتم بچھائے۔کتنی کلیوں کو نوچ کر کھا گیا۔کتنی مائیں خون کے آنسو روئیں۔کتنے باپ غم کا پہاڑ کندھوں پہ اُٹھائے بے بسی کی زندگی جئے۔کتنی بہنوں نے بھائی کھوئے۔کتنے بچے ذلالت کی زندگی جینے پہ مجبور ہوئے۔تجھ جیسے شیطان کا بوجھ اس دھرتی نے بہت اُٹھا لیا۔''

''نہ نہ نہ مجھے مارو مت میں مرنا نہیں چاہتا۔میں ساری متاثرہ فیملیز کو ہرجانہ دینے کو تیار ہوں۔فی خاندان ایک ایک کروڑ دینے کو تیار ہوں۔غریب لوگ ہیں۔انکی تو زندگیاں بن جائینگی۔''

''تجھے لگتا ہے۔تو ظلمت کو پیسے کے زور پر بخشوا لے گا۔''

''یہ پاکستان ہے۔یہاں کچھ بھی ممکن ہے۔یہاں پیسہ دیکر جو مرضی کروا لو۔گلی گلی میں تمہیں میرے جیسے لوگ مل جائینگے جو ابھی میرے جیسے طاقت ور نہیں ہیں۔مگر وہ بُرائی کر رہے ہیں۔ایک نہ ایک دن میرے مقام پر پہنچ جائینگے۔تمہارے دینی مدرسوں میں لڑکوں کو جنسی زیادتی کا شکار بنایا جا رہا ہے۔تم کہاں کہاں لڑو گے۔اس سے اچھا ہے مجھ سے اپنے حصہ لے لو اور۔۔۔''

گا لک کی نالی سے دو گولیاں ایک ساتھ نکلی تھیں۔

ڈاکٹر بیڈ پر پیچھے کو گرا۔۔۔منگو نے اُسکے منہ پر تھوکا۔اور اپنی توجہ باہر بھاگتے قدموں کی آواز پہ لگائی۔

یکے بعد دیگر اسلحہ بردار آدمی ڈاکٹر کے کمرے کے دروازے میں اُبھرے۔۔۔سامنے سے منگو نے اپنا فل دفاع کرتے ہوئے۔سب کو زمین بوس کیا۔

باہر پولیس کے سائرن بجنے لگے۔جب تک کوئی پولیس والا اندر آیا وہ وہاں سے نکل چکا تھا۔

☆......☆......☆

ساڑھے گیارہ بجے کہیں جا کر اُسکی آنکھ کھلی تھی۔ابھی تک دل کو یقین نہ آ رہا تھا۔

دروازہ مسلسل بج رہا تھا۔اُس نے کمرے میں سے منگو کی آمد کے سارے نشان مٹائے۔اور بڑھ کر دروازہ کھول دیا۔سامنے حرمین کھڑی تھی۔

"اس گھر میں کسی کے اتنے لاڈ نہیں دیکھے جاتے ہیں۔آپ جو مرضی کرلیں امی کبھی آپکو کچھ نہیں کہتی ہیں۔ساری رات میوزک سُنیں سارا دن لمبی تان کر سوتی رہیں۔سب جائز ہے اور ایک ہم بیچارے ہیں۔ایک ذرا سا فون رکھنے کی اجازت نہیں ہے۔صبح سورج نکلنے کے ساتھ اُٹھاتی ہیں۔مجھے اب یقین ہو گیا ہے۔آپ امی کی سگی اولاد ہیں۔ہمیں تو کہیں سے اُٹھا کر لائی ہوئی ہیں۔"

تاشفہ کے لیے یہ باتیں نئی نہیں تھی۔اسلیے منہ پہ دو چار پانی کے چھینٹے مار کر باہر آ گئی۔

حرمین بھی ساتھ ساتھ تھی۔

"آپ نے نیا پرفیوم لیا ہے؟۔۔۔"

وہ تھمی مگر پلٹی نہیں۔جھوٹ بولنے کی گنجائش نہیں تھی۔کیونکہ اُسکے کمرے میں سے ابھی تک خوشبو اُٹھ رہی تھی۔"ہاں لیا ہے۔مگر میں تمہیں نہیں دے سکتی۔"

"پہلے تو کبھی کوئی چیز دینے سے انکار نہیں کرتی ہیں۔پھر اب کیوں نہیں دیں گی۔"

"میں تمہیں پیسے دے دونگی۔تم نیا لے لینا۔"

"ایک پرفیوم ہی تو ہے۔"

"حرمین ہر بات پہ بحث مت کیا کرو۔یہ پرفیوم نہیں دے سکتی ہوں۔اب دوبارہ مت بولنا۔"

”مجھے آپ بالکل بھی پسند نہیں ہیں۔“

تاشفہ نے مڑ کر اس کے گال پر پیار کیا۔اور نرمی سے بولی۔

”چندہ مجھے معاف کردو۔مگر کچھ چیزیں آپ کے لیے خاص ہوتی ہیں۔جو آپ کسی کے ساتھ بانٹ نہیں سکتے۔پلیز سمجھنے کی کوشش کرو۔“

”اگر آپ میرے ساتھ میری دوست کی سالگرہ پہ جانے کی حامی بھر لیں تو میں پرفیوم بھول جاؤنگی۔“

”بڑی تیز ہو۔بس مطالبے ہی منواتی رہتی ہو۔“

”ہاں تو آپ بھی کونسا کسی کے ہاتھ لگتی ہیں۔“

”اچھا بابا چلی جاؤنگی۔خوش؟۔۔۔“

”ہاں خوش اور اسی بات پر آپکے سابقہ گناہ معاف کیئے۔“

”بہت نوازش ہے۔اب کیا میں ناشتہ کرسکتی ہوں؟۔۔۔“

”اب تو دوپہر کا وقت ہو رہا ہے۔امی پچھلے صحن میں تندور پر بیسن والی روٹیاں لگا رہی ہیں۔دیسی پیزا۔۔۔“

”آپی کدھر ہیں؟۔۔۔“

”اُنکی ساس کا فون آیا تھا۔اسلیے دن چڑھتے ہی نکل گئیں۔“

”مجھے مل کر کیوں نہیں گئیں؟۔۔۔“

”ہاں آپ تو جیسے ایک آواز دینے پر اُٹھ جاتیں۔ارے سب سے اہم بات تو میں بتانا ہی بھول گئی۔بڑا عجیب وغریب واقع ہوا ہے۔“

”کیا ہوا ہے؟۔۔۔“

”ساتھ والی چاچی مسرت ہیں ناں اُنکی دیوار پہ کوئی خون لگا کر گیا ہے۔سارے محلے میں چہ مگوئیاں ہو رہی ہیں۔کسی نے اُن پر کالا جادو کیا ہے۔“

تاشفہ کے دماغ نے قلابازی کھائی۔

"کس دیوار پہ؟۔۔۔"

"اُنکی باہر والی دیوار اور کونسی۔۔۔خالہ بُتی نے کہا ہے۔کوئی اس خون کو صاف کرنے کا سوچے بھی نہ ورنہ جادو کا سارا اثر خون صاف کرنے والے پہ ہوگا۔"

"ہماری عورتیں بھی جہالت کی انتہا کر دیتی ہیں۔"

"ہیں کیا کر دیتی ہیں۔؟"

"میرا سر۔۔۔"

واشنگ مشین پہ رکھا اپنا دوپٹہ اُٹھا کر جلدی سے گیلا کر کے باہر کو چلی گئی۔

وہ ہو نہ ہو منگو کی ٹانگ سے نکلنے والا خون تھا۔جو دیوار پھلانگتے ہوئے اُدھر لگ گیا تھا۔اور ساری گلی کی عورتوں نے مل کر نئی کہانی گھڑ لی تھی۔

وہ باہر آئی تو چاچی مسرت باقاعدہ سر باندھ کر اپنی ڈیوڑھی میں بیٹھی رو رہی تھی۔گرد عورتوں کا جمگھٹا لگا ہوا تھا۔اُس نے کسی کی سُنی نہ کسی سے پوچھا۔آگے بڑھ کر گیلے کپڑے کی مدد سے دیوار پہ جما سارا خون صاف کر دیا۔

"لیں چاچی مسرت اب رونا بند کر دیں۔جادو سارا میرے پر آئے گا۔آپ محفوظ ہیں۔"

عورتوں نے منہ میں انگلیاں دے لیں۔

"توبہ خالدہ کی یہ لڑکی تو بڑی کم گو ہے۔گھر چلے جاؤ تو کبھی سامنے آکر سلام نہیں لیتی۔آج اسکو کیا دورا پڑا۔پرائی مصیبت اپنے سر لے گئی۔بھلا بتاؤ جوان جہان لڑکیوں کو تو ایسی جگہوں پر آنا ہی نہیں چاہیے۔"

"بس بہن جب اولاد کو سر پہ چڑھا رکھا ہو تو ایسا ہی ہوتا ہے۔خالدہ نے شروع سے اپنی بیٹیوں کو کھلی آزادی دی ہوئی ہے۔یہ والی تو اپنی پھوپھی کے گھر نوکری کرتی ہے۔اُسکی بیمار ساس کو سنبھالتی ہے۔پیسے کے لالچ میں خالدہ نے ایک کو فیکٹری میں مردوں کے ساتھ کام کرنے کی اجازت دے دی۔یہ تاشفہ تو ہفتوں بعد ایک دو دن کے لیے آتی ہے۔انہوں نے تو پاکستان میں ہی یورپ والا رواج بنایا ہوا ہے۔"

چاچی مسرت خالدہ بیگم کی بہت اچھی دوست تھیں۔اس لیے زیادہ دیر عورتوں کی بولیاں نہ سُن سکیں۔

"اللہ سچا جانتا ہے۔ یہ دیوار کے ساتھ دیوار ہے۔ عباس بھائی کو دنیا سے گئے اتنے سال ہو گئے ہیں۔۔۔مجال ہے جو آج تک ان لڑکیوں کی طرف سے کوئی بُری بات سُنی ہو۔ بڑی کا رشتہ بھی ماں نے خود دیکھ بھال کر کیا ہے۔ اور تاشفہ کی طرف سے تو خالدہ پریشان رہتی ہے۔ تاشفہ کہتی ہے۔ شادی نہیں کروائے گی۔ ہمیشہ ماں کے ساتھ رہے گی۔ بیٹیوں نے تو خالدہ کو کبھی بیٹے کی کمی نہیں ہونے دی۔ مافیہ اور حرمین روز کالج جاتی آتی ہیں۔ ماں کو کبھی کوئی ٹینشن نہیں دی۔ آج کل تو بیٹے بھی ماؤں کے لیے وہ نہیں کرتے جو یہ بیٹیاں ہو کر رہی ہیں۔"

ساری بولیاں بند ہو گئیں۔ جب کہنے کو کوئی موضوع نہ رہا تو ایک ایک کر کے سب اپنے گھروں کو چل پڑیں۔ گھر پہ تاشفہ کی شامت آئی ہوئی تھی۔

"وہاں جا کر وہ خون صاف کرنے کی تمہیں کیا ضرورت تھی۔ پہلے تمہاری صحت بڑی اچھی رہتی ہے۔ جو یہ نئی بلا چمٹانے کے چکر میں ہو۔"

تاشفہ ہنستی چلی گئی۔

مافیہ جوامی کو پیڑے دے رہی تھی۔ تعجب سے تاشفہ کو ہنستے دیکھ کر بولی

"ماشاءاللہ اللہ نظر نہ لگائے۔"

"یار ایک ذرا کسی کا ہاتھ لگ گیا ہو گا۔ ادھر تو نئی کہانی بن گئی۔"

"تم ان کہانیوں کو رہنے دو۔ کر آئی ہو جو کرنا تھا۔ اب اندر جا کر لسی میں برف اور نمک ڈال کر تیار کرو۔"

"امی روٹیوں کے لیے مکھن ہے؟۔۔۔"

"ہاں اندر باورچی خانے میں ہی ہے۔ باہر ہال میں دستر خواں بچھا کر ساری چیزیں لگاؤ۔ میں روٹیاں لاتی ہوں۔"

امی کے چہرے پہ آیا پسینہ اُس نے اپنے دوپٹے میں جذب کر لیا۔ پھر اپنا دوپٹہ سارا کھول کر امی اور سورج کے درمیان تان دیا۔

خالدہ کے لب مسکرا اُٹھے۔

''میں ہر روز یہاں روٹیاں لگاتی ہوں۔ مجھے سورج کی تپش کچھ نہیں کہتی۔ جاؤ شاباش اندر جاؤ جو کام بولا ہے وہ کرو۔'

''کاش میں بہت سا پڑھ کر کسی بڑی پوسٹ پہ جاتی۔ تب میری ماں کو یہ سارے کام نہ کرنے پڑتے۔''

''اچھا تب کون کرتا۔''

''نوکر کرتے۔''

''ماں صدقے جائے۔ نوکر تو اس دنیا کی شہزادی نے بھی نہیں رکھے تھے۔ جب سیدہ فاطمہ زہرہ جیسی ہستی اپنے کام کر سکتی ہیں۔ تو میری بچی ہماری کیا اوقات ہے؟۔۔۔''

''ایک تو آپ مثال بھی ایسی لاتی ہیں۔ کہ بندہ اعتراض بھی نہیں کر سکتا ہے۔ اچھا آپ اندر جا کر پنکھے کے نیچے بیٹھیں جو روٹیاں تندور میں رہ گئی ہیں۔ وہ میں نکال کر لے آتی ہوں۔''

اُس نے آخر کار اُنکو اندر بھیج کر ہی دم لیا۔

مافیہ آٹے والی خالی کنالی نل سے دھونے کے بعد دھوپ میں رکھ کر اُس کے پاس آئی جو تندور کے اندر نظر رکھے ہوئے تھی۔

''رات کو تمہارے کمرے میں کون آیا تھا؟۔۔۔''

تاشفہ کے لیے یہ سوال اس قدر اچانک تھا۔ شاک کے عالم میں مافیہ کی شکل دیکھے گئی۔ جو آنکھوں میں ناراضگی لیے اُسکو دیکھ رہی تھی۔ تاشفہ نے بازو کے اوپر رومال لپیٹا تھا۔ تاکہ تندور میں سے پک جانے والی روٹیاں نکال سکتی مگر اب ساکت ہو کر رہ گئی۔ زبان خشک ہوتی محسوس ہوئی۔ چہرے پر پسینے کے قطرے اُبھر آئے۔

مافیہ نے اُسکے ہاتھ سے رومال لیکر تیزی سے روٹیاں نکال کر چھابے میں رکھیں۔

''مجھے نہیں علم تم کیا کہہ رہی ہو؟۔''

''تاشی میرے ساتھ لاعلمی کی گیم مت کھیلنا۔ اگر بھول رہی ہو تو میں یاد کروا دوں۔ میں ہر روز تہجد کے لیے اُٹھتی ہوں۔ تمہارے کمرے سے باتوں کی آواز آ رہی تھی۔ اگر مجھے تمہاری فطرت معلوم نہ ہوتی نا تاشی تو اللہ کی

قسم میں اُسی وقت دروازہ توڑ کر تمہارے سر پہ جا کھڑی ہوتی۔ میں اُمید ہی کر سکتی ہوں۔ ہمارے مرحوم باپ کی اس محلے میں بڑی عزت ہے۔ اُسی عزت کے بل پر ہم ماں بیٹیاں یہاں بے فکری کی زندگی گزار رہی ہیں۔ ہماری ماں نے اپنی چاروں بیٹیوں کو زمانہ شناس بنایا ہے۔ میں نہیں چاہتی کوئی میری ماں کی تربیت پر اُنگلی اُٹھائے۔ اس بات کا ثبوت آج باہر کھڑی عورتوں کی باتوں سے مل ہی گیا ہوگا۔"

غصے میں بولنے کے ساتھ ساتھ مافیہ نے روٹیاں بھی نکال لیں۔ تاشفہ ابھی بھی بے حس و حرکت کھڑی تھی۔

تاشفہ نے اپنی صفائی دینے کے لیے زبان کھولی تو لاہور میں ہونے والا واقع یاد کر کے شرمندگی سے گال دہک گئے۔

نظر چرا کر بولی۔

"میں نے کوئی غلط کام نہیں کیا۔"

"رات کے اندھیرے میں تم سے ملنے کوئی شخص آتا ہے۔ اس سے بڑھ کر غلط بھی کچھ ہو سکتا ہے؟۔۔۔"

"وہ ملنے نہیں آیا تھا۔"

"اچھا تو کیا تمہیں آشرواد دینے آیا تھا۔"

"اُسکی گولی لگی تھی۔ مجھ سے مدد کی اُمید پر آیا تھا۔"

"تم کہاں کی سرجن ہو؟۔ اور یہ آدمی ہے کون۔ جو گولی کھا کر کسی ہسپتال یا ڈاکٹر وغیرہ کے پاس جانے کی بجائے اپنی معشوقہ کے پاس چُھپ رہا ہے۔ کس قسم کے چور اُچکے کے ساتھ علیک سلیک بنائی ہوئی ہے؟۔۔۔"

چھوٹی بہن کے آئینہ دکھانے پر اور اتنے سخت الفاظ کے چناؤ پر تاشفہ کا چہرہ سُرخ ہو گیا۔

"میں اُسکی معشوقہ نہیں ہوں۔"

"تو کیا تم اُسکی بیوی ہو؟۔۔۔"

"مافیہ تم حقیقت نہیں جانتی ہو۔ اسلیے اپنی زبان کو قابو کرو۔ تم زیادتی کر رہی ہو۔"

"ہاں میں زیادتی کر رہی ہوں۔ اور تم ہمارا نام روشن کرنے کی کوششوں میں ہو۔ ابھی جا کر امی کو بتاؤں نا تو دیکھنا پھر وہ تمہارا کیا حشر کرتی ہیں۔ تمہاری عقل کہاں گھاس چرنے چلی گئی ہے۔ کیا یہ وہی تھا؟۔"

"کون؟۔۔۔"

"وہی جس کی وجہ سے فون پر لاک لگا کر رکھتی ہو۔جسکی وجہ سے بات بار بار فون چیک کرتی ہو۔"

تاشفہ کو اپنی آواز گہری کھائی سے آتی محسوس ہوئی۔۔۔

"تمہیں کیسے پتا؟۔۔۔"

"تاشفہ جی میں اپنی آنکھیں اور کان کھول کر رکھتی ہوں۔اس گھر میں بیوقوف کوئی بھی نہیں ہے۔کیا ہمیں نہیں نظر آتا۔اگر فون پر مصروفیت کم ہو جائے ڈپریشن کی گولیوں میں اضافہ ہو جاتا ہے۔اور اگر فون پہ مصروف رہو تو لگتا ہی نہیں کہ تمہیں کبھی کوئی مسلہ ہوا بھی ہے۔"

"مافیہ کیا چاہتی ہو؟۔۔۔میری کمزوری ہاتھ آ گئی ہے تو کیا اب مجھے طعنے مار مار کر بلیک میل کرو گی؟۔۔۔"

"مجھے صرف اتنا بتا دو وہ کون ہے؟۔اور تمہارا اُسکے ساتھ کس قسم کا رشتہ ہے۔"

"یہ میں نہیں بتا سکتی۔"

"کیوں نہیں بتا سکتی ہو۔مجھے نہیں بتانا تو کم از کم امی کا آپی کو بتا دو۔تاکہ وہ اس کا کوئی حل نکالیں۔"

"جب وقت آئے گا بتا دونگی۔پلیز میں مزید اس موضوع پہ بات کرنا نہیں چاہتی ہوں۔"

"اگلی دفعہ جب وہ سارے صحن میں خون کے نشان چھوڑ کر جائے تو منہ اندھیرے نکل کر خود ہی صحن دھو لینا۔ میں اگلی دفعہ تمہارا پردہ نہیں رکھوں گی۔تمہیں کچھ اندازہ بھی ہے۔اگر یہ بات ہماری پھوپھیوں وغیرہ تک پہنچے تو وہ ہمارا جینا حرام کر دیں گی۔کیا تمہاری وجہ سے امی نے کم پریشانیاں دیکھی ہیں جو تم اُنکو یہ نیا غم دینے کی تیاریاں کر رہی ہو۔"

مافیہ اپنا دل ہلکا کرنے کے بعد روٹیاں اُٹھا کر اندر چلی گئی۔

تاشفہ کو اسی دن کا ڈر تھا۔آنکھوں کی جلن بڑھتی جا رہی تھی۔ہاتھ دھیرے دھیرے کانپ رہے تھے۔

"تو کیا اب میں نئے سرے سے بدکردار کہلاؤنگی؟۔۔۔مرد کا کیا ہے۔عین موقع پہ مکر جائے۔تو عورت کے دامن میں کیا بچتا ہے؟۔رُسوائی آنسو۔۔۔اور عمر بھر کا روگ۔۔۔"

"کیا میں اسکو فون کر کے بولوں کہ اپنی ماں کو سب سچ بتا کر میری ماں کے پاس بھیجو۔۔۔"

"کیا اپنی زبان سے کہوں کہ اس رشتے کو اب کوئی نام دے دو"

"کیا وہ میرا مان بنے گا یا مجھے فقط رُسوائی ہی ملے گی"

"میں کتنی پاگل ہوں۔ میں اس راہ پر چلی ہی کیوں۔ کیسے وہ میرے گرد جال بُنتا رہا اور میں دھیرے دھیرے کر کے اُس کے بُنے اس جال میں پوری طرح قید ہو گئی ہوں۔"

"کیا میں ابھی اندر جا کر امی کو سب سچ بتا دوں؟"

"کیا میری بات کا یقین کیا جائے گا؟۔۔۔"

"اگر مجھ سے ثبوت مانگا گیا تو کیا دیکھاؤ نگی۔ میرے پاس تو کوئی ثبوت بھی نہیں ہے۔"

"مافیہ تو میری بڑی عزت کرتی تھی۔ آج کیسے مجھے نفرت سے دیکھ کر گئی ہے۔ مجھ سے اُسکی نفرت برداشت نہیں ہونی ہے۔ میں اُسکو ساری سچائی بتا دیتی ہوں۔ وہ میری بہن ہے۔ بغیر ثبوت کے بھی میرا یقین کرلے گی۔"

حرمین اُسکو بُلانے آئی تھی۔ پر اُسکو اپنی سوچوں میں گھرا دیکھ کر ماتھے پر ہتھیلی مار کر بولی۔۔۔

"یا اللہ میری بہن کو ٹھیک کر دیں۔"

"اندر آجائیں امی بُلا رہی ہیں۔"

اُس نے ہتھیلی کی پُشت سے اپنا چہرہ صاف کیا۔ حرمین اُسکا بازو پکڑ کر کھینچتی ہوئی اندر لے گئی۔

ہال میں کولر لگا کر امی وہیں پہ دستر خواں پر بیٹھ کر روٹیوں پہ مکھن لگا رہی تھی۔ مافیہ دہی اچار اور چٹنی وغیرہ رکھنے کے بعد خود بھی بیٹھ گئی۔

تاشفہ کی نظریں ٹی وی سکرین پر چلتی ہیڈ لائنز پر پڑیں تو قدم زمین نے جکڑ لیے۔

جبکہ نیوز کاسٹر کہہ رہی تھی۔

"ناظرین یہاں ہم آپکو ایک اہم خبر سے مطلع کرتے چلیں۔ پورے پنجاب بھر میں سیکیورٹی فورسز نے بچوں کی خرید و فروخت میں ملوث لوگوں کے خلاف کریک ڈاؤن کیا ہے۔ جس کے نتیجے میں صوبے بھر میں مختلف شہروں میں چھاپے مار کا متعدد افراد کو زیرِ حراست لیا ہے۔ ایک بہت بڑا گروہ بھی بے نقاب کیا ہے۔ جو بچوں کی فحش فلمیں بنا کر اندرونے اور بیرونے ملک بیچتے تھے۔"

''ناظرین ابھی تک کی اطلاع کے مطابق اس سارے گروپ کا سربراہ ڈاکٹر نعیم تھا۔ جو اس کارروائی کے دوران مارا گیا ہے۔ پولیس نے ڈاکٹر نعیم کی موت کی تصدیق کرتے ہوئے بتایا ہے۔ ڈاکٹر ایک انتہائی بُری فطرت کا آدمی تھا۔ تحقیقات کے دوران اُسکے خلاف ملنے والے شواہد اُسکو جیل کی سلاخوں کے پیچھے بھجوانے کے لیے کافی تھے۔''

''اسکے علاوہ یہ بات بھی سامنے آئی ہے۔ کہ یہ وہی ڈاکٹر نعیم ہیں۔ جنکو دس سال پہلے پسرور شہر سے بچے کے ساتھ زیادتی کے کیس میں گرفتار کیا گیا تھا۔ مگر اُن پر کوئی مقدمہ نہ چل سکا۔ نہ ہی کوئی سزا سُنائی جا سکی۔''

''کاروائی کے دوران گرفتار ہونے والے افراد کو نا معلوم مقام پر منتقل کیا گیا ہے۔''

''اس سارے عمل کے دوران مختلف مقامات سے بازیاب کیے جانے والے بچوں کی صحیح تعداد ابھی تک سامنے نہیں آسکی۔ مگر کہا یہی جا رہا ہے کہ ان بچوں کی تعداد سینکڑوں میں ہے۔''

''تمام این جی اوز اور بہت سے رفاعی ادارے ان بچوں کی دیکھ بھال کے سلسلے میں مدد کرنے کے لیے آگے آئے ہیں۔''

ناظرین اس سارے واقعے کا ایک تو قانونی پہلو ہے۔ جس پر ہم ضرور بات کریں گے۔ مگر اس وقت ہم نے اُن بچوں کے جذبات واحساسات کی ایک تصویر حاصل کرنے کے لیے اپنے سٹوڈیو میں دعوت دی ہے۔ ڈاکٹر ایمن صالحہ صاحبہ کو جو کہ ایک سائیکالوجسٹ ہیں۔ اور اس کیس کو بڑا کلوزلی دیکھ بھی رہی ہیں۔ انکے ساتھ ہم نے ایک سوشل ورکر کو مدعو کیا ہے۔ جو اپنی این جی او چلا رہے ہیں۔''

''اسلام وعلیکم ڈاکٹر صاحبہ۔۔۔'

''وعلیکم اسلام۔۔۔''

''بہت شکریہ آپ اتنے شارٹ نوٹس پر تشریف لائیں۔''

صالحہ نے صرف سرہلانے پر اکتفا کیا۔

''ڈاکٹر صاحبہ آپ سے ہم یہ جاننا چاہیں گے۔ جو بچے آج سامنے آئے ہیں۔ جنکے ساتھ کسی نہ کسی قسم کی جنسی زیادتی کی گئی ہوئی ہے۔ آپ کے خیال میں اُنکو کس قسم کی مدد کی ضرورت ہے؟''

"بہت شکریہ جی آپ نے اس قدر اہم اور حساس موضوع پر بولنے کے لیے مجھے موقع دیا۔"

"دیکھیے بچے کسی بھی معاشرے کا قیمتی ترین سرمایہ ہیں۔ یہ ہمارا آنے والا کل ہیں۔ ہمارا مستقبل انکے ہاتھوں میں ہے۔"

"کسی بھی بچے کو ایسے حالات کا سامنا نہیں ہونا چاہیے۔ جن حالات سے گزر کر یہ بچے ہم تک پہنچے ہیں۔ اُسکے اثرات ان کی زندگیوں پر بڑے دوررس نتائج چھوڑ کر جائینگے۔"

"یہ لوگ ایک ایسی زندگی جیتے آرہے ہیں۔ جو کسی کی بھی ذاتی پسند نہیں ہے۔ ان میں سے کچھ کیس ایسے ہیں۔ جو روز مرتے ہیں۔ روز جیتے ہیں۔ یہ ایک ہزار بچہ ہمارے سامنے آیا ہے۔ نہ جانے کتنے ہزار ابھی تک اندھیروں میں بھٹک رہے ہیں۔"

"میرے پاس ایک پندرہ سالا بچہ آیا ہے۔ جسکا میں پچھلے دو سال سے علاج کر رہی ہوں۔ وہ اپنے آپ کو ختم کر دینا چاہتا تھا۔ دو سال سے میں اسکے ساتھ کام کر رہی ہوں۔ مگر ابھی تک وہ اُس ٹروما سے نکل نہیں پا رہا ہے۔ اس میں سب سے بڑا ہاتھ ہمارے معاشرے کا ہے۔ ہمارے لوگ غلط لوگوں کو غلط نہیں کہتے ہیں۔ یہاں پر جو وکٹم ہوتا ہے۔ اُسکو بُرا جانا جاتا ہے۔ اُس کے ساتھ کسی کی ہمدردی نہیں ہوتی ہے۔ حالانکہ ہونا تو یہ چاہیے کہ ہم قصوروار افراد کو سخت سے سخت سزا دیں۔ اور متاثرہ انسانوں کی ہر طرح سے اخلاقی' جذباتی مدد کریں۔ اُنکو اچھوت کا مریض سمجھ کر ایک طرف نہ ڈال دیا جائے جہاں وہ بھٹک کر اُنہی راستوں کے راہی بن جائیں جنہوں نے اُنکو ڈسا تھا۔ بلکہ پیار اور توجہ سے اُنکو زندگی کی طرف لانا چاہیے۔ انکو میری اور آپ کو توجہ کی ضرورت ہے۔ انکے ساتھ بھلائی کریں۔ انکے ساتھ ویسا ہی رویہ رکھیں جیسا آپ روزمرہ کی زندگی میں ہر ایک کے ساتھ رکھتے ہیں۔ انکو کسی بھی طرح اپنے سے کم تر نہ سمجھا جائے۔"

"خاص طور پر ماں باپ بہن بھائی اور قریبی رشتہ داروں کا اہم رول ہے۔ انکو سمیٹ لیں۔ تا کہ آنے والی زندگی میں یہ معاشرے کے فعال شہری بن سکیں۔"

"ڈاکٹر صاحبہ آپکے خیال میں ایک معاشرے کی حیثیت سے ہم کیا اتنے گر چکے ہیں۔ اتنا بڑا کرائم ہمارے درمیان اتنے بڑے پیمانے پر ہو گیا اور ہمیں خبر تک نہیں ہوئی۔"

"نہیں یہ بات غلط ہے۔ ہمیں خبر ہے۔ ہم سب کسی نہ کسی طرح سے باخبر ہیں۔ ہم اپنے اردگرد کی دنیا سے بے خبر بالکل نہیں ہیں۔ ہاں ہم بے حس ضرور ہیں۔ یہ بات ہم لوگوں کو گھن کی طرح کھوکھلا کر دے گی۔ ہمارے اندر سے احساسِ ذمہ داری ختم ہو چکا ہے۔"

"ہم اپنی رائے دینا جانتے ہیں۔ مگر ہماری دوڑ فقط بیان بازیوں تک ہے۔ جب آپ کے حکمران جو لوگ اتھارٹی رکھتے ہیں۔ وہ ایسی کسی خبر پر میڈیا میں آ کر فقط یہ کہہ کر خود کو سُرخرو جانیں۔ کہ وزیرِ مملکت اس واقعے کی بھرپور مزمت کرتے ہیں۔ تو قوم سے آپ کیا توقع کر سکتے ہیں؟۔"

"پچھلے کچھ عرصے سے لڑکوں کے ساتھ ہونے والی زیادتوں کی خبریں میڈیا کے زریعے ہم تک پہنچی ہیں۔ بات یہ ہے کہ بچیوں کے ساتھ جنسی زیادتی کی خبر زیادہ توجہ کھینچتی ہے۔ حقوق نسواں پہ کام کرنے والی انجیوز سامنے آ جاتی ہیں۔ واقعے کو توجہ مل جاتی ہے۔ جبکہ دوسری جانب بچوں کے ساتھ ہونے والی زیادتی کو پہلے تو رپورٹ ہی نہیں کیا جاتا۔ بچے شرم اور ڈر کے مارے گھر میں ہی نہیں بتاتے۔ اگر بتا بھی دیں۔ تو معاشرتی پریشر اتنا زیادہ ہے۔ ماں باپ ہی اُس چیز کا وہیں دبا دیتے ہیں۔ بہت ہی کم اس قسم کے کیس کہیں رپورٹ ملیں گے۔"

"مگر ڈاکٹر صاحبہ بچیوں کے ساتھ زیادتی کے کیس بھی تو دبائے جاتے ہیں۔"

"جی ہاں مگر اس سمت میں پھر بھی کچھ کام ہوا ہے۔ کوئی تھوڑی بہت توجہ دی گئی ہے۔ جبکہ جو موضوع آج زیرِ بحث ہے۔ اس پر ابھی تک کوئی کام نہیں ہوا ہے۔"

ہوسٹ اس دفعہ سوشل ورکر کی جانب مُڑا۔

"مدثر غنی صاحب کیا آپ ڈاکٹر صالحہ صاحبہ سے اتفاق کرتے ہیں؟۔۔۔ کیا واقعی ہمارے ہاں اس نہج میں کوئی کام نہیں ہوا ہے؟۔۔۔"

"جی بالکل میں ڈاکٹر صاحبہ کی اس بات سے ایک سو ایک فیصد اتفاق کرتا ہوں۔ خطرناک ترین بات یہ ہے کہ ہمارے ہاں دو ہزار چودہ تک چائیلڈ ابیوز کے خلاف کوئی قانون ہی نہیں تھا۔ جب کوئی کیس رپورٹ کیا جاتا تھا۔ تو حکام کا یہ کہنا ہوتا ہمارے پاس سوائے ریپ کے اور کوئی آپشن موجود نہیں ہے۔ جس کے تحت مقدمہ درج کیا جائے۔ تو ان لیس اگر آپ کے ساتھ ریپ نہیں ہوا۔ آپ کی درخواست ہی درج نہیں ہو گی۔ اور آپ چپ

چاپ گھر جانے پر مجبور تھے۔ اللہ انکا بھلا کریں دو ہزار چودہ میں چائلڈ ابیوز کو ایک کرائم مانا گیا۔ اور باقاعدہ اس پر اسمبلی میں بل پاس کر کے قانون لایا گیا۔ اب ہم نئے مسئلے سے دوچار ہوئے ہیں۔ یہ آج کا کیس چائلڈ پنا گرفی کا کیس ہے۔ اور ہمارے پاس اسکا بھی قانون نہیں تھا۔"

"دو ہزار پندرہ میں دو سو اسی بچوں کے ساتھ ہونے والا سیکشوول ابیوز کا کیس منظرِ عام پر آیا تھا۔ جس میں پچیس افراد نے ان بچوں سے زبردستی پورن ویڈیوز بنائی تھیں۔ اُن ویڈیوز کو بنیاد بنا کر اُن تمام متاثرہ گھرانوں کی زبان بند رکھی تھی۔ اگر وہ انکے خلاف کچھ رپورٹ کریں گے۔ تو یہ لوگ انکے بچوں کی فلمیں لیک کر کے انکا جینا حرام کریں گے۔ بدقسمتی سے جب وہ واقعہ منظرِ عام پر آیا۔ تب ہمارے پاس اُنکو سزا دینے کے لیے قانون نہ تھا۔ پھر سے اسمبلی میں پاس شدہ بل میں ترمیم کی گئی اور چائیلڈ سیکشول ایکٹ آیا۔ جس میں پنا گرفی اور ملکی حدود میں ہونے والی چائلڈ ٹریفکینگ پر بھی سزا رکھی گئی۔"

"مگر جو سزا ان جرائم کے لیے مختص کی گئی ہے۔ وہ انتہائی کم ہے۔ مثال کے طور پر آج ہم لوگ یہاں اگر موجود ہیں۔ تو صرف اور صرف بابر مُراد کے والدین کی وجہ سے۔ میں اس سب کا کریڈٹ متاثرہ والدین کو دیتا ہوں۔ جنہوں نے چار ماہ پہلے اغوا ہونے والے اپنے سات سالہ بیٹے بابر مُراد کا کیس تھانے میں رجسٹر کروایا۔ مگر جب وہاں سے جب کوئی حوصلہ افزا نتائج نہیں نکلے تو اُنہوں نے اپنے طور پر ایک پرائیویٹ انویسٹی گیٹر ہائر کیا۔ یہ اگلا سارا کام ہمارے اُس بہادر افسر کا ہے۔ جس نے اپنی ساری ٹیم کے ساتھ مل کر اتنے بڑے گروہ کو بے نقاب کر دیا۔ اُنکا سرغنہ مارا گیا۔ میں اُس ماں کے لال کو سلام پیش کرتا ہوں۔ کیونکہ جب آپ ایسے ظالم لوگوں سے جنگ کا اعلان کرتے ہیں۔ تو آپکو اپنی جان ہتھیلی پر رکھ کر میدان میں اُترنا پڑتا ہے۔"

"ناظرین یہ بات ہمارے لیے بھی بریکنگ نیوز ہی ہے۔ مدثر غنی صاحب نے آج کے اس شو میں ایک انتہائی اہم انکشاف کیا ہے۔ انکا کہنا ہے۔ یہ لوگ حکومتی کاروائی کے نتیجے میں نہیں پکڑے گئے۔ بلکہ یہ ایک ذاتی تفتیش کا نتیجہ ہے۔ جو اُس بچے کے ماں باپ نے کروائی۔ مدثر غنی صاحب کیا آپ ہمیں بتانا پسند کریں گے۔ جن افسر کا آپ نے ذکر کیا ہے۔ انکا تعلق کس تنظیم سے ہے۔؟"

"معذرت کے ساتھ میں تفصیل سے آگاہ نہیں ہوں۔ مجھے صرف اُتنا علم ہے۔ جو بابر مُراد کے والد سے

معلوم ہوا۔ یہ بات اُنہوں نے میڈیا میں بالکل بھی لیک نہیں کی ہے۔ کیونکہ جس ادارے نے اُنکی مدد کی یہ اُنکی پالیسی ہے۔ وہ لوگ منظر پر نہیں آتے۔ مگر چونکہ میرے مُراد صاحب کے ساتھ فیملی بیسڈ تعلقات ہیں۔ اسلیے مجھے ان تمام باتوں کا علم ہوا۔ یہاں ذکر کرنے کا مقصد صرف یہی ہے۔ میں اُن تمام لوگون کی دل سے قدر کرتا ہوں۔ اگر اُن میں سے کوئی بھی اس وقت مجھے سُن رہا ہو۔ تو میں کہنا چاہوں گا سر ساری قوم کی جانب سے آپ کو سلوٹ ہے۔ آپ ہمارا فخر ہیں۔ اللہ ہر حال میں آپکا حامی و ناصر ہو۔ آمین۔۔۔"

ہوسٹ نے جلدی سے خود کو حیرت سے نکال کر شو سنبھالا۔

"پروڈیوسر صاحب کوشش کریں۔ اگر ہم بابر مُراد کے والدین کو لائن پر لے سکیں۔"

ہوسٹ صالحہ کی جانب متوجہ ہوا۔۔۔

"ڈاکٹر صاحبہ آپ مزید کچھ کہنا چاہیں گی۔"

"جی میں یہ بتانا چاہونگی کم عمر بچیوں کے ساتھ جو زیادتی کا خطرہ ہوتا ہے۔ وہ گھر کی چاردیواری میں زیادہ ہوتا ہے۔ اپنے ہی کسی نہ کسی فیملی ممبر کی جانب سے ہی ایسا عمل کیا جاتا ہے۔ جبکہ لڑکوں کو ایسا خطرہ گھر سے باہر ہوتا ہے۔ گھر میں وہ محفوظ ہوتے ہیں۔ گھر سے باہر اُساتزہ' گھر کے پاس دُکان والا' مدرسے میں' یا گلی محلے میں وہ لوگ جنکے ساتھ وہ اُٹھتا بیٹھتا ہے۔"

"اسکے علاوہ یہاں اس پلیٹ فارم کا فائدہ اُٹھاتے ہوئے۔ اپنے ملک کے بچوں اور والدین کو ایک پیغام دینا چاہونگی۔"

"جو بچے مجھے سُن رہے ہیں۔ آپ کو ایک بات ہمیشہ یاد رکھنی ہے۔ آپ کا جسم صرف آپکی اپنی ملکیت ہے۔ اسکو چھونے کی اجازت کسی کو بھی نہیں ہے۔ گھر کے اندر یا گھر کے باہر آپ کسی کو بھی اپنی ذاتی حدود میں آنے کی اجازت نہ دیں۔ اگر آپکو لگے کوئی خوانخواہ آپ کے جسم کو چھونے کی کوشش کر رہا ہے۔ آپ اُن سے دور بھاگ جائیں۔ فوراً سے اپنے بڑوں کو بتائیں۔ وہ بڑے دادا دادی ہو سکتے ہیں۔ آپ کے بڑے بہن بھائی ہو سکتے ہیں۔ ماں باپ کو بتا سکتے ہیں۔ جس کو مرضی بتائیں مگر بتائیں ضرور۔ اگر کوئی آپ کو نقصان پہنچانے کی دھمکی دیکر اپنا عمل جاری رکھنے کی کوشش کرے تو شور مچا دیں۔ کیونکہ یہ بات دیکھنے میں آئی ہے۔ سیونٹی پرسنٹ

کیسس میں جہاں بچے شور مچا دیتے ہیں۔ وہ بچ جاتے ہیں۔ اور جو ڈر کر خاموش ہو جاتے ہیں۔ یا گھر والوں کی جانب سے خاموش کروا دیئے جاتے ہیں۔ وہ بہت زیادہ برداشت کرتے ہیں۔ ذہنی طور پر بھی سالوں لگ جاتے ہیں۔ مگر وہ اپنی تکلیف نہیں بھولتے ہیں۔"

"ماں باپ سے درخواست ہے۔ کبھی اپنے بچے کو اپنے کسی رشتے دار کا محلے دار کے پاس نہ چھوڑیں۔ ہمیشہ اُنکے ساتھ رہیں۔ یہاں تک کہ وہ اس عمر کو نہیں پہنچ جاتے جب وہ اپنا اچھا بُرا سمجھ سکیں۔ اپنے بچے کے رویے کو اہمیت دیا کریں۔ اگر آپ کو لگے وہ کسی خاص شخص کے سامنے نارمل رویہ ظاہر نہیں کرتے۔ کسی سے دور بھاگتے ہیں۔ جان چھڑواتے ہیں۔ بدتمیزی کرتے ہیں۔ مگر عام زندگی میں وہ بچے ایسا نہیں کرتے۔ تو خُدارا اُنکو اخلاقیات کا لیکچر دینے کی بجائے۔ پیار سے پوچھیں آیا کہیں آپکی ناک کے نیچے آپ کا بچہ کسی زیادتی کا شکار تو نہیں ہے۔ بچوں کو سُنیں اُنہیں اعتماد دیں۔ اُنکو اتنی ہمت دیں۔ وہ اپنی ہر بات آپ کے ساتھ شیئر کریں۔ اور اگر خُدانخواستہ کبھی کوئی غیر معمولی رویہ سامنے آجائے تو اُسکو ڈھارس دیں۔ اُسکو باہر نکالیں اور روکنے کے لیے ضروری کاروائی کریں۔"

"میں یہاں پر ایک ذاتی واقعہ بتانا چاہوں گی۔ میری کزن اور میں ٹیوشن پڑھنے جایا کرتے تھے۔ کزن میرے سے عمر میں دس سال بڑی تھیں۔ ایک دن سردیوں کی شام ہم لوگ جس وقت ٹیوشن پڑھ کر اکیڈمی سے اندھیرا پھیلنا شروع ہو گیا تھا۔ ہم لوگ گھر سے تھوڑا ہی دور تھیں۔ جب ایک لڑکا سامنے سے آیا اور آپی کا بیگ پکڑ لیا۔ کہنے لگا میں آپکو پسند کرتا ہوں۔ روز آپکو آتے جاتے دیکھتا ہوں۔ آج تو نام جانے بغیر نہ جاؤ نگا نہ آپکو جانے دونگا۔"

"آپی ڈری تو میری باقاعدہ ٹانگیں کانپنے لگیں۔ اُنہوں نے بیگ چھڑوانے کی کوشش کی مگر وہ ڈھیٹ بنا جما رہا۔ چونکہ اپنے محلے میں تھے۔ آپی نے دھمکی دی بیگ چھوڑ دو ورنہ شور کر دونگی۔"

"اُس لڑکے کو لگا یوں دھمکا رہی ہے۔ مگر آپی نے بیچ میں آواز لگا دی۔ قریب ہی ہماری برادری کے چچا کا گھر تھا۔ آپی نے اُنہی چاچو کو آواز دی۔ وہ لڑکا اُسی وقت بیگ چھوڑ کر بھاگ گیا۔ آپی نے میرا ہاتھ پکڑا اور روتے ہوئے تیز تیز قدم اُٹھاتے گھر کی جانب چل پڑیں۔ گھر کے سامنے اُنکا بھائی کھڑا تھا۔ اُنہوں نے سارا

ماجرا بتایا ساتھ ہی اُس لڑکے کا حلیہ بھائی اُسی وقت اُس سمت میں بھاگ گیا۔ بعد میں اُس لڑکے کے ساتھ جو ہوئی وہ ایک الگ کہانی ہے۔"

"مگر میرا جو اس وقعے کو یہاں پر بیان کرنے کا مقصد ہے۔ وہ یہ ہے کہ جب میں اپنے گھر آئی۔ ٹانگیں کانپ رہی ہیں۔ دل کی دھڑکن آوٹ آف کنٹرول ہے۔ ایک دس گیارہ سال کی بچی گھر آ کر بڑی اُمید پر ماں کو بتاتی ہے۔ امی امی آج ایسا ہوا ہے۔ امی آگے سے کہتی ہیں۔ بس اس بات کو ادھر ہی بھول جاؤ۔ وہ بچی آنکھوں میں حیرت لیکر پوچھتی ہے۔ آخر کیوں؟۔۔۔ تو امی کہتی ہیں۔ اگر تمہارے باپ کے کان میں یہ بات پڑ گئی ناں تو یہ سکول ٹیوشن سب یہیں بند ہو جانا ہے۔ وہ دس سالہ لڑکی آج تک حیران ہے۔ میری ماں نے ایسا کیوں کہا؟ یہ کیوں نہ کہا بیٹا فکر کرنے کی کوئی بات نہیں میں تمہارے ابو کو بتاتی ہوں۔ وہ دیکھ لیں گے۔ اور کل سے میں خود یا گھر کا کوئی اور بڑا تم لوگوں کو اکیڈمی لینے کا یا کرے گا۔"

"جب ہم اپنے بچوں کو خاموش رہنے کا حکم دیتے ہیں۔ تو یقین مانیے وہ ساری عمر کے لیے ذہنی طور پر مفلوج ہو جاتے ہیں۔ کبھی بھی اپنے ساتھ ہونے والی زیادتی یا غلط رویہ دوسروں کے سامنے نہیں رکھتے۔ اور یہ ظلم ہے۔ آپ اُنکے ساتھ ظلم کر رہے ہیں۔ وہ تو بچے ہیں۔ آپ جو بات اُنکے دماغ میں بیٹھا دیں گے۔ وہ اُسی کو پکڑ کر بیٹھے رہیں گے۔ اسلیے ضروری ہے۔ والدین اپنے بچوں کو بڑی چھوٹی عمر سے ہی یہ بات سکھائیں ظلم و زیادتی پر خاموشی اختیار نہیں کرنی۔ بتانا ہے۔ آواز اُٹھانی ہے۔ اور ماں باپ اُس ظلم کو روکنے کی ہر ممکنہ کوشش کریں گے۔"

"ڈاکٹر صاحبہ نے بہت ہی خوبصورت اور اہم پہلو پر روشنی ڈالی ہے۔ ابھی ہمارے ساتھ بابر مُراد کے والد مُراد صاحب موجود ہیں۔"

"اسلام وعلیکم سر۔۔۔ ہم لوگ آپ کے دُکھ میں برابر کے شریک ہیں۔ ہمارے پاس الفاظ نہیں ہیں۔ جو غم کی اس گھڑی میں آپکی دل جوئی کر سکیں۔"

"بہت شکریہ۔ جناب میرا غم بہت بڑا ہے۔ میری بیوی نیم پاگل ہو چکی ہے۔ ان گزرنے والے چار ماہ میں ہم لوگ پل پل مرے ہیں۔ مگر اسکے باوجود میں آج خوش ہوں۔ میرے بیٹے کے ساتھ ظلم کرنے والے لوگ کیفِ کردار کو پہنچے ہیں۔ اُنکا سارا نیٹ ورک تباہ ہو گیا ہے۔ کم از کم یہ لوگ کسی اور بابر کا شکار نہیں کر پائینگے۔ مگر

ہمارے لوگوں کو الرٹ رہنا پڑے گا۔ میں تو بھگت چکا ہوں۔ اب اپنے بچوں کو ایک پل بھی آنکھوں سے دور نہیں کرتا ہوں۔ مگر یہ اسکا کوئی حل نہیں ہے۔ ہمیں اپنے معاشرے میں ایسا ماحول بنانا ہوگا۔ جس میں ہمارے بچوں کو اتنی سی آزادی اور خوشی تو میسر ہو۔ وہ گلی میں دوستوں کے ساتھ کھیل سکیں۔ وہ قریبی دُکان پر کسی شکاری کے ہاتھ نہ لگ جائیں۔ ہمیں قوم کی حیثیت سے جاگنا ہوگا۔ اپنے اندر چُھپ کر بیٹھے ان بھیڑیوں کو پہچان کر ننگا کرنا ہوگا۔ اور سب سے اہم بات ایسے قانون بنانے ہونگے جو ایسے مجرموں کو سخت سے سخت سزا سنائیں۔ صرف سات سال کی جیل اور چند لاکھ جرمانہ انکا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔"

ناصر غنی صاحب بولے۔۔۔

"اگر آپ مجھے اجازت دیں تو میں آپکو برطانیہ کا ایک کیس بتانا چاہوں گا۔

برطانیہ میں ایک سوشل ورکر نے کم عمر بچیوں کی گرمنگ کے خلاف پولیس کو متوجہ کیا۔ مگر پولیس نے کئی سال تک کوئی ایکشن نہیں لیا۔ کیونکہ اُنکے مطابق اُنکے پاس ثبوت نہیں تھا۔ جس کے بل پہ وہ کاروائی کرتے۔ آخرکار سات سال بعد جا کر کچھ لڑکیوں نے نہ صرف بیان دیئے۔ بلکہ ثبوت فراہم کیے۔ بات کرنے کا مقصد یہ ہے۔ کہ جب جرم ثابت ہوگیا۔ دو عورتوں اور تین پاکستانی مردوں کو دو دو ہزار سال جیل ہوئی ہے۔ جُرم یہ تھا۔ وہ عورتیں لڑکیوں کے ساتھ دوستی کر کے اُنکو اپنے گھر بلاتیں۔ مہنگے مہنگے تحائف دیکر اُنکو اپنے جال میں پھنسایا جاتا۔ پھر آگے مرد دوستوں کے ساتھ متعارف کرواتیں۔ وہ مرد بھی خود کو لڑکیوں کو دوست کہتے۔ تحفے تحائف دیکر فرینکنس اس مقام پر لے آتے جہاں سے جنسی خواہشات کو پورا کروانے کی فرمائشیں کرتے۔ وہ بچیاں چودہ پندرہ سال کی تھیں۔ اور مجرموں کو دو دو ہزار سال سزا ہوئی۔ اور خُدا کے بندوں ہمارے ملک میں پانچ' سات سال کے بچوں کے ساتھ زیادتی کر کے اُنکو موت کے گھاٹ اُتارا جا رہا ہے۔ جسکی سزا کیا ہے؟ چند سال کی جیل اور چند لاکھ روپے۔ ہماری تمام حکام سے درخواست ہے۔ اس پر فوری طور پر ایکشن لیں۔ اسکہ سزا سخت سے سخت کریں۔"

"ناظرین آپ آج کی خاص نشریات دیکھ رہے ہیں۔ مجھے اپنے مہمانوں کی باتوں سے بہت سی نئی معلومات ملی ہیں۔ اور بہت کچھ سیکھنے کو بھی ملا ہے۔ ناظرین یہ کسی ایک فرد یا ادارے کی لڑائی نہیں ہے۔ جب

بات بچوں کی آجاتی ہے پھر یہ جنگ ہم سب کی جنگ بن جاتی ہے۔جسکو جیتنے کے لیے ہم سب کو اپنا اپنا کردار ادا کرنا ہوگا۔ہم فیشن اور برینڈز کے معاملے میں تو مغرب کی نقل کرتے ہیں۔مگر اصول وضوابط کے معاملے میں اُن سے کیوں نہیں سیکھتے۔جرائم ہر جگہ ہوتے ہیں۔مگر ہم میں اور مغربی اقوام میں فرق یہ ہے۔ہم اپنے ماضی سے بالکل نہیں سیکھتے۔نہ اپنی اپنی غلطیوں کو سُدھارنے کی کوشش کرتے ہیں۔"

''یہی کیس اگر امریکہ یا برطانیہ میں ہوا ہوتا۔جو کہ ہوتے ہیں۔وہاں پر بھی روزمرہ کی بنیاد پر قانون نافذ کرنے والے ادارے ایسے کالے کرتوتوں والے لوگوں کے خلاف کارروائی کر رہے ہیں۔وہ ایک مجرم کو پکڑنے کے بعد سزا دیتے ہیں۔معاشرے میں ایک مثال قائم کرتے ہیں۔ہم نے ٹیکنالوجی اپنا تو لی ہے۔مگر اسکے مثبت یا منفی اثرات کو نمٹنے کے لیے ابھی بالکل بچے ہیں۔ابھی ہمیں بہت سال تک ان مسائل کا سامنا رہے گا۔پر کم از کم ہم سب اپنا رول ادا کرتے ہوئے تھوڑے پیمانے پر ہی سہی مگر اپنے اردگرد پر نظر ضرور رکھ سکتے ہیں۔یہاں ہم ایک چھوٹی سی بریک لیتے ہیں۔آپ کہیں مت جایئے گا۔ملتے ہیں ایک بریک کے بعد۔۔۔''

کمرشل بریک کے شور نے ہال میں موجود افراد کو کومے سے نکالا۔مگر وہ ویسے ہی بُت بنی کھڑی تھی۔

خالدہ نے اپنے آنسو دوپٹے کے پلو میں جذب کرتے ہوئے مافیہ کو مخاطب کیا۔

''مافی بہن کو بولو بیٹھ کر کھانا کھائے ٹھنڈا ہو گیا ہے۔''

مافیہ پہلے ہی اپنے آنسو صاف کر چکی تھی۔تاشفہ کو دیکھا۔جسکا رنگ ہلدی کی مانند ہو رہا تھا۔

''تاشی بیٹھ جاؤ۔۔۔''

مافیہ نے دو دفعہ کہا مگر اُسکے وجود میں کوئی حرکت نہ ہوئی۔

مافیہ اپنی جگہ سے اُٹھ کر اُسکے پاس آئی۔بازو پکڑ کر کھینچا۔تاشفہ کسی دیوار کی طرح وہیں پہ ڈھے گئی۔

حرمین کی چیخ نکل گئی۔

''امی دیکھیں تاشی آپی کو کیا ہو گیا۔''

وہ چٹائی پر بے حس وحرکت پڑی ہوئی تھی۔

خالدہ کے ہاتھ پاؤں پھول گئے۔

سارے زخم تازہ ہو گئے۔ عافیہ نے اُسکے منہ پر پانی کے چھینٹے مارے۔ ہوش میں آتے ہی وہ ماں کے ساتھ لپٹ کر پھوٹ پھوٹ کر روئی۔

''امی ایک اور عابدین مر گیا۔ ہائے امی میرا عابدین مر گیا۔ اس عابدین کی عمر بھی اُتنی ہی تھی۔ امی وہ آنکھوں کے سامنے مرا تھا۔ اُن لوگوں کو کوئی رحم نہیں آتا۔ اُنکے اندر کوئی رحم نہیں ہوتا۔ عابدین کو درد بھی ہوا ہوگا۔ اللہ پاک ان لوگوں پر عذاب کیوں نہیں نازل کرتے۔ انکی شکلیں کتے کہ طرح کیوں نہیں ہوتی ہیں۔ یہ کتنے عابدیں ماریں گے۔''

''تاشفہ میری جان صبر۔۔۔ یہ بھی تو دیکھو وہ شیطان مارا گیا ہے۔ اللہ نے کتنا بڑا اکرم کیا ہے۔ اتنے سالوں بعد ہی سہی پر اللہ نے ہمیں انصاف دے دیا۔ اُس درندے کو اللہ نے ساری دنیا کے سامنے ننگا کر دیا۔ میری جان حوصلہ کرو۔ تاشی میں نے اس دُکھ پر اتنے آنسو بہائے ہیں۔ اب میرے میں ہمت نہیں ہے۔ میں یہ دُکھ بھول جانا چاہتی ہوں۔ کیونکہ جتنی دفعہ میں اسکو یاد کرتی ہوں۔ ایسا لگتا ہے۔ جیسے کوئی میرے دل میں خُنجر اگھونپ رہا ہو۔''

تاشفہ نے اپنے آنسو صاف کیئے۔ امی ٹھیک ہی کہہ رہی تھیں۔ بے شک غم کبھی مرتا نہیں ہے۔ پر انسان اُسکے ساتھ سمجھوتا کر کے جینا سیکھ جاتا ہے۔ امی بھی شائد جینا سیکھ گئی تھیں۔ یا ابھی کوشش میں تھی۔ تاشفہ کو لگا اُسکو کوئی حق نہیں ہے۔ وہ ایک دفعہ پھر سے اُنکو اس جنگ میں اپنے ساتھ دھکیلے۔

''امی کیا ہم بابر کے امی ابو سے ملنے جاسکتے ہیں؟۔۔۔''

''اگر تمہیں اُن سے مل کر خوشی ملتی ہے۔ تو میں لے جاؤنگی۔''

''امی ہم تو اس درد سے واقف ہیں۔ بابر کی امی تو ابھی سنبھل نہیں پا رہی ہونگی۔ ہو سکتا ہے۔ ہماری آپ بیتی سُن کر اُنکو تھوڑا حوصلہ ہو۔ یہ احساس ہو وہ اکیلی نہیں ہیں۔ ہم اُنکے ساتھ ہیں۔''

''ٹھیک ہے میری جان چلے چلیں گے۔ اب جا کر منہ دھو کر آؤ اور کھانا کھاؤ۔''

وہ چُپ چاپ اُنکی بات پر عمل کرنے کے لیے اُٹھی تو ذہن میں کچھ عرصہ پہلے کی پڑھی ایک نظم کے الفاظ تازہ ہو گئے۔

فائزہ جافری ایک کم عمر شاعرہ نے کیا خوب لکھا ہے۔

یہ بند کمرہ میرا

وحشتوں سے بھری دنیا

میں تو ہوں معصوم سا بچہ

کیوں وحشتوں میں کھو گیا

کیوں تاریکیاں مقدر میری

کیوں روشنی دشمن ٹھہری

مجھکو تو تھا آسمان کو چھونا

وسیم اکرم، آفریدی تھا بننا

کیوں مجھ لے چھین گیا کوئی

میرا بچپن، میرا سپنا

ہر کوئی مجھ سے پوچھے

میں کیوں تنہا میں کیوں اکیلا

وحشتوں کا ساتھی کیوں ہوں

اندھیروں کا اب عادی کیوں ہوں؟

میں تو کھِلتا پھول تھا جیسے

ماں باپ کا نور ہو جیسے

کیوں بے گانا ہوا میں خود سے

کیوں انجانا ہوا میں سب سے

کوئی نہ جانے، کوئی نہ سمجھے

کیا مجھ پے بیت گیا ہے

اب تم جو مجھ سے پوچھ رہے ہو
ان وحشتوں کا سبب کیا ہے؟
ان تلخیوں کی صورت کیا ہے
آنکھیں میری بجھی سی کیوں ہے
صورت میری دکھی کیوں سی ہے
سن سکو گے؟؟؟؟
سن سکو گے سسکی میری
سہ سکو گے چیخیں میری
اشکوں سے عیاں نہ ہوگا
لفظوں سے بیان نہ ہوگا
مجھ سے چھین گیا
میرا بچپن، میرا سپنا
لگتا تھا اپنا سا کوئی
زمیں پہ ہو فرشتہ سا کوئی
مگر......
ہوس کا مارا تھا وہ
وہ تھا وحشی وہ تھا درندہ
مجھ سے میرا چھین گیا وہ
میرا بچپن، میرا سپنا

☆......☆......☆

وہ چیف احسان اللہ کے گیٹ کے باہر موجود تھا۔ آنے سے پہلے اُنکو کال کر کے آیا تھا۔

چوکیدار نے اُسکو دیکھتے ہی گیٹ کھول دیا۔
"سر صاحب کا حکم ہے آپ کو دروازے سے ہی واپس نہ جانے دیا جائے۔ وہ اندر آپ کے منتظر ہیں۔"
اُس نے اپنے ساتھ موجود ارسلان کی طرف دیکھا۔ پھر کچھ سوچ کر اندر کو آ گیا۔
ملازم نے ڈرائینگ روم تک اُن دونوں کی رہنمائی کی تھی۔ جہاں اُنہوں نے چیف کو اپنے استقبال میں موجود پایا۔
"اسلام علیکم سر۔۔۔"
"وعلیکم اسلام۔۔۔ آؤ مجھے تمہارا ہی انتظار تھا۔ بہت مبارک ہو۔ تم اپنے مشن میں کامیاب ہوئے ہو۔"
اُنہوں نے مصافحہ کرتے ہوئے اُسکی کمر پہ تھپکی دیکر صوفے کی جانب اشارہ کیا۔
"شکریہ سر۔۔۔ پر مجھے بہت افسوس ہے۔ میں بابر مُراد کو بچا نہیں سکا۔"
صوفے پر اپنی جگہ سنبھالنے کے بعد وہ افسردگی سے بولا تو چیف نے بڑی گہری نظروں سے اُسکا جائزہ لیا۔
دو تین دنوں کی بڑھی ہوئی داڑھی کالے رنگ کی شلوار قمیض اُداس آنکھیں۔۔۔
"جنٹل مین تم کافی تھکے ہوئے ہوئے لگ رہے ہو۔ کیا طبیعت ٹھیک ہے؟۔۔"
"جی سر پرفیکٹلی فائن۔۔۔ بس کچھ راتوں سے مصروفیت کی بنا پر نیند پوری نہیں ہو سکی۔"
"جنٹل مین آئی ہوپ کہ یہی وجہ ہو۔ اینڈ یو مسٹ ریسٹ۔۔۔ اور جہاں تک رہی بات بابر مُراد کی اب تو یہ بات تحقیقات کے بعد سامنے آ چکی ہے۔ وہ بچہ تمہیں کیس ملنے سے بہت پہلے ہی اس جہانِ فانی سے پردہ کر چکا تھا۔ اسلیے تمہیں گلٹی فیل کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ یو ہیو ڈن آ ٹرمینڈس جاب۔۔۔ تم تمہاری پوری ٹیم کے لیے میں نے ترقی کے ساتھ ساتھ خصوصی انعامات کا اعلان کیا ہے۔"
"سر مجھے کوئی انعام نہیں چاہیے۔ میں نے اب تک کی ملنے والی ساری رقم واپس مُراد صاحب کے اکاؤنٹ میں منتقل کروا دی ہے۔ یہ میرا اور میری ٹیم کا مشترکہ فیصلہ ہے۔ سر ہماری غیرت گوارا نہیں کر رہی کہ ہم مراد صاحب سے اس کام کی اُجرت وصول کریں۔ میں اگر اُنکا بیٹا بازیاب کروانے میں کامیاب ہوتا تو شائد اور بات ہوتی مگر اس صورت میں ہرگز نہیں۔"

"جنٹل مین تم مُرادکی رقم واپس کر سکتے ہو۔مگر جو ادارے کی جانب سے تم لوگوں کو مراعات ملتی ہیں۔وہ لینی پڑیں گی۔آخر فرض کے ساتھ ساتھ پیٹ بھی ہے۔جسکو رزق حلال سے بھرنا ہوتا ہے۔"

"جی سر بڑی نوازش۔۔۔سر اب اجازت چاہوں گا۔"

"بھئی ایک تو تم آسانی سے ہاتھ آتے نہیں ہو۔اگر آج سالوں بعد گھر کے اندر آہی گئے ہو تو جانے کی جلدی لیکر ہی آئے ہو۔"

اُس نے بس مُسکرانے پر ہی اکتفا کیا۔اب یہ تو کہنے سے رہا سر میں جان گیا تھا۔آپ کے دل میں مجھے داماد بنانے کی خواہش تھی۔اسی لیے میں آپ سے اور آپکی فیملی سے بھاگتا آیا ہوں۔اپنا دل تو کہیں اور رہن رکھا ہے۔

"سر انشا اللہ اگلی دفعہ زیادہ وقت نکال کر آؤنگا۔پھر گپ رہے گی۔ابھی مجھے مریم اور ارسلان کو انکے والدین کی قبروں پر لیکر جانا ہے۔اُس کے بعد انکے گھر چھوڑنا ہے۔"

"آئی نو سن یور ٹائم اِز آلویز پریشیس۔۔۔میں ملازم کو کہتا ہوں۔وہ اندر سے مریم کو لے آتا ہے۔"

ملازم کو بھیج کر واپس آئے اور بولے۔

"ان بچوں کے ساتھ بھی بہت بُرا ہوا ہے۔اللہ انکو صبر دیں!"

"سر زندگی میں اگر دُکھ ہیں۔تو اللہ نے خوشیاں بھی رکھیں ہیں۔جلد یا بدیر انسان سنبھل ہی جاتا ہے۔اللہ پاک خود ہی انسان کے دل میں حوصلہ ڈال دیتے ہیں۔"

"یہ تو سچ ہے۔خیر یہ لو مریم آگئی۔آئی مسٹ سے مریم بہت ہی برائٹ بچی ہے۔اور مریم مجھے اُمید ہے۔تم ہم سے ملنے کے لیے آتی جاتی رہا کرو گی۔"

"جی بابا میں ضرور آؤنگی۔آپ بھی ایمن آپا اور بی جی کے ساتھ میرے گھر آیئے گا۔مجھے بڑی خوشی ہوگی۔اگر نہ آئے ناں تو میں نے آپ کے ساتھ اپنی دوستی ختم کر لینی ہے۔"

"اوہ یہ تو بہت بڑی دھمکی ہے بھئی اب تو ہر حال میں آنا ہوگا۔"

چیف احسان اللہ جتنے خوش مزاج اور زندہ دل انسان تھے۔اُنکی زوجہ اُس سے بھی زیادہ مہمان نواز تھیں۔

اُسکو علم تھا۔ اگر اندر سے وہ آ گئیں تو اُس صورت میں رات کا کھانا کھائے بغیر یہاں سے جانے نہیں دینگی۔ اسلیے جلدی جلدی میں نکل آیا۔

گاڑی میں بیٹھتے وقت مریم کا منہ سوجا ہوا تھا۔ وہ اُسکے برابر بیٹھی ہوئی تھی۔ جبکہ ارسلان ابھی بھی خاموشی سے پچھلی سیٹ پر براجمان تھا۔

اُس نے گاڑی آگے بڑھاتے ہوئے نظر موڑ کر مریم کو دیکھا۔

''مس افلاطون آپ اس قدر غصے میں بھری کیوں بیٹھی ہیں؟''

''آپ مجھ سے بات نہ ہی کریں تو اچھا ہے۔''

''اچھا جی۔۔۔!!۔۔۔''

''ہاں جی۔۔۔!!۔۔۔''

''اب بندہ بشر نے کیا کر دیا۔''

''مجھے ایک ہفتہ پہلے یہاں چھوڑ کر گئے۔ پلٹ کر خبر ہی نہیں لی۔ اور آج بغیر پوچھے لینے آ گئے۔ بے جی اور آپی ایمن تو گھر پہ ہی نہیں تھیں۔ اب جب وہ واپس آئینگی۔ یہ جان کر کتنا دُکھ ہوگا۔ بے وفا مریم ملے بغیر ہی واپس چلی گئی۔''

''ہاں تو بے وفا مریم کونسا کسی دوسرے پلانٹ پر شفٹ ہو رہی ہے۔ ایک ہی شہر میں ہو۔ جب جی کرے آ کر مل جانا۔ ویسے تمہاری اطلاع کے لیے عرض کر دوں۔ میں کال کر کے ہی آیا تھا۔''

''کال کر کے آنے کا بتایا تھا ناں۔ اجازت تو نہیں لی تھی۔''

''ملکہ عالیہ جی اگلی دفعہ خادم اجازت لیکر آنے کی جسارت کرے گا۔''

''میں جانتی ہوں۔ آپکا اور ہمارا ساتھ یہیں تک تھا۔ آپ کبھی ہم سے ملنے نہیں آئیں گے۔''

اُس نے کوئی جواب نہ دیا۔ بیک ویو مرر کے ذریعے ارسلان پر نظر پڑی جو کھڑکی سے باہر دیکھتے ہوئے اپنے آنسو پونچھ رہا تھا۔

کبھی کبھی ایسے انسانوں سے واسطہ پڑ جاتا ہے۔ جو غیر ہوتے ہوئے بھی اجنبی نہیں لگتے۔ اور بعض اوقات

سالوں کی جان پہچان کے باوجود لوگ اندر سے اجنبی نکلتے ہیں۔

قبرستان آنے تک گاڑی میں خاموشی چھائی رہی۔ جسے توڑنے کی کسی نے کوشش بھی نہیں کی۔

قبرستان کے گیٹ کے سامنے گاڑی روکنے کے بعد وہ باہر نکلا۔

پہلے ارسلان کا دروازہ کھولا پھر مریم کا۔۔۔

ارسلان باہر نکل آیا۔ جبکہ مریم کتنی دیر گاڑی میں بیٹھ کر اپنے آنسو کنٹرول کرتی رہی۔

اُس نے ڈیش بورڈ پہ رکھا۔ پھولوں کا بیگ ارسلان کے حوالے کیا۔ اور اُسکے ساتھ چھوٹے چھوٹے قدم اُٹھاتا قبرستان میں داخل ہو گیا۔

مطلوبہ قبروں پر پہنچ کر اُس نے فاتحہ پڑھنے کے لیے ہاتھ اُٹھائے۔ اُسکی تلقید میں ارسلان نے بھی ایسا ہی کیا۔ یہ الگ بات کہ اُسکی آنکھیں خشک تھیں۔ جبکہ ارسلان کی آنکھوں میں بار بار پانی جمع ہو رہا تھا۔ جسے وہ اپنی آستین کے ساتھ پونچھ لیتا۔

جب تک اُس نے دُعا مانگ کر چہرے پر ہاتھ پھیرا۔ ہچکیوں کی آواز نے بتا دیا۔ مریم بھی آ چکی تھی۔

رونے کے دوران مریم نے اپنے والدین کی قبروں پر پھول ڈالے جو ایک ساتھ بنی ہوئی تھیں۔

وہ دونوں بہن بھائی کو تھوڑا وقت اکیلے میں چھوڑ کر باہر آ گیا۔

پندرہ منٹ بعد وہ لوگ آتے دیکھائی دیئے۔

جب اپنی اپنی سیٹ پر بیٹھ گئے۔ وہ ہاتھ میں پکڑا آدھ پیا سگریٹ زمین پر پھینکنے کے بعد جوتے سے کُچل کر ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ گیا۔

''تمہارے ماموں کی خواہش ہے۔ وہ تم دونوں کو اپنے گھر رکھنا چاہتے ہیں۔ اب تم اپنی مرضی بتا دو۔ ماموں کے گھر چھوڑ کر آؤں یا تمہارے اپنے گھر۔۔۔؟۔۔۔''

''اس سے پہلے کہ آپ ہمیں چھوڑ کر آئیں۔ کیا ہم آخری ڈنر ایک ساتھ کر سکتے ہیں؟۔۔۔''

''ڈنر۔۔۔؟۔۔۔'' اُس نے بیک ویو سے ارسلان کو دیکھتے ہوئے تصدیق چاہی۔

''ہاں۔۔۔''

"کیوں نہیں یار ڈنر کرتے ہیں۔ بتاؤ کہاں جانا پسند کرو گے؟۔۔۔"

"کیا منیر بھائی ڈنر میں ہمارا ساتھ دے سکتے ہیں۔"

ارسلان ڈرتے ڈرتے پوچھ رہا تھا۔ جس پہ وہ دھیرے سے مُسکرا دیا۔

"یار منیر مفت کا کھانا کم ہی چھوڑتا ہے۔ یہ لو تم فون کرو۔ وہ جہاں بھی ہوا۔ کھانے کی خشبو سونگھتا ہوا آ جائے گا۔" اُس کی نظریں سامنے روڈ پر جمی ہوئی تھیں۔ اپنا موبائل مریم کی طرف بڑھایا۔

جس نے پہلے تو کانٹیکٹ لسٹ کا سرسری سا جائزہ لیا۔ پھر سپیڈ ڈائل میں موجود منیر کے نام پر کال کی۔

دوسری جانب جگہ کا نام دیکر فون بند کر دیا۔ مریم ابھی نمبروں کا جائزہ لے رہی تھی۔ جب اُس نے اُس کے ہاتھ سے اپنا فون لیکر ڈیش بورڈ پہ ڈال دیا۔

مریم تھوڑی دیر خاموشی سے باہر دیکھتی رہی۔ جہاں پر اندھیرا ہوتے ہی روشنیاں جلنا شروع ہو گئی تھیں۔

"انسان اگر ساری عمر روشنی میں ہی گزار دے تب بھی اُسکو اندازہ نہیں ہو پائے گا کہ روشنی اللہ کی کتنی بڑی نعمت ہے۔ روشنی کی اصل قدر اندھیرا دیکھنے کے بعد ہوتی ہے۔ اندھیرا روشنی کی پہچان ہے۔ کیونکہ اندھیرا ہو گا تو آپ روشنی کی خواہش کرینگے۔"

وہ اپنی سوچوں میں گم تھا۔ جب مریم کے سوال پر چونکا جو بڑے مزے سے پوچھ رہی تھی۔

"منگو بھائی آپکی شادی ہو گئی؟۔"

وہ اُسکے سوال پہ واقعی حیران ہوا تھا۔

"کیوں؟۔۔۔"

"کیونکہ میں آپکے بارے میں جاننا چاہتی ہوں۔ آپ کا تعلق کس شہر سے ہے۔ بہن بھائی کتنے ہیں۔ امی ابو زندہ ہیں؟"

"سوال و جواب سے شناسائی بڑھتی ہے۔ اور جہاں پر کوئی تعلق نہ ہو وہاں پر شناسائی بڑھانے سے گریز ضروری ہے۔"

"آپکے اور ہمارے درمیان کوئی تعلق ہی نہیں ہے۔ تو دو دفعہ فقط ہماری جان بچانے کے لیے خود کو کیوں

خطرے میں ڈالا؟۔۔۔ہمیں ہماری ماں کے ساتھ ہی مرنے دیا ہوتا۔"

"میں نے جو کیا وہ میرا فرض تھا۔"

"اب جو میں کر رہی ہوں۔اُسے میرا فرض سمجھیں۔مگر میرے لیے تو اس وقت سب سے اہم رشتہ آپ ہی ہیں۔خود کو میرا بڑا بھائی سمجھ لیں۔یا میرا باپ مگر اب تو جو بھی ہے۔صرف آپ ہی ہیں۔"

"پاگلوں جیسی باتیں نہ کرو۔آج اپنی زندگی میں واپس جاؤ گی۔کل سب بھول جاؤ گی۔"

"آپ بھول جائینگے۔مجھے کوئی ڈکھ نہیں ہوگا۔میں ارسلان کی گارنٹی نہیں دیتی۔مگر میں کبھی بھی آپکو بھولنا نہیں چاہتی ہوں۔آپ کا کردار میری زندگی میں ایک رول ماڈل کا ہے۔آپ نے مجھے زندگی کا بڑا اہم سبق دیا ہے۔اپنی ذات سے نکل کر دوسروں کے لیے جینے کا سبق۔"

"میں اس قدر مہان نہیں ہوں۔جس قدر تم مجھے بنا رہی ہو۔یہ میرا کام ہے۔پیسہ لیکر اپنا کام کرتا ہوں۔"

"ہاں میرے ابو بھی تو اپنی نوکری کے پیسے لیتے تھے۔مگر کیا ہوا؟۔۔۔میں نے ایمن آپا کے کلینک پہ وہ بچے دیکھے ہیں۔جنکی آنکھوں میں کوئی روشنی نہیں بچی ہے۔تاریک آنکھوں سے جب آپکی جانب دیکھتے ہیں۔تو انتہا کی وحشت ہوتی ہے۔"

مریم رونے لگی تھی۔وہ لب بھینچے گاڑی چلاتا رہا۔کہنے کو بچا ہی کیا تھا۔

"میں نے ایک فیصلہ کیا ہے۔"

"کیا؟۔۔۔"

"میں اپنے ابو کی ساری پراپرٹی بیچ کر اُن بچوں کے لیے شیلٹر بناؤنگی۔"

اُس نے گردن موڑ کر مریم کو دیکھا۔

"ابھی تم جذباتی ہو رہی ہو۔گھر جا کر آرام سے بیٹھ کر سوچنا۔"

"آپ بے شک میرا ساتھ نہ دینا۔مگر مجھے اس فیصلے سے پیچھے کوئی نہیں ہٹا سکتا۔ہو سکتا ہے۔اس طرح میرے ابو کی مغفرت ہو جائے۔ہو سکتا ہے اُن لاوارثوں کو چھت ملے تو میرے ابو کی خطائیں بخش دی جائیں۔مجھے یہ خیال راتوں کو سونے نہیں دیتا کہ اُنکو سزا مل رہی ہوگی۔"

اُس نے ہاتھ بڑھا کر مریم کے سر پہ رکھا۔تھپکی دینے کے بعد ٹشو اُسکی جانب بڑھائے۔

”ٹھیک ہے دادی اماں جو کہو گی کر لیں گے۔مگر ابھی کے لیے یہ آنسو پونچھ لو۔“

آنسو صاف کرنے کے بعد وہ ایک دفعہ پھر شروع ہو گئی۔

”بتایا نہیں شادی ہو گئی ہے؟۔۔۔“

”یعنی تم نے جان نہیں چھوڑنی۔۔۔“

”سوچیے گا بھی مت یہ جنوں کی مخلوق میں سے ہے۔جب ایک دفعہ چمٹ جاتی ہے۔مر کر ہی جان چھوڑتی ہے۔“ارسلان کی بات پر منگو کا قہقہہ بے ساختہ تھا۔

”تم تو خاموش ہی رہو ڈائینا سار کہیں کے۔۔۔“

”اچھا میں اپنا سوال الفاظ بدل کر کرتی ہوں۔آپ کے فون میں جس نمبر پہ زندگی لکھ کر سیو کیا گیا ہے۔وہ کون ہے؟۔۔۔“

منگو کے دل نے بیٹ مس کی تھی۔چہرہ سنجیدہ ہو گیا۔سٹیرنگ پہ گرفت مضبوط ہو گئی۔

”وہ وہی ہے۔جسکے بارے میں جاننے کا تمہیں تجسس ہو رہا ہے۔“

مریم کا چہرہ کھل اُٹھا۔تالی مارتے ہوئے بولی۔

”ہائے سچی۔۔۔؟۔۔۔مجھے پہلے ہی شک ہوا تھا۔کیا وہ آپکی وائف ہیں؟۔۔۔دیکھنے میں کیسی ہیں؟۔“

وہ جیسے کسی خواب سی کیفیت میں بولا۔۔۔

”وہ روشن سویرا ہے۔سورج کی پہلی کرن ہے۔“

”ہاؤ سویٹ۔۔۔اب تو مجھے ہر حال میں اُنکو دیکھنا ہے۔کیا آپ کے پاس اُن کی کوئی تصویر ہے؟۔“

”لڑکی بریک کے پیر رکھو۔۔۔“

”پلیز تصویر ہے تو دکھا دیں ناں آپکا کیا جائے گا۔“

”تم میرے تمام رولز کے خلاف مجھ سے پرسنل گفتگو کر رہی ہو۔پہلے حوالہ پوچھا اب تصویر مانگ رہی ہو۔اگلی فرمائش کرو گی اُس سے ملوا کر لاؤ۔“

’’نہیں آپ بس تصویر دیکھا دیں۔مل میں خود آ ؤ نگی۔‘‘

’’ہاں اتنی ہی تم سُپر وو مَن ۔۔۔‘‘

فون کی گیلری میں لگا پاس ورڈ ہٹا کر فون دوبارہ مریم کے ہاتھ میں دے دیا۔ارسلان بھی اپنی جگہ سے اُٹھ کر مریم کی سیٹ کی پشت پر کھڑا ہو کر تصویر دیکھنے لگا۔

’’منگو بھائی شی از سو کیوٹ ۔۔۔‘‘

منگو بدمزگی سے بولا ۔۔۔

’’شی از نوٹ کیوٹ شی از پریٹی ۔۔۔‘‘

اُسکے انداز پر مریم ہنستی چلی گئی۔

’’کیوٹ کہنے پر کیوں غصہ آیا؟۔۔۔‘‘

’’کیوٹ بچوں کو کہتے ہیں۔اینڈ شی از آ ینگ گرل ۔۔۔‘‘

’’کیا آپکی ہم عمر ہیں؟۔۔۔‘‘

’’نہیں ۔۔۔میرے سے چار سال چھوٹی ہے۔‘‘

’’ملی کہاں؟۔۔۔‘‘

’’خوابوں میں ۔۔۔‘‘

مریم ہنستے ہوئے بولی ’’یہ کیسا جواب ہے۔‘‘

وہ بھی مُسکرا دیا۔

’’آپ کو ان سے محبت ہوئی یا انکو آپ سے ۔۔۔‘‘

’’اُس کے چہرے پر تو ہمیشہ نو لفٹ کا بورڈ لگا ہوتا تھا۔یہ تو اپنا دل ہی بے وفا نکلا۔‘‘

’’پہلی دفعہ اُنکو کب اور کہاں دیکھا۔‘‘

’’بچپن سے جانتا ہوں۔مگر جب پہلی دفعہ اُسکو غلط نظر سے دیکھا تب وہ پندرہ سال کی تھی۔اور میں اُنیس سال کا ۔۔۔‘‘

''کیا سیدھے سے جا کر اظہارِ محبت کر دیا؟''

''مجھے اُس سے شادی کرنی تھی۔ معاشقہ نہیں چلانا تھا۔ اُسلیے اُسکی بجائے اپنے والدین کو بتایا تھا۔ بلکہ کہا تھا آج ہی رشتہ لیکر جائیں۔''

''اور وہ مان گئے؟۔۔۔''

پارکنگ میں گاڑی لگاتے ہوئے وہ دھیمے سے ہنسا جیسے پُرانے وقت پھر سے یاد آ گئے ہوں۔

''مانے نہیں تھے۔ بلکہ اچھی خاصی چھترول کی تھی۔''

''مجھ سے تو تصور بھی نہیں کیا جا سکتا آپ کسی سے مار کھا سکتے ہیں۔''

''ہم ہر کسی کے سامنے شیر بن سکتے ہیں۔ پر اماں کی جوتیاں گیدڑ بن کر ہی کھانی پڑتی ہیں۔''

اُس نے انجن بند کر کے مریم کی جانب دیکھا جو پوچھ رہی تھی۔

''آگے کیا ہوا؟۔۔۔''

''آگے یہ ہوا کہ رسٹورنٹ آ گیا۔ اور ہم نے اندر جا کر کھانا کھایا۔''

چند پل تو مریم سمجھی ہی نہیں پھر ہنسنے لگی۔

''جان چھڑوانے کا اچھا انداز ہے۔ مگر مجھے جاننا ہے۔ آگے کیا ہوا۔''

وہ گاڑی سے نکل آیا۔ ارسلان کی متلاشی نظریں ارد گرد دیکھتے ہوئے کچھ ڈھونڈ رہی تھیں۔ منگو نے اُس کی توجہ رسٹورنٹ کے اندر کروائی۔ جہاں منیر ایک میز پر بیٹھ کر مینیو پڑھ رہا تھا۔

ارسلان کے چہرے سے ساری اُداسی اُڑنچھو ہو گئی۔ اگلے پل اُس نے اندر کو دوڑ لگا دی۔

''منگو بھائی بتائیں ناں آگے کیا ہوا؟۔۔۔ وہ آپکو کیسے ملیں؟۔۔۔''

''بڑی ضدی ہو۔۔۔ خیر اپنے گھر سے جوتے کھانے کے بعد میں اُس کے والد کے پاس گیا۔''

''یقیناً اُدھر سے بھی جوتے ہی کھائے ہونگے۔''

منگو مسکرایا۔

''نہیں وہ بڑی نفیس طبیعت کے مالک تھے۔ اُنہوں نے بس گھورنے سے کام لیا۔ اور حکم دیکر بولے۔۔۔

ناہنجار اپنے گھر کے کسی بڑے کو بول آ کر مجھ سے ملیں۔ میں گھر گیا۔ جو ہمارے گھر کی سب سے سینئر ہستی تھیں۔ یعنی میری دادی اماں اُنکو سارا ماجرہ سُنا کر اپنے ساتھ چلنے کا بولا۔"

"پھر آگے کیا ہوا؟۔۔۔"

"آگے کیا ہونا تھا۔ دونوں نے مل کر فیصلہ میرے حق میں دے دیا۔ دی اینڈ۔۔۔اب مزید کوئی سوال مت کرنا۔"

وہ لوگ ریسٹورنٹ کے اندر پہنچ چکے تھے۔ جہاں منیر اور ارسلان اپنی اپنی پسند کے آرڈر دے رہے تھے۔

خوبصورت ماحول میں کھانا کھانے کے بعد منگو اور منیر اُن دونوں کو اُنکے ماموں کے گھر چھوڑ آئے۔ ایک تو اُنکے ماموں کی خواہش بھی تھی۔ دوسرا خالی گھر میں رہنے کے خیال سے دونوں ہی گھبرا رہے تھے۔ ابھی تو ماں باپ کے بغیر زندگی کو قبول کرنے میں وقت لگنا تھا۔ مگر انسان کو اشرف مخلوق اسی لیے کہا گیا ہے۔ وہ جینے کے ہنر سے واقف ہے۔ بچہ پہلے رینگتا ہے۔ پھر بار بار گرتا ہے۔ مگر وقت کے ساتھ اپنے قدموں پر جم کر کھڑا ہونا سیکھ ہی جاتا ہے۔

منگو بھی جانتا تھا۔ یہ بچے بھی ماں باپ کے بغیر جینا سیکھ ہی جائینگے۔ جیسے وہ ہزاروں بچے بھٹک رہے تھے۔ کم از انکو بھٹکنا نہیں پڑا تھا۔



"ایک ماں نو ماہ اپنے بچے کو پیٹ میں اُٹھا کر پھرتی ہے۔ اپنی جسامت کی پرواہ کیئے بغیر ایک ان دیکھے وجود کی آبیاری کرتی ہے۔ دن رات اُسکے بارے میں سوچتی ہے۔ اتنے پرہیز کرتی ہے۔ یہ نہ کھاؤں کہیں میرے بچے کے لیے نقصان دہ نہ ہو۔ کتنے دل پسند مشغلوں سے ہاتھ کھینچ لیتی ہے۔

پیدائش کے مرحلے میں موت کو ہاتھ لگا کر واپس آتی ہے۔ اتنی تکلف سہہ کر جسکو پیدا کیا۔ پل پل خدمت کر کے اُسکو بڑا کرتی ہے۔ کوئی ظالم آتا ہے۔ اور بچے کو اغوا کرتا ہے۔ مار دیتا ہے۔ اتنے بڑے ظلم پر آسمان کیوں نہیں گرتا؟۔۔۔"

"لوگ مجھے کہہ رہے ہیں۔ اپنے دوسرے بچوں کی جانب دیکھو۔ جو چلا گیا ہے۔ اُسکو بھول جاؤ۔۔۔"

"میں کیسے بھول جاؤں کیا میں نے اُسکی دفعہ وہ ساری مشقت نہیں اُٹھائی جو انکی دفعہ اُٹھائی ہے۔ میری آنتیں کاٹ کر جسم سے جُدا کر دی گئی ہیں۔ میں کیسے صبر کروں؟ مُراد پچھلے چار ماہ سے میں ایک اُمید میں جی رہی تھی۔ آس کے سر پر زندہ تھی۔ میرا بچہ مل جائے گا۔ مگر اب کیا کروں۔ کیسے جیوں؟۔۔۔ وہ کتنا رویا ہوگا۔ اُس نے تمہیں آواز دی ہوگی۔ وہ میرا نام لیکر تڑپا ہوگا۔ ظالموں نے اُس کے ساتھ کیا کیا؟۔۔۔ میرے بچے کا بچپن چھین لیا۔ اُسکی بے فکر چھین لی۔ اُسکی پاک سوچ و عصمت کو تار تار کیا۔ اور میں زندہ ہوتے ہوئے بھی اُسکے لیے کچھ نہیں کر پائی۔ میں مر کیوں نہیں گئی۔ میرے سانس ختم کیوں نہیں ہو جاتے۔ میرا وجود میری روح کا بوجھ خود سے جُدا کیوں نہیں کر دیتا۔ میں ایک مسلمان ملک کی شہری ہوں۔ یہ کلمہ پڑھنے والوں کی سرزمین ہے۔ اور یہاں پر ظلمت کے اندھیروں نے میرے گھر کو تاریک کر دیا۔ کیا میرے بچے کبھی اپنے بھائی کو بھول پائینگے؟۔۔۔ وہ جب جب یاد آئے گا۔ اُسکے ساتھ ہوا ظلم بھی یاد آئے گا۔ ہم پل پل مریں گے۔ مُراد میں ایسی زندگی نہیں چاہتی۔ مجھے کہیں سے میرا بچہ لا دو۔ ہائے اللہ جی میرا بابر۔۔۔ میرا پیارا بیٹا کہاں چلا گیا۔"

مُراد کی آنکھیں لال انگارہ ہو رہی تھیں۔ اُسکی بیوی پچھلے چار دنوں سے ایسے ہی بلک بلک کر رو رہی تھی۔ بُخار میں پھنک رہی تھی۔ تڑپ رہی تھی۔ اور مُراد بے بس کھڑا بس دیکھ رہا تھا۔ کیونکہ اُسکے بس میں جو کچھ تھا۔ وہ کر چکا تھا۔

جب سے بابر کی موت کی تصدیق ہوئی تھی۔ سارے خاندان میں نئے سرے سے صفِ ماتم بچھ گیا تھا۔

مراد نے اپنی آنکھوں سے بہتے سیال کو آستین سے پونچھا اور بیوی کے پاس آ کر اُسکو اپنی بانہوں میں بھر کر بھینچ لیا۔۔۔

"ہم ہار گئے ہیں۔ مگر یہ بھی تو دیکھو اللہ نے بابر کے قاتل تک پہنچا دیا۔ وہ ذلیل آدمی کُتے کی موت مرا ہے۔ تم مسلمان عورت ہو۔ صاحب ایمان ہو۔ اللہ کو ماننے والی ہو۔ تمہیں صبر کرنا ہوگا۔ وہ مالک بڑا بے نیاز ہے۔ وہ اسی طرح اپنے بندوں کو آزماتا ہے۔ ہم پر بھی بہت کڑی آزمائش آئی ہے۔ میں مانتا ہوں۔ تم ماں ہو تمہارا غم بہت بڑا ہے۔ مگر ہم بے بس ہیں۔ صبر کے سوا کوئی چارہ نہیں ہے۔ جن ماں باپ کے بچے بم بلاسٹ میں مارے جاتے ہیں۔ وہ لوگ بھی تو صبر کرتے ہیں۔ میرے ملک میں پچھلے کئی سالوں سے نہ جانے کتنے ہزاروں سپوت

تہہ خاک چلے گئے۔ ماؤں نے رو رو کر آنکھیں گوالیں۔ میں تمہیں پورا اختیار دونگا۔ اندر بیٹھ کر رونے کی بجائے باہر نکلو۔ ماؤں کو اپنا درد بتاؤ اُنکو خبردار کرو۔ اپنے بچوں کی حفاظت میں الرٹ رہیں۔ میرے گلیاں محلے محفوظ نہیں رہے۔ یہاں قدم قدم پر رہزن ہیں۔ اپنے بچوں کو اپنے پروں میں چُھپا کر رکھیں۔"

دروازے پہ ہونے والی دستک نے مُراد کو خاموش ہونے پر مجبور کیا۔

اُسکی بیٹی اندر آئی تھی۔

"بابا باہر کوئی صاحب آئے ہیں۔ ملازم نے انکو ڈرائینگ روم میں بیٹھایا ہے۔"

"اچھا بیٹے آپ ادھر اپنی ممی کے پاس بیٹھو میں دیکھتا ہوں۔"

مُراد بیٹی کو بیوی کے پاس بیٹھا کر باہر آگیا۔

ڈرائینگ روم کے دروازے تک پہنچتے ہی اُسکی نظر سامنے کھڑے سفید لباس میں ملبوس اُونچے لمبے شخص پر پڑی تو چہرے پہ عقیدت بھری مُسکراہٹ دوڑ گئی۔

"زہے نصیب یار تم کدھر سے راستہ بھول آئے۔"

مُراد کی بات پر وہ پلٹا اور مُراد کے ساتھ بغل گیر ہوا۔

"شرمندہ نہ کریں جناب۔"

"میں یہ سوال پوچھنے کی زحمت نہیں کرونگا۔ میرے گھر کا پتا کہاں سے ملا۔ مگر تمہیں یہاں دیکھ کر مجھے حقیقی خوشی ہوئی ہے بیٹھو۔"

وہ باوقار انداز میں صوفے پر بیٹھ گیا۔

"بھابھی کی طبیعت اب کیسی ہے؟۔۔۔"

مُراد کے چہرے پہ افسُردگی چھاگئی۔ گہری سانس خارج کرتے ہوئے بولا۔

"ابھی زخم ہرا ہے۔ چوٹ تازی ہے۔ سنبھلتے سنبھلتے سنبھل ہی جائے گی۔"

"میں آج خاص اُن ہی سے ملنے آیا ہوں۔"

"وہ تو شائد یہاں تک نہ آسکے۔ مسلسل بُخار میں رہنے کی وجہ سے کافی کمزور ہوگئی ہے۔ آؤ میں تمہیں اندر

لے چلتا ہوں۔تم سے مل کر شائد اُسکی سوچ میں تبدیلی آئے۔"
مُراد اُٹھ کر دروازے کی جانب بڑھا تو منگو نے اُسکی پیروی کی۔
دونوں بچے بھی وہیں پر تھے۔اندر داخل ہوتے ہی مُراد نے مطلع کیا۔
"دیکھو آج کون تم سے ملنے آیا ہے۔یہ منگو ہے۔جس کے پاس بابر کا کیس تھا۔"
مسز مُراد نے اپنا دوپٹہ ٹھیک کیا۔منگو دروازے سے باہر ہی رُک گیا تھا۔
لائٹ آن کرنے کے بعد مُراد نے اُسکو اندر آنے کا اشارہ دیا۔
"اسلام وعلیکم بھابھی۔۔۔"
"وعلیکم اسلام۔بسم اللہ بھائی آؤ۔مجھے جب مُراد نے بتایا میں سمجھی کوئی بڑی عمر کے آفسر کا نام منگو ہوگا۔مگر تم تو ہم سے چھوٹے ہو۔"
"عمر میں چھوٹا ہے۔عقل میں ہم سے بڑا ہے۔"
"آپ دونوں تو مجھے شرمندہ کر رہے ہیں۔میں اتنا بھی چھوٹا نہیں ہوں۔خیر میں آپکی خیریت پوچھنے حاضر ہوا تھا۔کیسی ہیں؟۔۔۔"
مسز مُراد کو اپنے وجود میں ان دیکھی طاقت محسوس ہوئی جو اتنے دنوں سے بستر پر بے جان پڑی رہتی تھی۔ اُٹھ کر بیٹھ گئی۔
"تم ہمارے گھر آئے ہو۔اب مجھے لگتا ہے۔میں ٹھیک ہو جاؤنگی۔"
وہ اُنکی محبت پر دھیرے سے مُسکراتا ہوا بیڈ کے قریب رکھی کُرسی پر بیٹھ گیا۔
"مراد بھائی تو بڑے دل جگرے والے انسان ہیں۔اُنکی بیوی کی حیثیت سے آپکو بھی ویسا ہی دیکھنا چاہتا ہوں۔"
"اُنکی تو بات ہی نہ کرو۔یہ کبھی کبھی تو بے حس معلوم ہوتے ہیں۔"
مُراد کی اپنی بیوی کے ساتھ نظر ملی تو دونوں کی آنکھوں میں نمی تھی۔دونوں نظر چُرا گئے۔
"تم چائے پسند کرتے ہو؟ یا کافی؟ اپنی پسند بتاؤ میں بنا کر لاتی ہوں۔ماشاءاللہ اگر تمہاری صحت کو دیکھا

جائے تو یہی لگتا ہے۔ دودھ، لسی اور تازہ جوس ہی پیتے ہو گے۔"

وہ دھیمے سے ہنسا۔

"نہیں کبھی کبھار چائے بھی پی لیتا ہوں۔ مگر آپ اس وقت یہاں سے کہیں نا جائیں مجھے آپ سے بڑی ضروری بات کرنی ہے۔"

"منگو باتیں تو ہوتی رہیں گی۔ پر مجھے اچھا نہیں لگے گا۔ میرا بھائی پہلی دفعہ میرے گھر آیا ہے۔ اور میں اُسکی کوئی خدمت ہی نہ کروں۔"

"تم بیٹھو میں ملازم سے کہتا ہوں۔ وہ اچھا سا اہتمام کرے۔"

مُراد بیوی کو بیٹھے رہنے کا بول کر باہر نکل گیا۔ نوکر کو ہدایت دیکر واپس آیا تو منگو منتظر تھا۔

"اگر میں آپ لوگوں سے کہوں میں آج ایک سوال لیکر حاضر ہوا ہوں۔"

"حکم کرو یار۔۔۔ جو کچھ تم نے اس ملک کے لیے کیا ہے۔ بدلے میں جان بھی مانگو تو اللہ کی قسم میں نہ نہیں کرونگا۔"

"مراد بھائی اللہ آپکو عمرِ خضر عطا کریں۔ میں آپکا بابر تو واپس نہ لا سکا۔ مگر کسی اور ماں کا بابر لے کر آیا ہوں۔ جو اپنے ماں باپ سے بچھڑ گیا ہے۔ جس نے ہر وہ تکلیف برداشت کی ہے۔ جو آپکے ننھے بابر نے برداشت کی تھی۔ اُس کے ماں باپ کا کوئی سُراغ نہیں ہے۔ ابھی تک ہمیں صرف اتنا علم ہو سکا ہے۔ اُسکا تعلق سوات سے ہے۔ چائیلڈ ٹریفکینگ کے ذریعے لاہور لایا گیا تھا۔ ماں باپ زندہ بھی ہیں یا نہیں ہم اُنہیں ڈھونڈھنے کی کوشش میں ہیں۔ ملتے ہیں یا نہیں اللہ بہتر جانتے ہیں۔ مگر میں چاہتا ہوں۔ جب تک وہ ادھر ہے۔ بھابھی آپ اُسکا خیال کریں۔ اپنا بابر سمجھ کر اُسکو سینے سے لگالیں۔ آپکا دل نہ مانے تو بھی خیر ہے۔ کوئی زبردستی نہیں ہے۔"

"کیا تم اُسکو اپنے ساتھ لیکر آئے ہو؟۔۔۔"

مسز مراد نے اپنے آنسو پونچھتے ہوئے مضبوط آواز میں پوچھا تھا۔

"جی باہر گاڑی میں بیٹھا ہے۔"

مسز مُراد نے اپنے شوہر کی نم آنکھوں میں دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''بابر کے بابا میں اُسکو اندر بُلوا لوں؟۔۔۔''

مُراد نے کچھ دیر سنجیدگی سے بیوی کا چہرہ پڑھا اور ہاں میں گردن ہلا دی۔

ملازم کے ساتھ جو بچہ کمرے داخل ہوا۔ سارے نفوس کو حیران کر گیا۔

نیلی آنکھیں کھلتا سُرخ و سفید رنگ۔۔۔ گہرے بھورے بال۔۔۔ آٹھ نو سال کا صحت مند بچہ تھا۔

لب سختی سے بھینچے ہوئے تھے۔

''ادھر آؤ بیٹا۔۔۔''

مسز مُراد کے بُلانے پر وہ دھیمے قدموں سے چلتا اُنکے پاس آیا۔

اپنے پاس بیٹھا کر پیار سے اُسکے بال سنوارے جو گھبرائی ہوئی نظروں سے سب کی شکلیں دیکھ رہا تھا۔

''بیٹے آپ کا نام کیا ہے؟۔۔۔''

وہ کتنی دیر تک کچھ نہیں بولا۔ بس مسز مراد کا چہرہ دیکھے گیا۔ بہت دیر بعد نظر موڑ کر منگو کی جانب دیکھا۔ جو اُسکا حوصلہ بڑھانے کو بولا۔

''یہ آنٹی بہت اچھی ہیں۔ یہ انکل انکے شوہر ہیں۔ اور یہ جو بہن بھائی دیکھ رہے ہو۔ یہ ان آنٹی کے بچے ہیں۔ تم سے دوستی کرنا چاہتے ہیں۔''

''مگر میں آپ کے علاوہ اور کسی کا دوست نہیں بنوں گا۔''

''یار میرے پاس تو ایک بھی خرگوش نہیں ہے۔ آنٹی کے پاس تو بہت سارے خرگوش ہیں۔ ان انکل کا اپنا فارم ہے۔ اب خود سوچ لو دوستی کرنی ہے۔ یا نہیں۔''

نیلی آنکھیں ڈھیر ساری حیرت لیے مسز مُراد کی جانب اُٹھیں۔

''کیا آپ کو خرگوش پسند ہیں؟۔۔۔''

مسز مراد کو اپنی آواز ڈھونڈنے میں دقت ہوئی پر بلآخر بولیں۔

''جی بیٹا مجھے خرگوش بہت پسند ہیں۔''

''کیا آپ کے گھر میں خرگوش ہیں؟۔۔۔''

"ہاں جی پورے چار خرگوش ہیں۔اور دو چھوٹے بچے بھی ہیں۔"

"اگر میں آپ سے دوستی کرلوں۔تو کیا آپ مجھے اپنے خرگوش کے ساتھ کھیلنے دیں گی؟۔۔۔"

"مسز مُراد نے ایک دفعہ پھر اپنے آنسو صاف کرتے ہوئے سر اثبات میں ہلا دیا۔

"تم اگر ادھر میرے پاس رہو گے تو سارے خرگوش تمہارے ہونگے۔"

"کیا آپ سچ کہہ رہی ہیں؟۔۔۔"

"ہاں بیٹے مگر اُس سے پہلے آپکو اپنا نام بتانا پڑے گا۔"

"میرا نام اسد ہے۔"

"اسد خرگوش کے علاوہ اور کیا پسند کرتے ہو؟۔۔۔"

مُراد نے شفقت سے پوچھا تو وہ جھجھکتے ہوئے بولا۔

"جہاں میں رہتا تھا۔اُدھر ایک چاچا دودھ والی سوئیاں بناتا تھا۔مگر اب میں اُدھر نہیں رہتا ہوں۔کیا آپ کو دودھ والی سوئیاں بنانی آتی ہیں۔"

مسز مُراد کی ہچکی بندھ گئی۔اسد کو اپنی آغوش میں چھپاتے ہوئے بولیں۔

"میری جان میں ابھی تمہیں سوئیاں بنا دیتی ہوں۔آؤ میرے ساتھ تم میرے پاس ہی بیٹھنا۔"

منگو نے سوالیہ نظروں سے مُراد کی طرف دیکھا۔

مراد کی بجائے اُسکا بیٹا بولا۔

"بابر بھی امی سے ہمیشہ دودھ والی سوئیوں کی فرمائش کرتا تھا۔"

کمرے میں کتنی دیر تک خاموشی چھائی رہی۔جسے ملازم کی آواز نے توڑا۔۔۔

"صاحب چائے لگ گئی ہے۔"

چائے پینے کے بعد اُس نے اجازت لی۔

مسز مُراد اور بچے اسد کو خرگوش دیکھانے میں مصروف تھے۔مُراد منگو کے ساتھ باہر گیٹ تک آیا۔

"میں تمہارا بڑا شکر گزار ہوں۔اسد کے معاملے میں ہم پر اعتماد دیکھانے کی بڑی مہربانی۔"

”مجھے لگا شائد اسد ہی بھابھی کو اُنکے غم سے نکلنے میں مددگار ثابت ہو جائے۔ بابر کو بھولنا تو ممکن نہیں ہے۔ مگر دماغی طور پر تھوڑی مصروف ہو جائینگی۔“

”ہاں ابھی تک تو تمہارا پلان کام کرتا نظر آ رہا ہے۔ وہ اتنے دنوں سے بیڈ پر پڑی تھی۔ آج اُٹھ گئی ہے۔ یہ پہلا قدم ہے۔“

”اللہ پاک صبر دیں گے مُراد بھائی جانے والوں کا پیچھے صرف غم رہ جاتا ہے۔ پر میں آپکو مبارک دیتا ہوں۔ آپکا بیٹا چلا تو گیا ہے۔ مگر وہ جاتے ہوئے کئی ماؤں کی گود آباد کر گیا ہے۔ ایک بہت اہم پہلو کی جانب ہماری توجہ مبذول کروا گیا ہے۔“

”ہاں پہلے کبھی ایسے واقعات سُنے تک نہ تھے۔ مگر آج کل دیکھنے میں آ رہا ہے۔ ہمارے معاشرے میں ہم جنس تعلقات کا رُجحان بڑھ رہا ہے۔“

”مُراد بھائی آج جو بہت زیادہ لبرل معاشرے ہیں۔ اُن میں بھی جو خاندانی اور بات والے لوگ ہیں۔ وہ اس عذاب کو عذاب ہی سمجھتے ہیں۔ انسانی حقوق کی آزادی نہیں۔ ایک اسلامی ریاست میں تو ان باتوں پر بڑے سخت قانون ہونے چاہیں۔ دینِ اسلام اتنا ماڈرن اور جدید مذہب ہے۔ اسلام میں مرد کے ختنے کرنے کا حکم ہے۔ جو کسی اور مذہب میں نہیں۔ آج سائنس نے یہ ثابت کر دیا ہے۔ ختنے کرنے سے ایڈز جیسے موزی مرض کا خطرہ کم ہوتا ہے۔ افریکہ میں ایک گاؤں کے دو حصے ہیں۔ ایک طرف مسلمان آبادی ہے۔ دوسری طرف ساری عیسائی آبادی ہے۔ مسلمان آبادی میں بچوں کے ختنے ہوتے ہیں۔ اسی وجہ سے وہاں ایڈز کا تناسب عیسائی کمیونٹی کے مقابلے میں بہت کم ہے۔ اسی طرح ہم جنس تعلقات میں بھی ایڈز اور ایڈز کے علاوہ اور بہت سی بیماریوں کا خطرہ ہوتا ہے۔ اللہ نے یہ کام بھی ہمارے ہر حرام کر دیا۔ اسلام ہمیں بُرائی سے روکتا ہے۔ تو صرف ہماری فلاح و بہبود کے لیے۔ اور ہم ماڈرن ازم کے شوق میں بُرائی کی دلدل میں اُتر رہے ہیں۔ مُراد بھائی ہم لوگ وہ ہیں۔ جو منزل کا نشان بتانے والے تھے۔ آج ہم خود ہی اپنی منزل بُھلا بیٹھے ہیں۔ ہمارے معاشرے کا ایک ہی رواج ہے۔ مٹی پاؤ والا۔ ہر بات پر یہ کہہ کر آگے بڑھ جاتے ہیں۔ یہ کونسا ہمارے گھر کا مسلہ ہے۔ کسی اور کی ٹینشن میں گھسنے کی کیا ضرورت ہے۔ مٹی پاؤ اور آگے جاؤ۔ میں نے اس کیس کو ڈراپ نہیں کیا ہے۔ ہم انشاللہ اپنا کام

جاری رکھیں گے۔ پکڑے جانے والے تمام لوگوں پر کیس چلیں گے۔اور تمام کے تمام کیس پبلک کیے جائینگے۔ عام طور پر ہمارے ہاں حادثے کی خبر ٹی وی پر چلادی جاتی ہے۔ یہ نہیں بتایا جاتا اُس جرم پر سزا کیا سُنائی گئی۔ کیونکہ بہت کم کاروائی ہوتی ہے۔ جس سے جرم کا چرچا تو ہو جاتا ہے۔ اُس کی پاداش میں کسی کا عبرت ناک انجام نہیں دیکھایا جاتا۔ ہم یہ رواج بدل رہے ہیں۔ ہم پہلے سزا دلوائینگے اُسکے بعد مجرم کو میڈیا کے سامنے بے نقاب کریں گے۔ تا کہ لوگوں کو علم ہو۔ یہاں جرم کر کے بچے گا کوئی نہیں چاہے وہ کتنا ہی طاقت ور کیوں نہ ہو۔“

”اللہ تمھیں تمہارے مشن میں کامیاب کریں۔ تم نے مجھ سے فیس تو نہیں لی۔ مگر میری چاہت ہے۔ جو بچے بازیاب ہوئے ہیں۔ اُنکے لیے میں کوئی نہ کوئی تعاون ضرور کروں۔ اسکے لیے اس دفعہ جو رقم میں تمہارے اکاؤنٹ میں بھیجوں وہ واپس مت کرنا۔“

”جو حکم بھائی صاحب انشا اللہ پھر ملاقات ہو گی۔ ابھی کے لیے اللہ حافظ۔۔۔“

”اللہ حافظ منگو۔۔۔ یار آج تمہارا میرا تعلق غیروں سا نہیں رہا۔ کم از کم آج اپنا اصل نام تو بتاتے جاؤ۔“

اُس نے ہنستے ہوئے اپنا اصل نام بتایا اور گاڑی کی جانب بڑھ گیا۔ منیر ہیڈ سیٹ لگائے گیمز کھیل رہا تھا۔ اُس کے گاڑی میں بیٹھتے ہی منیر نے فون ایک طرف رکھا اور گاڑی سٹارٹ کی۔

”اب کدھر کو چلنا ہے؟۔۔۔“

”اب ہوم سویٹ ہوم۔۔۔“

”آپکے ہوم یا میرے؟۔۔۔“

”تم بھی میرے والے ہی چلو مزا رہے گا۔“

”آنٹی سے ڈانٹ تو نہ پڑے گی؟۔“

”وہ مجھے ہی پڑے گی۔ میری خاطر ایک آدھ طعنہ کھا لینا۔“

”آپ کی خاطر گولی کھاتے کھاتے بچا ہوں۔ اماں کی ڈانٹ تو گولی سے بھی تگڑی ہوتی ہے۔“

منگو نے ہنستے ہوئے سیٹ پیچھے کو لمبی کر کے اپنی ٹانگیں سیدھی کیں اور ریلیکس ہو کر بیٹھ گیا۔

☆......☆......☆

سارا گھر مہمانوں سے بھرا ہوا تھا۔خاندان کی نئی نسل میں پہلی شادی تھی۔اسلیے دور اور قریب کے سبھی رشتہ دار مدعو تھے۔اتنا بڑا گھر تھا۔مہمان آسانی سے سما گئے تھے۔

چوڑیوں کی کھنک اور نشیلے قہقہے' آتی جاتی دوشیزاؤں کے رنگین آنچل' ڈھولکی کی تھاپ پر گائے جانے والے روایتی ٹپے۔ہر پہلو دلآویز تھا۔

لڑکوں کی مائیں تو پھولے نہیں سما رہی تھیں۔ایک ایک رسم کو نبھایا جا رہا تھا۔

تھوڑی دیر پہلے حرا اور فاطمہ کو مہندی لگائی گئی تھی۔اب لڑکوں کی باری تھی۔مگر واسع کا کیا کرتے۔جس کی ایک ہی ضد تھی۔جب تک فربود نوازش گھر نہیں آ جاتا۔وہ مہندی نہیں لگوائیں گے۔رات کے بارہ بج گئے تھے۔فربود کے بارے میں کسی کو بھی علم نہ تھا۔وہ اس وقت کہاں پایا جا رہا ہے۔

نوازش علی اپنے فون سے اُسکا نمبر ٹرائی کر رہے تھے۔مگر فون مسلسل بند جا رہا تھا۔

"اس لڑکے نے لاپرواہی کی حد کی ہوئی ہے۔ایک ہفتہ ہو گیا ہے اسکو گھر سے نکلے ہوئے۔کہہ کر گیا تھا۔کمپنی کی طرف سے ٹور پر جا رہا ہوں۔اس ایک ہفتے میں اُس نے صرف دو ایک بار ہی مجھ سے رابطہ کیا ہے۔ایسا تو وہ لوگ بھی نہیں کرتے جو باہر کے ممالک میں روزگار کمانے جاتے ہیں۔"

شمیم جھنجھلائی ہوئی بیٹھی تھیں۔دل ہی دل میں پریشان بھی تھیں۔کم از کم فون تو اُٹھا لے۔

"چچی پریشانی کی بات نہیں ہے۔میری صبح ہی اُس سے بات ہوئی تھی۔ٹھیک ٹھاک ہے۔اُس نے وعدہ تھا۔مہندی کی رسم تک پہنچ جائے گا۔"

واسع کے بتانے پر اُن کے دل کو کچھ تسلی ہوئی۔تب ہی وہ ساس کی جانب مڑیں۔

"اماں آج آپ بڑے تحمل کا مظاہرہ کر رہی ہیں۔لاڈلے پوتے کی بات ہے ناں ورنہ اگر ہم میں سے کوئی اسطرح لیٹ ہوتا تو آپ نے سب کی شامت بلائی ہوئی تھی۔"

"تم میرے بچے کو اس گھر کے لوگوں سے مت ملاؤ۔وہ تم سب جیسا غیر ذمہ دار نہیں ہے۔اگر اُس نے وعدہ کیا ہوا ہے۔تو بے فکر رہو۔پہنچ جائے گا۔بس راستے میں کوئی پریشانی نہ ہو۔"

ساس کی بات پر شمیم نے دل و جان سے آمین بولا تھا۔

"ویسے بہو۔۔۔؟ تم نے فربود کی شادی کہاں کرنی ہے؟ میری مانوں تو عاشی نے جو بتایا تھا ناں کہ وہ کسی گوری کو پسند کرتا ہے۔چُپ چاپ اُسکی شادی وہیں کر دو۔"

"اماں میرا ایک ہی ایک بیٹا ہے۔میں کیوں اُسکے لیے ایک غیر مذہب کی لڑکی لاؤنگی۔میری نسلیں ہی جاتی رہیں۔"

"تمہارا بیٹا اب سمجھدار عمر کو پہنچا ہوا ہے۔اگر وہ کسی کو پسند کرتا ہے۔اُسکی شادی وہیں کرو۔کیا علم کل کو تمہاری پسند کے ساتھ انصاف نہ کرے۔تب کیا کرلوگی؟"

"اماں یہ آپ کہہ رہی ہیں؟۔"

"ہاں تو اس میں بُرائی کیا ہے۔تمہارا بچہ اتنا نیک اور سعادت مت ہے۔نہ جانے دن سے لیکر رات تک کہاں کہاں کیسی کیسی خاک چھانتا ہے۔تم اسکو ایک ذرا سی خوشی نہیں دے سکتی ہو۔کیسی ماں ہو۔"

صدمے سے شمیم کا چہرہ سُرخ ہو گیا۔اُنہوں نے شوہر پر ایک شکوہ کناں نظر ڈالی اور اپنے غُصے کو قابو کرنے کی کوشش میں بولیں۔

"اماں وہ باپ کی اتنی بڑی جائیداد کا تنہا وارث اُسکو کیا ضرورت پڑی ہے۔وہ در در کی خاک چھانتا پھرے۔"

"شمیم پتر میرا مشورہ ہے۔کبھی وقت نکال کر اپنے بیٹے سے یہ ضرور پوچھنا وہ کیا کام کرتا ہے۔"

"آپ دیکھ رہے ہیں۔؟۔۔"

شمیم اب ڈائریکٹ نوازش علی سے مخاطب تھیں۔

"اماں وڈی آج بھی ہمیشہ کی طرح اپنے سخت الفاظ سے میرا سینہ چھلنی کر رہی ہیں۔جواب میں اگر میں نے کچھ کہہ دیا تو آپ کو بڑا غصہ لگتا ہے۔"

"تم جو بھی کہنا چاہتی ہو۔کُھل کر کہو۔میرا بیٹا غُصے کے نام سے بھی واقف نہیں ہے۔پر جو باتیں میں نے کی ہیں۔اُن پر آگ بگولا ہونے کی بجائے غور کرو۔جوان اولاد اگر بے راہ روی کی جانب نکل جائے تو قصور ماں باپ کا ہی ہے۔کیوں فضول کی رکاوٹیں ڈال کر اُنکو بھٹکنے کا موقع دیا۔جوان ہوا ہے۔وقت پہ شادی کر دو۔

باہر جانے کی بجائے اپنے گھر میں دل لگائے۔"

"آپ تو ایسے کہہ رہی ہیں۔ جیسے میں جان بوجھ کر بیٹے کی شادی نہیں کر رہی ہوں۔ کوئی اچھی لڑکی بھی تو ملے۔"

"کتنی لڑکیوں کو رد کر چکی ہو؟ رشتے کروانے والے کو تم کہتی ہو بہتر سے بہترین لڑکی دیکھانا۔ پھر اُس بہترین لڑکی میں بھی کوئی نہ کوئی عیب نکال کر گھر آجاتی ہو۔ اسلیے اب کی بار چپ چاپ بیٹے کی پسند پہ ہاں کر دو۔"

"یہ شوشہ عائشہ نے چھوڑا ہوا ہے۔ ورنہ فربود نے تو کبھی کسی لڑکی کا ذکر نہیں کیا۔"

"چلو تم اوروں کے ہی قصور نکالنا۔"

وہ چار پانچ لوگ باہر والے گیٹ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے۔ شمیم جواب میں کچھ کہنے کے ارادے میں تھیں۔ جب گیٹ کے باہر کالی بی ایم ڈبلیو رُکی۔

واسع نے خوشی سے نعرہ مارا۔۔۔

"لو جی آ گیا اپنا شہزادہ۔۔۔ چل اوئے ڈھول والے کو بولو بجائے ذرا۔۔۔"

تین ڈھول ایک ساتھ بجے تھے۔ جس کی وجہ سے تمام مہمان جو ٹولیوں کی شکل میں بکھرے ہوئے تھے۔ یک دم متوجہ ہو گئے۔

لڑکے سارے باہر کو نکل گئے۔ کیمرے والا آ گیا۔

واسع نے فربود کے گلے لگ کر زور سے بھینچا۔۔۔

"فربود تیرے لارے۔۔۔

مُنڈے رہن کنوارے۔۔۔"

ہنستے ہوئے فربود نے واسع کی جپھی کا جواب دیا۔

"میں نے کب کہا تھا میرے انتظار میں بکری بن کر بیٹھنا۔"

"پر میں مہندی لگنے کے بعد سب سے پہلی چماٹ تجھے مارنا چاہتا تھا۔ کیا پتا میری چماٹ کھا کر ہی تیری لاٹری نکل آئے۔"

شمیم فربود کو آوازیں دیتی ہی رہ گئیں۔ شکن آلود سفید شلوار قمیض تھوڑی بڑھی داڑھی دائیں آنکھ کے

اوپر نہ جانے وہ پلاسٹر تھا یا کوئی ٹیپ اب اتنے رش میں وہ آگے آ کر دیکھ بھی نہ سکیں۔

سارا گھر اور حویلی مصنوعی روشنیوں میں گھرے ہوئے تھے۔ آتش بازی نے سماں باندھ دیا۔ ڈھول کی تھاپ پہ لڑکوں کا رقص' پیسوں کی سوٹ لڑکے کو گوٹے والے دوپٹے تلے گیٹ سے اندر لا کر سٹیج پر بٹھایا گیا۔

واسع نے فریود کو ایک پل بھی اپنے پہلو سے ہلنے نہیں دیا۔ جو انتہا کا تھکا ہوا تھا۔ مگر پھر بھی نہ جانے کس اُمید پہ نظریں ادھر اُدھر بھٹک رہی تھیں۔ جوں جوں وقت گزرتا گیا۔ اُس کے اندر مایوسی اُتر رہی تھی۔

اُسکو نہیں خبر کون کون واسع کو مہندی لگانے آیا۔ وبظاہر وہیں موجود ہو کر بھی غائب تھا۔ یار دوست مہندی لگا کر چلے گئے تو گھر کی خواتین کی باری آئی۔

"عائشہ چچی آپ کہیں سے بھی لڑکے کی ماں نہیں لگ رہی ہیں۔"

"تو کیا دادی لگ رہی ہوں۔"

فریود اُنکے جواب پہ ہنستے ہوئے بولا۔

"جناب عالی بڑی بہن لگ رہی ہیں۔"

"رہنے دو فریود تم ہمیشہ ایسے ہی جھوٹ بول کر مجھے خوش کرتے ہو۔"

"لو جی کر لو بات میری بات پہ یقین نہیں ہے۔ تو چچا سے پوچھ لیں۔"

"چُپ کرو شرارتی کہیں کے۔"

"کمال بات ہے چچی اولاد جوان ہو گئی ہے۔ اور آپ آج بھی چچا کے ذکر پر بلش کر رہی ہیں۔"

"ابے کچھ شرم کر میرے سامنے میری ماں کو کیا کیا بول رہا ہے۔"

واسع کے بولنے پر وہ اُس کو گھورتے ہوئے بولا۔

"تو چُپ کر کے بیٹھ زیادہ طرم خان نہ بنا کر وہ میری بھی ماں ہیں۔"

عائشہ بولی۔۔۔"فریود بھائی آپ دونوں کو ایک ساتھ بیٹھا دیکھ کر یہ لگ رہا ہے۔ جیسے مہندی کی رسم آپکی ہو رہی ہے۔ کیونکہ واسع بھائی تو کلین شیو کے ساتھ مایوں کا دُلہا لگ ہی نہیں رہے۔ البتہ آپ کا حلیہ بالکل ویسا ہی بنا ہوا ہے۔"

وہ جیسے موقع کی تلاش میں تھا۔فوراً شمیم کو مخاطب کیا۔

''امی سُن رہی ہیں۔یہ عاشی کیا کہہ رہی ہے۔''

''یہ لڑکی تو ہے ہی فتنہ کوئی نہ کوئی نئی بات ہی کرتی ہے۔تمہیں بھی چاہیے تھا۔گھر آکر پہلے تیار ہوتے کم از کم کپڑے ہی بدل لیتے۔''

''چچی آپ اصل بات دبا رہی ہیں۔بھائی کے کہنے کا مطلب ہے۔لگے ہاتھ اُنکی بھی مایوں کر دیں۔''

سارے مہمانوں کے سامنے شمیم کو مسکراہٹ سجا کر کہنا پڑا۔

''کیوں نہیں اب فربود کی ہی باری ہے۔''

موقع ملتے ہی واسع نے فربود کے کان میں سرگوشی کی۔۔۔

''کسے ڈھونڈ رہے ہو؟۔۔۔''

وہ بدمزگی سے بولو۔

''اُسے ہی جو نظر نہیں آرہی۔مجھے تو بتایا گیا تھا وہ واپس آگئی ہوئی ہے۔''

واسع نے آنکھ سے اشارہ کیا۔فربود کی نگاہ اُٹھی اور جھکنا بھول گئی۔یہ بات تو وہ پورے یقین سے کہہ سکتا تھا۔وہ پہلے سے وہاں موجود نہیں تھی۔کیونکہ اُس نے لاتعداد مرتبہ کرسیوں پر بیٹھے چہروں میں اُسکو کھوجا تھا۔وہ ابھی وہاں آئی تھی۔اماں وڈی کا ہاتھ تھام کر سٹیج کی جانب لا رہی تھی۔

سفید رنگ کی ویسٹ اور پورے بازو تھے۔۔۔جن کے اوپر کالے رنگ کے دھاگے سے مشینی کڑھائی کے بڑے بڑے پھول بنے ہوئے تھے۔نیچے شفون کا لمبے گھیر والی لہنگا نما فراک تھی۔ایک شانے پہ کالا ہی دوپٹہ پڑا ہوا تھا۔جس کے پلے پہ سفید ربن لگا ہوا تھا۔

فرنچ ٹیل میں چھوٹے چھوٹے سفید پھول پروئے ہوئے تھے۔جیولری کے نام پہ چاندی کی چھوٹی چھوٹی جھمکیاں پہنی ہوئی تھیں۔

فربود کو بڑی دشواری کا سامنا تھا۔نظریں اُسکے سراپے سے ہٹنے کو انکاری تھیں۔جی چاہ رہا تھا۔کسی بڑی سے چادر میں اسکو لپیٹ کر کہیں بند کر دے۔تاکہ اُسکے علاوہ کوئی آنکھ اس پری پیکر کو دیکھ ہی نہ سکے۔

گہرا سانس خارج کرتے ہوئے اپنی نظروں کا زاویہ بدل گیا۔

تیرے سوا کوئی وہم وگماں میں ہی نہیں

کوئی دوسرا تو میری داستان میں ہی نہیں

میں کسی اور کا ہو جاؤں' یہ کیسے ممکن ہے

یہ حوصلہ تو جاناں, اس بے جاں میں ہی نہیں۔۔۔

شہباز اکبر اُلفت۔۔۔

جب تک وہ سٹیج پر آئی وہ اپنے مچلتے بے قابو دل کو تھپکی دیکر تھوڑا بہلا چکا تھا۔ لاپرواہی سے یہاں وہاں دیکھ رہا تھا۔ مگر اندر کے جذبات نے چہرے کا رنگ سُرخ کر دیا تھا۔ وہ سامنے آئی تو کیا کیا یاد نہیں آیا تھا۔

میز پر پڑی پانی کی بوتل کھول کر ساری ختم کر گیا۔ آج سے پہلے اُسکا ڈرتا سہمتا روپ دیکھ کر صرف اُلجھتا آیا تھا۔ کہ آخر ایسا رویہ کیوں اپناتی ہے۔ پر آج وہ اُس کے ہر رویے ہر نفرت کی وجہ سے واقف تھا۔ اتنے دنوں سے وہ یہ ہی نہ جان پایا کہ کیسے اُسکو سمیٹنا ہے۔ کوئی ایسا عمل جس سے وہ اُس پر اعتماد بھی کر جائے اور اُس کے جذبات بھی مجروح نہ ہوں۔

واسع کے ایک طرف فربود براجمان تھا۔ دوسری جانب پہلے وڈی اماں نے بیٹھ رسم پوری کی فربود اور واسع پر سے پیسے وار کر کام والیوں کو دیئے۔ پھر اپنے بعد اپنی جگہ پر تاشفہ کو بیٹھا دیا۔ خود عاشی کا ہاتھ پکڑ کر سٹیج سے اتر گئیں۔ صاف نظر آ رہا تھا۔ وہ بیٹھنا نہیں چاہ رہی تھی۔ مگر وڈی اماں زبردستی بیٹھا گئی تھیں۔

لوگ دیکھ رہے تھے۔ یا نہیں مگر اُسکو ایسا ہی محسوس ہو رہا تھا۔ جیسے ہر آنکھ اُسی پر جمی ہوئی ہو۔ کیمرے کی روشنی نے آنکھیں چندھیائی ہوئی تھیں۔

کانپتے ہاتھوں سے ایک اُنگلی تیل میں ڈبو کر واسع کے بالوں پہ رگڑ دی۔ پھر اُسی اُنگلی پر گیلی مہندی لگا کر واسع کے ہاتھ پر رکھنے لگی۔ مگر عین اُس لمحے پان کے پتے والی ہتھیلی کی جگہ ایک صاف شفاف گلابی ہتھیلی رکھ دی گئی۔

جو کے سراسر واسع کی شرارت تھی۔جس نے اپنا ہاتھ ہٹا کر فربود کا ہاتھ آگے رکھ دیا تھا۔
وہ ویسے ہی اتنی بوکھلاہٹ کا شکار تھی۔یہ شرارت تو اُسکے رڈار میں آئی ہی نہیں۔لہذا مہندی فربود کی ہتھیلی پر رگڑ دی۔جس نے اُسی پل مٹھی بند کر کے ہاتھ ہٹا لیا۔
وہ اُٹھ رہی تھی۔جب واسع نے کہا،" تاشفہ ایک سیلفی ہو جائے۔
فربود ایک دم اُٹھ کر چلا گیا۔
سیلفی میں بس واسع اور تاشفہ ہی رہ گئے۔
بڑی دقت سے اپنے آنسوؤں پر بند باندھ کر وہاں سے اُٹھی۔۔۔
سر اونچا رکھا۔۔۔کبھی کبھی درد کو اپنے اندر ہی کہیں دفن کرنا پڑتا ہے۔بہانہ بنا کر رش سے نکل آئی۔وہ یہ نہ دیکھ سکی فربود اپنے ابو کے اشارے پہ اُٹھ کر اُنکی جانب گیا تھا۔اُسکو بس اتنا ہی یاد رہا واسع نے سیلفی کی بات کی اور فربود اُٹھ کر چلا گیا۔
اتنے دنوں سے اُس کو فون کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔جو زیادہ تر تو بند جا رہا ہوتا۔مگر جب بیل جاتی تب بھی دوسری جانب سے کوئی جواب نہ آتا تھا۔
وہ اپنی جگہ چُپ چاپ خاموشی سے مر گئی۔
بات یہ نہیں ہے۔کوئی فون کا جواب نہیں دے رہا تو آپ اُس کے خلاف بُرا سوچنا شروع کر دو۔ان دونوں کے کیس میں ایسا معاملہ نہیں تھا۔یہاں عزت نفس لائن پہ لگی ہوئی تھی۔یہاں پر معاملہ اس سے کہیں زیادہ سنجیدہ تھا۔اماں وڈی کے بے حد اصرار پر وہ تیار ہوئی تھی۔سب سے پہلے لباس تبدیل کیا پھر بہن کو فون کیا۔
"سیماب آپی وہ جو رشتہ دیکھنے والوں نے آنا تھا۔اُنکو ہاں کر دیں۔مجھے یہ رشتہ منظور ہے۔"
سیماب جو فون کی بیل پر نیند سے جاگی تھی۔اُسکی بات سمجھتے ہوئے اگلا سوال کیا۔
"تاشی تم رو رہی ہو؟۔۔۔"
"نہیں تو بھلا میں کیوں روؤں گی۔۔۔"
"کیا ہوا ہے؟۔۔۔"

"جو بھی ہوا تھا۔آپ کے علم میں ہی ہے۔کب اور کیسے میری تقدیر کے اوراق سیاہ ہوئے۔"

"استغفر اللہ تاشی خدا کا خوف کرو کیا بک رہی ہو۔"

"مجھے خود نہیں پتا میں کیا کہہ رہی ہوں۔"

"کیا پھر اُس فون والے سے لڑائی ہوئی ہے؟۔۔۔"

"آپی۔۔۔"

"کیا ہوا ہے؟۔۔۔"

"آپکو پتا ہے عابدین کے قاتل کو کس نے مارا ہے؟۔۔۔"

اُس کے پوچھنے میں اتنی سنجیدگی تھی۔لائن پر تھوڑی دیر کے لیے خاموشی چھا گئی۔

سیماب اپنے بیڈروم سے نکل کر دوسرے کمرے میں چلی گئی تھی۔

"ہاں ٹی وی پہ بتا رہے تھے۔سائبر کرائم اور آئی ایس آئی کے بندوں نے مارا ہے۔"

"آپی ہمارے خاندان کا ایک فرد سیکریٹ سروسز میں ہے۔"

ایک دفعہ خاموشی چھا گئی۔

"تاشی جہاں تک میری معلومات ہیں۔دور دور تک ایسا ہونہار ہمارے جاننے والوں میں موجود نہیں ہے۔"

تاشفہ نے باآواز اپنی ناک صاف کی۔۔۔

"آپی۔۔۔"

"تاشی ایک تو آدھی رات کو کال کر کے جان نکالی ہے۔اوپر سے اب پہیلیاں بُجھا کر رہی سہی کسر پوری کر رہی ہو۔جو بھی بات ہے۔ایک دفعہ میں کہہ دو۔"

"عابدین کے قاتل کو شمیم پھوپھو کے بیٹے نے مارا ہے۔"

سیماب کے لیے یہ خبر توقع سے باہر تھی۔بے یقینی سے بولی

"فربود کی بات کر رہی ہو؟۔۔۔"

''آپی پھوپھو کا ایک ہی بیٹا ہے۔''

''پر تاشی وہ عابدین کے قاتل تک کیسے پہنچا اور وہ تو بندے مارنے والا نہیں لگتا ہے۔''

''آپی وہ انہی کاموں میں ماہر ہیں۔''

''تاشی میرا دماغ گھوم رہا ہے۔تمہارے کہنے کا مطلب فربود سیکریٹ سروسز کا بندہ ہے؟۔۔۔''

''جی آپی۔۔۔''

''ہائے میرے اللہ مجھے تو یقین ہی نہیں آرہا۔مگر تاشی وہ تو چار پانچ سال امریکہ میں گزار کر ابھی ایک آدھ ماہ پہلے ہی واپس آیا ہے۔پھر وہ اتنی اہم جاب کیسے کر سکتا ہے۔یقیناً تمہیں کسی نے اُلو بنا دیا ہے۔''

''آپی وہ باہر جانے سے پہلے اسی فیلڈ میں تھے۔باہر صرف ایک کورس کرنے کے لیے گئے تھے۔جو دو سال میں ختم کر کے وطن واپس آ گئے تھے۔جسکے بارے میں گھر والوں کو نہیں بتایا۔دو ماہ پہلے وہ امریکہ سے نہیں کراچی سے آئے تھے۔پر یہاں سب یہی سمجھتے ہیں وہ امریکہ چار پانچ سال رہے ہیں۔''

''تاشی کوئی فلم دیکھی ہے؟یا کوئی جاسوسی ناول پڑھا ہے۔ایسا بھلا کہاں ہوتا ہے۔اگر وہ امریکہ کی بجائے پاکستان میں تھا۔گھر والے اتنے بیوقوف تو نہیں ہیں۔جو یہ نہ دیکھ پائیں جس نمبر سے وہ فون کرتا ہے۔وہ پاکستان کا ہے یا امریکہ کا۔۔۔''

''آپی جو نمبر ایک دفعہ فیڈ کر لو۔رومنگ میں وہی نمبر آتا ہے۔پھر تم چاہے جس مرضی ملک میں بیٹھ جاؤ۔اور آج امریکہ کا نمبر پاکستان میں رہ کر استعمال کرنا بھی کوئی بڑی بات نہیں ہے۔آپکا فون لائن سے کنکٹ ہو آپ دنیا میں کہیں بھی ہوں۔فون اُٹھا سکتے ہیں۔''

''میرے دماغ کی کھچڑی بنا دی ہے۔پر پھوپھی نے اُسکو ایسی فیلڈ میں جانے کی اجازت کیسے دے دی۔وہ تو فربود کے بچپن سے ہی اُسکے معاملے میں بڑی پوزیسو رہی ہے۔''

''پھوپھی کو علم نہیں ہے۔''

''یہ کیسے ممکن ہے۔ماں کو خبر ہی نہ ہو بیٹا کیا کام کرتا ہے۔''

''اس کا جواب آپکے سوال میں ہی چھپا ہوا ہے۔پھوپھی کو اگر بھنک بھی پڑ جائے اُنکا ویسے ہی ہارٹ فیل

ہو جانا ہے۔ بیٹے سے بڑھ کر اُنہیں کوئی عزیز نہیں ہے۔ جس فیلڈ میں تمام رسک آ پکی پلیٹ میں رہتے ہوں۔ وہ کیسے بخوشی بیٹے کو اس راہ پر جانے دیتیں۔ اُنہوں نے اجازت مانگی پر پھوپھی نے رونا دھونا شروع کر دیا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا اُنہوں نے ماں کو بتائے بغیر جوائن کر لیا۔"

"تاشو۔۔۔تمہیں یہ سب باتیں چوہدرانی نے بتائی ہونگی۔"

تاشفہ نے گہرا سانس بھرا۔۔۔

"نہیں آپی۔۔۔اماں وڈی کو بھی میں نے بتایا تھا۔"

"ہائیں یہ کیا بات ہوئی ؟۔۔۔جو بات اُس کی ماں کو نہیں پتا اُسکی دادی کے علم میں نہیں ہے۔ وہ سب تمہیں پتا ہے؟۔۔۔"

"آپی بیوی تو راز دار ہوتی ہے ناں۔۔۔"

تاشفہ کے آخری فقرے نے لائن کو خاموش کر دیا۔

☆......☆......☆

"مجھے آپ دونوں سے بڑی ضروری بات کرنی ہے۔ ادھر بیٹھ جائیں۔"

نوازش علی اور شمیم کو اپنے ساتھ کمرے میں لیکر آیا تھا۔ اب ماں کا ہاتھ پکڑ کر اُنکو اپنے برابر بیڈ پر بٹھایا۔

"ایسی بھی کیا بات ہے جو یوں کمرے میں بند ہو کر کرنی پڑ رہی ہے۔"

شمیم کی بات پر وہ بولا۔

"میں یہ بات باہر بھرے مجمع میں بھی کر سکتا تھا۔ مگر آ پکی آسانی کے لیے یہاں لایا ہوں۔"

نوازش نے صوفے پہ بیٹھ کر ٹانگ پر ٹانگ رکھی اور جمائی لیتے ہوئے بولے۔

"جلدی کرو کیا بات ہے۔ نیند آ رہی ہے۔ صبح پھر جلدی اُٹھنا ہے۔"

شمیم کے دونوں ہاتھ اُس نے اپنی مضبوط گرفت میں پکڑے ہوئے تھے۔

"میں جو کچھ کہنے جا رہا ہوں۔ اُس سے آپ دونوں کے احساسات کو ٹھیس پہنچنی ہے۔ جس کے لیے میں کبھی بھی خود کو معاف نہیں کر سکوں گا۔ مگر اب یہ بات کھولے بنا گزارا بھی نہیں ہے۔"

''تو کیا تم واقعی کسی گوری کو پسند کرتے ہو؟۔۔۔''
شمیم نے غصے سے اپنے ہاتھ واپس کھینچتے ہوئے پوچھا تھا۔
وہ دھیمے سے ہنسا۔۔۔
''گوری تو آپکو برداشت ہو ہی جاتی مگر میں جس کا نام لینے والا ہوں۔ وہ آپکو ایک آنکھ نہیں بھاتی ہے۔۔۔اور مجھے اُسکے علاوہ کوئی اور نہیں بھاتی ہے۔''
کمرے میں اتنی خاموشی چھا گئی اگر سوئی بھی گرتی تو صاف سُنا جاتا۔
''میں نے آپ دونوں سے پانچ سال پہلے بھی اُسی کو مانگا تھا۔آج مانگ نہیں رہا ہوں۔ بتا رہا ہوں۔ کیونکہ تب وہ میری نامحرم تھی۔اُسکو پانے کا اصولی قانون یہی تھا۔ میں آپکو بتاتا۔ میں نے بتایا۔آپ نے اسے میری جوانی کی بے راہ روی سمجھ کر انکار کر دیا۔اپنی طرف سے بات ختم کر دی۔مگر نہ تو وہ میری جوانی کا اُبال تھا جو چُپ چاپ بیٹھ جاتا۔ مجھے اُس سے شادی کرنی تھی۔آپ نے نہیں سُنی میں نے ماموں عباس سے بات کر لی۔وہ مان گئے۔وڈی اماں اور ماموں عباس نے پانچ سال پہلے میرا اور تاشفہ کا نکاح کروا دیا تھا۔''
''نکاح عدالت میں ہوا تھا۔اُسکے وکیل کی جگہ ماموں موجود تھے۔میری وکیل اماں وڈی تھیں۔''
نوازش بڑی نارمل انداز میں بیٹھے ہوئے تھے۔اُنکے تاثرات میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی۔
فریبود کا سارا فوکس ماں کی طرف تھا۔
جن کے چہرے کا رنگ لٹھے کی مانند سفید ہو گیا تھا۔
فریبود کی جان پہ بن گئی۔ ماں کے دونوں ہاتھ اپنے لبوں سے لگائے۔اُنکا چہرہ ہاتھوں میں تھام کر اُنکی آنکھوں میں دیکھا۔
''امی پانچ سال کوئی تھوڑا عرصہ تو نہیں ہے۔لوگ بدل جاتے ہیں۔انسان دل سے اُتر بھی جاتے ہیں۔وہ کوئی حور پری نہیں ہے۔پھر بھی میں کیا کروں۔وہ آج بھی وہیں موجود ہے۔میرے دل کے اُسی حصے میں رہتی ہے۔جہاں پانچ سال پہلے قبضہ کیا تھا۔میں جانتا ہوں۔ میری ساری باتیں فقط پاگل پن معلوم ہو رہا ہوگا۔کسی دو نمبر را نجھے کی تقریر پر ماں وہ میرے لیے بڑی اہم ہے۔پانچ سالوں سے میری بیوی ہے۔میری وفادار ہے۔

میرے نام پر جیتی ہے۔"

"چُپ کر جاؤ بے غیرت انسان مجھے جس بیٹے پر اتنا غرور تھا۔آج اُس نے ہی مجھے دو کوڑی کا کر دیا۔جس کو میں منہ لگانا پسند نہیں کرتی ہوں۔جو ہمارے ہی گھر میں دو ٹکے کی ملازمہ ہے۔میں اُسکو بہو بناؤں۔۔۔"

"امی وہ میری بیوی ہے۔"

"میں نہیں مانتی اس شادی کو۔اگر پانچ سال پہلے نکاح ہوا ہے۔اس نکاح کی حیثیت کیا ہوگی؟ تمہاری عمر ہی کیا تھی؟۔۔۔ایک جذباتی عمر جب ہر کوئی اپنے آپ کو شاہ رُخ خان سمجھتا ہے۔افسوس تو اماں پر ہے۔جنہوں نے ایک بچے کی باتوں میں آ کر میری کمر میں خنجر اکھونپا۔اچھا طریقہ نکالا اُنہوں نے اپنے اگلے پچھلے بدلے لینے کا میرے بیٹے کو اُس چڑیل کے حُسن کا اسیر بنایا ہوا ہے۔نہ جانے اپن کلموہی ماں بیٹیوں نے کہاں سے تعویز گنڈے کروا کر تمہاری مت ماری ہوئی ہے۔میرا نام بھی شمیم ہے۔انکو وہاں پھینکوں گی۔ساری عمر یاد کریں گی۔غضب خُدا کا میرا ایک ہی ایک بیٹا اُسی کے پیچھے ہاتھ دھو کر پڑ گئی ہیں۔اپنی داغدار لڑکی کو پار لگانے کا بڑا اچھا طریقہ نکالا ہے۔"

"امی جو کہنا ہے۔مجھے کہہ لیں۔گالیاں دے لیں۔جوتے مار لیں۔مگر اس پر کیچڑ نہ اُچھالیں۔وہ بے قصور ہے۔پسند اُس نے نہیں میں نے کیا تھا۔شادی کی خواہش اُسکی نہیں میری تھی۔پھر بُرا اُسکو کیوں کہہ رہی ہیں۔"

"تیری عقل پر کل بھی پتھر پڑے ہوئے تھے۔آج بھی تیرا وہی حال ہے فربود۔۔۔"

"آپ اُسکو اتنا ناپسند کیوں کرتی ہیں؟۔۔۔آخر اُس نے آپکا کیا بگاڑا ہے؟۔۔۔"

"میرے بیٹے کو میرے خلاف کر دیا۔کیا اس سے بڑا جرم کوئی اور ہوگا۔"

"میں کب آپکے خلاف ہوں۔میں تو آپکا بیٹا ہوں۔"

"تم عباس کی کسی اور بیٹی کا نام لے لیتے تو شائد مجھے اتنا دُکھ نہ ہوتا۔مگر جسکی تم بات کر رہے ہو۔اگر وہ واقعی تمہارے نکاح میں ہے۔تو آج اسی وقت اُسکو طلاق دو۔"

"چلیں اپنے مرحوم بھائی کی یتیم اولاد کے لیے آپکے دل میں تھوڑا سا رحم تو جاگا۔"

"بکواس نہ کرو فربود اُس گندی بدکردار کو۔۔۔"

''بس ماں۔۔۔!بس۔۔۔''

''کیا بس؟۔۔۔جا جا کر پوچھ اُس سے جب دو دن تک اغوا رہی تھی۔تب اُسکے ساتھ کیا کیا ہوا تھا۔''

''میں کبھی بھی اُسکو ایسے سوال و جواب نہیں کرونگا۔''

''کیوں نہیں کرو گے؟کیا ذرا سی بھی غیرت نہیں جاگتی؟میرے دودھ کا اتنا سا بھی اثر نہیں لیا۔''

''میری غیرت ہی مجھے روکتی ہے ماں۔۔۔مجھے شرم آتی ہے۔بھلا میں کون ہوتا ہوں۔جو کسی کے غم کو کرید کر اُسکو دُکھی کروں۔مگر آپکو میں ایک چیز دیکھانا چاہتا ہوں۔میں نے اسکو ضائع کرنا تھا۔نہ جانے کیا سوچ کر ابھی تک لیے گھوم رہا ہوں۔پر شائد آپکے لیے یہ وڈیو ہی آنکھیں کھولنے کا باعث بن جائے۔شائد آپکو اُنکا غم نظر آجائے جو اس مصیبت سے گُورے ہیں۔''

''مجھے تم نئے سبق پڑھانے کی کوشش نہ کرو۔جو مرضی دیکھا لو۔میں اس لڑکی کو اپنی بہو تسلیم نہیں کرونگی۔آپ اسے بتاتے کیوں نہیں ہیں۔میں ہی بول رہی ہوں۔آپ تو ایسے مطمئن بیٹھے ہیں۔جیسے آپکا اس معاملے سے کوئی لین دین ہی نہیں ہے۔''

''بولنے کا سارا کام تم جو کر لیتی ہو۔جو باتیں تمہیں اب پتا چل رہی ہیں۔وہ میری ماں مجھے پہلے سے بتا چکی ہیں۔اور اس وقت بیٹے کو بے غیرت بولنے کی بجائے اسکی لمبی زندگی کی دُعائیں مانگو۔صاحب زادے نے بڑے مشکل راہ چنے ہوئے ہیں۔مجھے آج صبح علم ہوا تھا۔تاشفہ اسکی بیوی ہے۔پچھلے ہفتے اسکو ٹانگ پر گولی لگی تھی۔تب یہ نہ تمہارے پاس آیا نہ میرے پاس یہ اپنی بیوی کے پاس گیا تھا۔جب کسی بھی انسان کو تکلیف ہوتی ہے۔اُس وقت وہ اُنکو یاد کرتا ہے۔جو دل کے بہت قریب ہوں۔ہمیں تو یہ اس لائق بھی نہیں سمجھتا اپنی تکلیف ہی ہم سے بانٹ لے۔''

باپ کے شکوے کے پیچھے چُھپا پیار دیکھ کر وہ نئے سرے سے شرمندہ ہوا۔

شمیم تو دنگ بیٹھی رہ گئیں۔

''آپ کو غلط فہمی ہوئی ہوگی۔اسکو کیوں گولی لگے گی۔اسکا تو ایسے لوگوں کے ساتھ دور دور کا تعلق نہیں جہاں لڑائیاں ہونے کا خدشہ ہوتا ہے۔یاد آیا وہ پچھر والی پُل پہ جو قتل ہوا تھا۔تم نے وہ لاش اُٹھوا کر ہسپتال بجھوائی

تھی۔کہیں اُس قاتل نے تو تمہیں نقصاں پہنچانے کی کوشش نہیں کی۔میں ہمیشہ سے تمہیں سمجھاتی آرہی ہوں۔ فربود اپنی اس عادت پر کنٹرول کرو۔یہ ہیرو بننے کا دور نہیں ہے۔آج کل تو لوٹ مار کرنے والے بھی مطالبہ بعد میں کرتے ہیں۔ہتھیار پہلے چلاتے ہیں۔گولی کہاں لگی تھی؟۔۔۔"

وہ روتے ہوئے اُسکے ہاتھ بازو کندھوں پر ہاتھ پھیر کر دیکھ رہی تھیں۔

"فربود جیسے کہانی والے بادشاہ کی جان طوطے میں ہوتی ہے۔اسی طرح میری جان تمہارے اندر ہے۔ تمہیں کچھ ہو گیا تو ماں ویسے ہی مر جائے گی۔"

وہ اُسکا گھنے بالوں والا سر دونوں ہاتھوں میں تھام کر والہانہ چوم رہی تھیں۔

"امی میں ٹھیک ہوں۔ٹانگ پہ معمولی سا زخم آیا تھا۔"

"ہاں اُس معمولی سے زخم سے دو بوتلیں خون نکلا تھا۔"

وہ جھنجھلا کر بولا۔

"ابو یار آپ میری مدد کر رہے ہیں۔یا میرے لیے مزید مشکل پیدا کر رہے ہیں۔"

"میری جو مرضی میں کروں۔تمہارا ابھی علاج ہے۔باپ کو لاعلم رکھ کر۔بڑے قومی ہیرو بنے پھر رہے ہو۔"

"یہ اب قومی ہیرو کیسے بن رہا ہے؟تم باپ بیٹا ساری تیر ایک ہی بار میں کیوں نہیں چلا دیتے۔"

نوازش علی نے فربود کی جانب دیکھ کر اشارہ کیا بتاؤ۔۔۔

فربود نے نفی میں سر ہلایا اور ڈرنے کی ایکٹنگ کرتے بولا۔

"میں تو نہیں بتا رہا یہ بڑا ماریں گی۔"

"اتنا ہی تمہیں ماں کی مار کا ڈر ہوتا تو یہ سب نہ کرتے۔"

شمیم نے باقاعدہ روتے ہوئے کہا۔نوازش کو آگے آنا پڑا۔

اُنہوں نے مختصر سا سارا کچھ بتا دیا۔

شمیم کی ہچکی بندھ گئی۔

"میں نے لڑکی کے لیے منع کیا۔تم نے اُنہی دنوں میں اُسی سے نکاح کر لیا۔میں نے اس محکمے میں جانے

سے منع کیا تم نے وہیں نوکری کی۔"

"اس بات کو اسکی نافرمانی نہ سمجھو بس اپنے دل کو یہ بتا کر تسلی دو۔ صاحب جی ایک دفعہ کہیں دل لگا لیں۔ تو انکو ہٹانا مشکل ہی نہیں ناممکن ہے۔ نہیں تو جتنے جوتے میں نے اسکو مارے تھے۔ یہ ڈر جاتا۔ مگر یہ مستقل مزاج واقع ہوا ہے۔"

شمیم نے اپنے آنسو صاف کیئے۔ اور بھرائی ہوئی آواز میں پوچھا۔ "کیا تمہیں وہ اتنی پیاری ہے۔ ماں باپ کے پاس آنے کی بجائے اُسکے پاس آرام ڈھونڈنے گئے؟۔۔۔"

"امی میری پیاری امی آپکا اور اُسکا کوئی مقابلہ تھوڑی ہے۔ وہ بیوی ہے۔ آپ ماں ہو۔ وہ مجھ سے ہے۔ میں آپ سے ہوں۔ آپ نے مجھے جنم دیا۔ اُس نے مجھے مکمل کیا۔ آپ کے پیروں میں جنت ہے۔ آپ کی نافرمانی کروں تو دوزخ میں جلوں گا۔ اُسکے ساتھ حُسنِ سلوک کیئے بغیر میرا آخرت میں کوئی حق نہیں ہوگا۔ میرے لیے آپ دونوں ہی اہم ہیں۔ میں ایک کو رکھ کر ایک کو چھوڑ نہیں سکتا ہوں۔ مجھے اس آزمائش میں مت ڈالیں۔ میں اُسکے پاس اُسکو آپ پر ترجیح دیکر نہیں گیا تھا۔ مجھے علم تھا مجھے اُس حالت میں دیکھ کر آپکو تکلیف ہوتی تھی۔"

"کیا بہت گہرا زخم تھا؟

"بتا تو چکا ہوں معمولی سی خراش تھی۔ اُس سے بڑا زخم تو تین سال پہلے اس کندھے پہ گولی لگنے سے ہوا تھا۔"

شمیم کی آنکھیں پھیل گئیں۔ پھٹی ہوئی آواز میں بولیں۔

"کندھے پر بھی گولی کھا چکے ہو۔"

"کندھے والا زخم تو ایک ماہ میں ہی ٹھیک ہو گیا تھا۔ پر جو ڈیڑھ سال پہلے پسلی ٹوٹی تھی۔ اُس نے بڑا خوار کیا تھا۔ سانس لیتے ہوئے بھی درد ہوتا تھا۔"

"اُس وقت کون خیال کرتا تھا؟ کون پرہیزی کھانے بنا کر دیتا ہوگا۔"

"آرمی کے ہسپتالوں میں شاہی علاج ہوتا ہے۔ اوپر سے آپکی بہو کو دن میں دو دفعہ کال کر کے دل کا حال سُناتا تھا۔ جس سے کافی افاقہ محسوس ہوتا تھا۔"

"مت اُسکو میری بہو بولو۔ مجھے تکلیف ہوتی ہے۔ پتا نہیں نکاح ہوا بھی ہے یا جھوٹی سٹوری بنا رہے ہو۔"

اُس نے اپنی الماری کے اندرونی خانے کی چابی لگا کر نکاح نامہ برآمد کر کے ماں کے سامنے رکھ دیا۔ جسے پڑھنے کے بعد وہ بولیں۔

''فربود کون مرد چاہے گا اُسکی بیوی کی عصمت۔۔۔''

''اماں اسکے آگے ایک لفظ نہیں۔۔۔ پلیز میں ہاتھ جوڑ کر عرض کر رہا ہوں۔ میں اُسکو یہاں نہیں رکھوں گا۔ آج آپکے سامنے بات کھولنے کا مقصد صرف اتنا ہے۔ میں اب شادی شُدہ زندگی جینا چاہتا ہوں۔ مجھے اُسکو اپنے اس کمرے میں لانا ہے۔ آپ تو اُسکو نہ جانے کیا سمجھتی ہیں۔ ماں میں اُسکا شوہر ہوں۔ وہ مجھے بھی اجازت نہیں دیتی کہ میں کبھی اُسکو شوہر کی نظر سے دیکھ ہی لوں۔ آپ یہ دیکھ لیں۔''

اُس نے لیپ ٹاپ پہ وڈیو چلا کر سکرین ماں کے سامنے کر دی۔ خود جا کر کھڑکی میں کھڑا ہو گیا۔ چہرے پہ گہری سنجیدگی میں تھکن کی گرد بھی تھی۔

شمیم سے وڈیو پوری نہ دیکھی گئی۔ آدھی دیکھ کر ہی اُنہوں نے لیپ ٹاپ بند کر دی۔ اور پلو میں چہرہ چھُپا کر اپنی سسکیاں دبائیں۔ نوازش علی نم آنکھوں سے یک ٹک سامنے دیوار کو دیکھ رہے تھے۔

وہ ماں کے پاس آیا اور اُنکو باہنوں میں سمیٹ لیا۔

''مجھے بس اتنا بتا دیں۔ جو اس قدر مشکل آزمائش سے گُزر رہا ہو؟ جس آزمائش سے عباس ماموں اور اُنکی ساری فیملی گُزری تھی۔ کیا ایسے میں اُنکے ساتھ وہ رویہ رکھنا جائز ہے۔ جو آپ نے اور آپ کے سب بہن بھائیوں نے رکھا۔ اُنکا بائیکاٹ کر دیا۔ تنہا کر دیا۔ بیٹی کے نام پر طعنے دئے۔ امی اگر عابدین کی جگہ یہ سب آپ کے فربود کے ساتھ ہوا ہوتا تو آپ پر کیا گُزرتی۔''

''فربود بس کر میرا سینہ پھٹ جائے گا۔ میرا عابدین بڑا پیارا تھا۔ اللہ ایسے ظالموں کو دوزخ کے نچلے درجے میں پھینکیں۔''

''اور امی اُنکے لیے کیا سزا ہو گی جو مرے ہوؤں پر کیچڑ اُچھال کر اُنکو مزید تنگ کریں۔ آگے بڑھ کر اُنکی مدد کرنے کی بجائے اُن پر زندگی مزید تنگ کر دیں۔ اگر عابدین پیارا تھا تو کیا تاشفہ پیاری نہیں ہے؟ یا کیا وہ انسان نہیں ہے؟ وڈیو دیکھ کر تو آپکو یقین آ گیا ہو گا۔ تاشفہ کو اغوا ضرور کیا گیا تھا۔ مگر اُسکے ساتھ کوئی جنسی

زیادتی نہیں ہوئی تھی۔ کیونکہ تاشفہ اُن لوگوں کا ٹارگٹ نہیں تھی۔ پر امی اللہ کی قسم کھا کر کہتا ہوں۔ میں نے اُس سے محبت کی ہے۔ آپ نے کبھی عیسائیوں کی شادی میں جب نکاح ہو رہا ہوتا ہے۔ تب اُنکے الفاظ سُنے ہوں۔ شوہر بیوی کو اور بیوی شوہر سے وعدہ کرتی ہے۔ تم جیسے ہو۔ جو ہو میں اُسی کہ بنیاد پہ تمہیں اپنا شوہر مانتی ہوں۔ اور وعدہ کرتی ہوں۔ ہر سختی میں ہر تنگی میں خوشی میں غمی میں غربت میں امیری میں ہر حال میں تمہارے ساتھ وفاداری کرو گی۔ یہی الفاظ شوہر دُہراتا ہے۔"

"میرا جب اُس سے نکاح ہوا تھا۔ میں اس بات سے لاعلم تھا۔ کہ آپ کس وجہ سے اُسکو نفرت کی نظر سے دیکھتی ہیں۔ پر ماں میں نے اللہ رسول ﷺ کی گواہی میں اُس کی حفاظت اور بہبود کا ذمہ اپنے سر لیا تھا۔ اب اگر میرے پر اچانک سے یہ کُھلے کہ بچپن میں میری بیوی کو کسی نے جسمانی طور پر ابیوز کیا تھا۔ تو کیا میں اُسے اپنے نکاح سے نکال دوں؟ یہ نکاح جیسے عظیم اور مقدم رشتے کی توہین نہ ہو گی؟ اور پھر میرے میں اور ہوس کے مارے عاشقوں میں فرق کیا رہ جائے گا۔ کیا میں اس قدر نچلے درجے کا انسان ہوں؟ کیا میری تربیت میں عورت کی یہ عزت رکھی گئی ہے۔ اُسکو ٹھوک بجا کر اُسکے خالص اور پاک ہونے کا ثبوت ڈھونڈو۔ ماں یہ جہالت ہے۔ نکاح کی توہین ہے۔ ہاں اگر مجھے اُسکے اخلاق میں کمی نظر آئے۔ اور میرے نکاح میں رہتے ہوئے وہ اپنے ہوش و حواس میں کسی اور مرد کے ساتھ جنسی تعلقات قائم کرتی ہے۔ تب میں اُسکو بدکردار مانوں گا۔ یہ کیا ظلم کی انتہا نہیں ایک لڑکی کو صرف اس لیے بدکردار کہنا کیونکہ اُسکو کسی نے ابیوز کیا تھا۔ جبکہ وہ اُس وقت بالغ بھی نہیں تھی۔ تاشفہ کا ریپ نہیں ہوا تھا۔ آج اس بند کمرے میں صرف آپکی اُس روائیتی سوچ کی وجہ سے میں کُھل کر اس موضوع پر بات کر گیا ہوں۔ پر آج کے بعد میں کبھی بھی اس پہ نہ بات کروں گا۔ نہ سُنوں گا۔"

"میں اُسکو مزید اُسکی امی کے گھر نہیں چھوڑ سکتا۔ کیونکہ وہ اُسکی شادی کرنے کا سوچ رہی ہیں۔ آپ کا مجھ پر بہت بڑا احسان ہو گا۔ اگر آپ خالدہ ممانی سے مل کر ساری بات کر لیں۔ تاشفہ آپکو بہو کے روپ میں قبول نہ ہوئی تو میں اُسکو ملک سے باہر سیٹ کروا دونگا۔ یا کسی اور شہر میں رہائش رکھ دونگا۔ خود آپ کے ساتھ رہوں گا۔ مہینے نے ایک آدھ دفعہ اُسکے پاس ہو آیا کرونگا۔ وہ ویسے بھی میری بغیر رہنے میں ماہر ہو گئی ہوئی ہے۔ قریب جاتا ہوں۔ تو جان لینے پہ اُتر آتی ہے۔"

نوازش علی کے لبوں پر پہلی دفعہ مُسکراہٹ پھیلی۔۔۔

"امی جانتی ہیں۔اس سارے میں میرے لیے تکلیف کی بات کیا ہے؟وہ آپکا خون ہے۔آپکے باپ دادا کا خون ہے۔آپکے بھائی کی نسل ہے۔اور آپ نے ہی اُسکے کردار پر سب سے زیادہ کیچڑ اُچھالی ہے۔مجھے اس بات کا بڑا غم ہے۔"

شمیم کو لگا کسی نے اُن پر ٹھنڈا ٹھار پانی اُنڈیل دیا ہو۔اُن سے آدھی عمر کا بیٹا آج وہ وہ باتیں کر گیا تھا۔جو شائد کوئی اسی سال کا بزرگ بھی نہ کرتا۔آنسو خشک ہو گئے تھے۔صاف آواز میں بولیں۔

"جاؤ اُسکو بلا کر لاؤں۔۔۔"

فربود کو پہلے تو کان کا دھوکا لگا۔

"منہ کیا دیکھ رہے ہو۔جا کر تاشفہ کو لیکر آؤ۔"

"اُسکی پٹائی وٹائی تو نہیں لگانی؟۔۔۔"

"اب میں اتنی بھی گئی گُوری نہیں ہوں۔بات میری سمجھ میں آ گئی ہے۔جاؤ جا کر اُسکو اپنے کمرے میں لے آؤ۔۔۔"

"یہ ہوئی نہ بات۔۔۔مجھے اپنے اللہ پہ یقین تھا۔وہ میری ماں کو پتھر دل نہیں بنا سکتے۔جیو میری ماں مجھے آپکا بیٹا ہونے پر فخر ہے۔"اُس نے شمیم کو ساتھ لگا کر بوسے لیے۔

"اچھا بس مکھن کم لگاؤ جا کر لاؤ میری بہو کو میں ذرا غور سے دیکھوں آخر میرے بیٹے کی محبت ہے۔"

"میری طرف سے معذرت قبول کریں۔کیونکہ اس گھر میں ہوتے ہوئے وہ میرے سے نظر تک نہیں ملاتی۔کسی بات کا سیدھا جواب نہیں دیتی۔ابھی جا کر اُسکو یہ کہہ دوں جانم ذرا میرے کمرے میں تو آؤ۔وہ حالت کرے گی خدا پناہ۔۔۔"

"ہاں یار آخر بھتیجی کس کی ہے۔"

نوازش کی بات پر فربود کا قہقہہ ویسا ہی تھا۔جیسے طوفانی رات کے بعد تر و تازہ سورج نکل آئے۔

☆......☆......☆

"امی آج کے لیے میرا خیال ہے۔اتنا ہی کافی ہے۔اپنی بہو سے بات کرنی ہو۔یا اپنی بھابھی سے اب دن چڑھنے کے بعد ہی کیجئے گا۔کیونکہ ساڑھے تین ہو رہے ہیں۔ابھی مجھے حرا باجی کو اُنکا گفٹ بھی دینا ہے۔میں اس قدر تھکا ہوا ہوں۔ایک دفعہ سو گیا تو ڈر ہے کل واسع کی بارات ہی نہ مس کر دوں۔"

"ٹھیک ہے۔اب سے میں تمہاری کسی بات سے اختلاف نہیں کرونگی۔کیونکہ گھما پھرا کر تم نے مجھے پھر وہیں لے آنا ہے۔"

"یار جو کام میں پچھلے تیس سالوں سے نہیں کر سکا وہ تو نے آج دو گھنٹوں میں کر دکھایا ہے۔مبارک ہو تمہاری ماں مان گئی ہے۔"

"ہاں آپ کی تو میں نے آج تک ایک بات نہیں مانی ہے۔اس گاؤں میں بھی اپنی مرضی سے رہ رہی ہوں۔"

"لو بھائی یہ پھر نہ شروع ہو جائے میں چلا۔تم بھی سو جاؤ کل انشاءاللہ دیکھتے ہیں۔کیا کرنا ہے۔"

اُنہوں نے فریود کو گلے لگا کر مبارک دی۔اور کمرے سے نکل گئے۔شمیم نے بھی اُسکی پیشانی چومی ساتھ میں ڈھیر ساری دُعائیں دیکر شوہر کی پیروی میں چل پڑیں۔

اُس نے شاور لیکر لباس تبدیل کیا اور فجر کی نماز کے ساتھ دو نفل ادا کیئے۔

بیڈ پر نیم دراز ہونے کے بعد اپنا فون آن کیا۔دھڑا دھڑ مس کالز اور میسجز کی بھرمار ہو گئی۔

زندگی نام کے میسج کھولے کچھ پُرانے تھے۔جن پر نظر ڈالتے ڈالتے وہ سب سے آخری میسج پہ آیا تو ماتھے پہ تیوری آگئی۔دو دفعہ غور سے پڑھا پھر یقین آیا کہ وہ نیند میں نہیں ہے۔بلکہ سچ میں تاشفہ کی جانب سے طلاق کا مطالبہ آیا تھا۔

فوراً جواب لکھا۔

"کیا تم جاگ رہی ہو؟۔۔۔"

دو سیکنڈ بعد میسج سینڈ تو ہو گیا۔مگر جواب اگلے دو چار منٹ میں بھی نہیں آیا۔

اُس نے کال ملا دی۔

جو اُٹھائی نہیں گئی۔

''تم جواب کیوں نہیں دے رہی ہو؟۔۔۔''

''میری مرضی۔۔۔''

فربود کے لبوں پر مسکراہٹ دوڑ گئی۔

''ناراض ہو؟۔۔۔''

''میرا آپکا تعلق ہی کوئی نہیں ہے۔ناراضگی کا کیا جواز۔۔۔''

''ہاں یہ تو تم بالکل ٹھیک کہہ رہی ہو۔ویسے اس وقت ہو کہاں؟۔۔۔''

''بھاڑ میں۔۔۔''

''میری اجازت کے بغیر وہاں کیا لینے گئی ہو۔''

''آج کے بعد میں کسی کام میں آپکی اجازت نہیں لونگی۔''

''تاشفہ۔۔۔''

دوسری جانب سے کوئی جواب نہ آیا۔وہ تیزی سے بیڈ میں سے نکلا۔۔۔عائشہ کے نمبر کال ملائی۔جو جلد ہی اُٹھالی گئی۔''فربود بھائی کیا چاہیے؟۔۔۔''

''اماں وڈی کدھر سو رہی ہیں؟۔۔۔''

''وہ اپنے کمرے کے علاوہ اور کہاں ہوسکتی ہیں۔''

''اور اُنکی مشیر۔۔۔''

''تاشفہ۔۔۔؟۔۔۔''

''ہاں بھئی۔۔۔''

''ہائیں آپ اس وقت اُسکا کیوں پوچھ رہے ہیں۔''

''بات ذرا غور سے سُنو اور جلد ہضم کرلینا۔تاشفہ جی آپکی بھابھی ہیں۔مابدولت کی زوجہ۔۔۔سمجھ آ گئی۔اب شور بالکل نہیں کرنا۔صبح جو مرضی آئے کرلو۔پر اس وقت خاموشی سے مجھے اُس کی خبر دو۔کہاں پائی جارہی ہے۔''

''اتنی بڑی خبر اور آپ چاہ رہے ہیں۔میں خوشی سے چیخیں بھی نہ ماروں۔مجھے علم تھا۔آپ نے کوئی انوکھا

کارنامہ ہی انجام دینا ہے۔وہ حرا باجی کے کمرے میں ہے۔''

''وہاں اور کون کون ہے؟۔۔۔''

''پوری پلٹون ہے۔''

''اُسکو کسی طرح وہاں سے نکالو پلیز۔۔۔''

''ہائے رے یہ بیتابیاں۔۔۔''

''بکواس نہ کرو۔تمہارا بڑا بھائی ہوں۔ادب سے بات کرو۔''

''گھنے میسنے ذرا دن چڑھ لینے دیں۔آپکی تو ایسی خبر لونگی۔یاد کریں گے۔''

وہ کچھ کہنا چاہ رہا تھا۔مگر عائشہ کی آواز دوبارہ آئی وہ رضیہ چچی سے مخاطب تھی۔

''امی آپکو ایک خبر دوں۔فربود بھائی نے تاشفہ سے شادی کر لی ہے۔''

''تم تو ایسے کہہ رہی ہو۔جیسے آج کی ہے۔مجھے پتا ہے۔ابھی شمیم بتا کر گئی ہیں۔''

''لیں جی یعنی خبر میرے سے پہلے ہی لیک ہو گئی ہے۔''

''عاشو۔۔۔''

''کان کیوں پھاڑ رہے ہیں۔حرا باجی کے پاس ہی جا رہی ہوں۔ویسے جا کر کیا کہوں بھابھی آپکو بھائی بُلا رہے ہیں؟۔۔۔''

''نہیں میری ماں بس اُسکو کوئی بہانا بنا کر کمرے سے باہر لے آؤ۔آگے میں جانوں میرا کام۔۔۔''

''اوہ نہ نہ آپ چاہ رہے ہیں۔میں آپکی خفیہ ملاقات کرواؤں۔یہ تو نہیں ہوگا۔''

''تم رکو پہلے میں تمہاری خبر لیتا ہوں۔پھر کسی اور کی عقل ٹھکانے لگاؤنگا۔''

کمرے کا دروازہ کُھلا۔۔اندر سے کچھ آوازیں آ رہی تھیں۔مگر عائشہ کی آواز کے سامنے خاموشی چھا گئی۔

''تاشی باجی آپکو وڈی اماں بُلا رہی ہیں۔کہہ رہی ہیں۔فوراً آئیں۔۔۔''

اگلی آواز تاشفہ کی تھی۔

''وڈی اماں تو سو رہی ہیں۔میں خود اُنکو دیکھ کر آئی تھی۔''

''اب اُٹھ گئی ہیں۔آئیں ناں شائد اُنکی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔''
خاموشی چھائی۔۔۔پھر حرا کی آواز آئی۔
''تاشی یہ تمہارے فون میں لائف لائن کون ہے؟۔۔۔''
''حرا باجی یہ غلط بات ہے۔آپ نے اپنی تصویر دیکھنے کے لیے فون مانگا تھا۔اب اُسکا سارا پوسٹ مارٹم تو نہ کریں۔''
''میری تصویر تو صرف ایک دو ہی ہے۔ساری گیلری میں تو میرا بھائی چھایا ہوا ہے۔''
''پلیز حرا باجی یوں شور تو نہ کریں۔''
''لڑکی اب کس بات کا ڈر ہے۔تمہاری ساس صاحبہ سب کو بتا چکی ہیں۔تم بھی پوری میسنی ہو۔اتنی بڑی خبر اتنے سالوں سے چھپائی ہوئی ہے۔''
''ہائے تاشی میں صدقے جاؤں۔لائف لائن والا نمبر تو میرے ویر کا ہے۔نی تاشو اُسکو تم لائف لائن سمجھتی ہو۔''
وہ لائن کی دوسری جانب ہونے والی گفتگو دم سادھے سُن رہا تھا۔
حرا کی آواز میں آنسوؤں کی آمیزش تھی۔
''اللہ تم دونوں کو ہر سرد و گرم سے محفوظ رکھیں۔میرے سے تو خوشی سنبھالی نہیں جا رہی۔''
''تاشی بھابھی وڈی اماں۔۔۔''
عائشہ کے یاد کروانے پر وہ چل پڑی پر بھابھی کہنے پر عائشہ کو گھورا۔۔۔
حرا کے کمرے سے نکل کر گھر کے دوسرے حصے کی جانب جا رہی تھی۔جب سیڑھیوں کے پاس اندھیرے میں کسی نے کلائی پکڑ کر روک لیا۔
وہ چہرہ دیکھے بغیر لمس سے ہی جان گئی تھی۔ڈرتے ہوئے اپنے گرد نظر ڈالی کوئی دیکھ لے تو کیا کہے گا۔
اُسی وقت سارے گھر کی بجلی بند ہوگئی۔گھپ اندھیرا چھا گیا۔
وہ اُسکی کمر میں ہاتھ ڈال کر اُسکے قریب آیا۔اور کان میں سرگوشی کی۔۔۔
''میں نے سُپریم کورٹ میں اپنا کیس لڑا ہے۔اور جیت بھی گیا ہوں۔اسلیے اب مجھے عوام کیا کہے گی جیسے

فضول سوال نہ دینا۔ میرے ساتھ اوپر میرے کمرے میں چلو"

تاشفہ بول نہ سکی۔۔۔مگر زور زور سے نفی میں گردن ہلائی۔

"تاشی پلیز۔۔۔میں یہاں کھڑے ہو کر بات نہیں کر سکتا۔ نیند سے آنکھیں بند ہو رہی ہیں۔"

اُس نے اپنا سر تاشفہ کے کندھے پہ رکھا۔۔۔

اُس نے دھیمے سے اثبات میں گردن ہلا دی۔ جانتی تھی وہ تھکا ہوا ہے۔ اور اگر کوئی بات کرنا چاہتا ہے۔ کئے بغیر رہے گا بھی نہیں۔

اُسکا ہاتھ پکڑ کر کمرے تک لایا۔

اپنے پیچھے دروازہ بند کر کے جیب سے فون نکال کر ایک نمبر ری ڈائل کیا۔

منیر نے فوراً ہی اُٹھا لیا۔

"جی سر۔۔۔"

"یار ہم آفس سے باہر ہیں۔ اب تو جی سر کی راگنی بند کر دئے۔"

"سر بجلی اور کتنی دیر بند رکھنی ہے۔"

"وہی کہنے لگا تھا۔ چلا دو۔"

تاشفہ اُسکے کمرے کا جائزہ لے رہی تھی۔ اتنے سالوں سے وہ اس گھر میں نوکری کر رہی تھی۔ مگر آج تک اُس نے گھر کے اس کمرے میں پیر نہیں رکھا تھا۔

"آپ نے بجلی بند کروائی تھی؟۔۔۔"

جواب میں اُس نے معصومیت سے ہاں میں گردن ہلائی۔ اُسی وقت لائٹ آ گئی۔ اے سی چل پڑا۔۔۔ لائٹ مدھم تھی۔

وہ چلتا ہوا کمرے کے وسط میں آیا جہاں وہ نروس سی کھڑی تھی۔

"آج کالے جوڑے میں تم بہت پیاری لگ رہی تھیں۔"

"ہاں اسی لیے آپ نے ایک دفعہ بھی نظر اُٹھا کر مجھے نہیں دیکھا۔"

"آہ۔۔۔ پیاسا دریا کے کنارے پر کھڑا ہو۔اور خود کو سیراب نہ کر سکے کیا تم اُسکی بے بسی کا اندازہ لگا سکتی ہو؟۔۔۔میں نے اندرونی جنگ لڑ کر تم سے اپنی نظر ہٹائی تھی۔"

وہ اُسکی آنکھوں میں دیکھنے سے گُریز کر رہی تھی۔

"مجھے یہاں نہیں آنا چاہیے تھا۔آپکی امی کو بُرا لگے گا۔"

"امی سے میں بات کر چکا ہوں۔آج کے بعد وہ کبھی تمہیں غلط نہیں کہیں گی۔"

"دوسرے لوگ کیا کہیں گے۔"

"کیا دوسرے لوگ تمہارے لیے اہم ہیں؟۔۔۔ ہمارے بڑوں نے ہمارا نکاح کیا تھا۔اگر اس میں بھی کوئی جاہل اپنی انٹرٹینمنٹ کا پہلو نکالتا ہے۔تو یہ اُنکا مسئلہ ہے۔نہ کہ تمہارا اور میرا۔۔۔"

"آپ نے اتنے دنوں میں ایک دفعہ بھی مجھے اپنی خیریت سے آگاہ نہیں کیا۔"

"میں بہت بزی رہا ہوں۔"

"میں جانتی ہوں۔پر ڈر گئی تھی۔مجھے لگا شائد۔۔۔"

"شائد جس سچ نے اتنے سال تمہیں بے سکون رکھا وہ آج میرے سامنے آیا ہے۔تو میں بدل جاؤں گا؟۔۔۔"فربو نے اُسکا جملہ پورا کرتے ہوئے اُسکی نظروں میں دیکھا۔جہاں نمی چمک رہی تھی۔اُس نے اپنے دونوں ہاتھ اُسکی کمر پر باندھ کر اُسکو خود سے قریب کیا۔

دونوں کے درمیان خاموشی بولتی رہی۔تاشفہ کانپتے ہاتھوں سے اُسکی قمیض کے بٹن چھو رہی تھی۔لب کپکپا رہے تھے۔

"کیا اب بھی ڈر لگ رہا ہے؟۔۔۔"

تاشفہ نے سر اُٹھا کر دیکھے بغیر سر نفی میں ہلا دیا۔

"کیا واقعی آپکو مجھ سے اتنی محبت ہے؟۔۔۔"

"میری طرف دیکھ کر بات کرو۔پھر جواب دونگا۔"

اُس نے پلکیں اُٹھائیں گہری براؤن آنکھیں خطرناک حد تک سنجیدہ تھی۔وہ زیادہ دیر اُن میں دیکھ نہ پائی

اپنی نگاہ ایک دفعہ پھر ہٹا کر اُسکی داڑھی پہ ٹکا لی۔

''داڑھی آپکو سوٹ کر رہی ہے۔''

''شکریہ۔۔۔اگر ہاتھ لگا کر دیکھنا چاہ رہی ہو تو دیکھ سکتی ہو۔یہ چبھتی بالکل نہیں ہے۔''

تاشفہ کو بالکل حیرت نہیں ہوئی وہ کیسے اُسکی سوچ پڑھ لیتا ہے۔

اُس نے اپنا ہاتھ اُٹھا کر فربود کی داڑھی کو محسوس کیا۔

''اپنے سوال کا جواب چاہیے یا مل گیا؟۔۔۔''

''مل تو گیا ہے۔مگر پھر بھی میں سُننا چاہتی ہوں۔''

''آئی لو یو انکنڈیشنلی۔۔۔"

تاشفہ کے گال پر آنسو پھسل گیا۔

''یو آر مائے اڈیکشن۔۔۔کہتے ہیں جتنی چھوٹی عمر میں کوئی نشے کا عادی ہو جائے پھر وہ ساری عمر اُس نشے سے جان نہیں چُھڑوا سکتا۔اور میں تو اس نشے سے نکلنا چاہتا بھی نہیں ہوں۔''

''اگر میرے ابو رشتہ دینے سے انکار کر دیتے تو؟۔۔۔''

''ایسا ناممکن تھا۔اگر اللہ نے تمہیں میرے دل کا مکین بنایا تھا۔تو انہوں نے گھر کا مکین بنانے کے لیے بھی کوئی نہ کوئی راہ نکال دینی تھی۔میں بد نیت انسان نہیں ہوں۔نہ ہی دوسروں کی عزت پر بُری نظر ڈالنے والا ہوں۔پھر میری راہ سیدھی کیوں نہ ہوتی؟۔۔۔اگر تم میری نہیں تھیں۔میرے دل میں تمہارا خیال بھی نہیں آنا تھا۔''

''اتنا پکا یقین ہے؟۔۔۔''

''ہاں یقین اور ایمان ہی تو ایک انسان کا سب سے بڑا ہتھیار ہوتا ہے۔''

''آپ کو نیند آ رہی تھی۔اب سو جائیں دن نکل جانا ہے۔میں نماز پڑھ لوں۔''

''یہاں سے ہلنے کو میرا دل نہیں کر رہا۔''

تاشفہ نے مُسکراتے ہوئے اُسکے گلے کی ہڈی کو پہلے ہاتھ سے چھوا پھر لبوں سے۔۔۔فربود کے چہرے پر

بڑی ریلیکس مسکراہٹ تھی۔

"تم میرے پاس بیٹھو میں سو جاؤں گا تو چلی جانا۔"

وہ اپنے بستر میں لیٹ گیا۔ اُس نے آنکھیں موندی ہوئی تھیں۔ جب وہ آکر اُسکے پہلو میں بیٹھی۔ فربود نے اُسکا ہاتھ پکڑ کر اپنی آنکھوں پہ رکھا۔

اُسکے پُرکشش نقوش کو دیکھتے ہوئے بار بار تاشفہ کی آنکھوں کے سامنے دھندلاہٹ آجاتی۔ جسے وہ اُسی خاموشی سے اپنے پلو میں جذب کرتی جاتی۔

آگے کو جھک کر فربود کی کشادہ پیشانی پہ بوسہ لیا۔

فربود نے ایک دفعہ پہلے کا پڑھا شعر پھر سے دُہرایا۔

سُرخی اودھے بُلاں دی۔۔۔

ایسی تیسی پھلاں دی۔۔۔

تاشفہ کھل کر ہنسی۔۔۔

مگر وہ یونہی آنکھیں بند کیے رہا۔۔۔ دو منٹ بعد کمرے میں فربود کے ہلکے ہلکے خراٹے گونج رہے تھے۔

بڑی آہستگی سے اُس نے اپنا ہاتھ ہٹایا۔ اور اپنے پیچھے کمرے کا دروازہ بند کرتے ہوئے باہر نکلی ہی تھی۔

جب سامنے کھڑے افراد پر نظر پڑتے ہی زمین نے قدم جکڑ لیے۔

شمیم اور نوازش علی اُسکو دیکھ کر چارپائی سے کھڑے ہو گئے۔

تاشفہ کے چہرے پر خوف و ہراس دیکھ کر شمیم کو بڑی شرم آئی۔

نیم تاریکی میں کھڑی وہ لڑکی شمیم کا اپنا خون تھی۔ مگر آج پہلی دفعہ وہ اُسکو غور سے دیکھ رہی تھیں۔ اور افسوس بھی ہوا۔ آج سے پہلے اپنی بیوقوفی اور جہالت کی عینک سے وہ اس معصوم چہرے کو پہچان ہی نہ پائی تھیں۔ آج دیکھا تو اُس میں اپنا مرحوم بھائی نظر آیا۔ آنکھیں بھر آئیں۔

اُنہوں نے بانہیں کھول دیں۔ تاشفہ بُت بن گئی۔ پلکیں تک ساکت تھیں۔ شمیم نے بانہیں کھولیں تو تھوڑی جھجک کے بعد آکر اُنکے سینے سے لگ گئی۔

دونوں پھوپھی بھتیجی رو رہی تھیں۔

نوازش نے تاشفہ کو اپنے ساتھ لگا کر سر پہ ہاتھ رکھا۔

''بس کرو تم دونوں کی آواز سُن کر اندر فربود بے آرام ہوگا۔ میں ہال کا بندوبست کرنے جارہا ہوں۔ فربود اور تاشفہ کا نکاح سب سے پہلے ہوا تھا۔ انکی رُخصتی بھی اُن سے پہلے ہوگی۔''

وہ شمیم کو ہدایت دیتے بولے۔۔۔''تم تاشفہ کو ساتھ لے جاؤ اور جا کر خالدہ بھابھی کو منا کر لاؤ۔ واپسی پہ ان دونوں کی ضروری شاپنگ بھی کر لینا۔''

شمیم نے تاشفہ کے چہرے پر بوسہ دیا اور آنسوؤں کے درمیان مسکرادیں۔

اُس دن فربود کو ڈیڑھ بجے کے قریب زبردستی نیند سے بیدار کرنے والے واسع اور منیر تھے۔

اُسی شام لاہور میں اپنے ماموں کے گھر پہ موجود مریم نے اپنے نئے فون پہ ایک ای میل وصول کی تھی۔

جس میں دولہا دُلہن کی تصویر کے ساتھ لکھا تھا۔

مسٹر اینڈ مسز تاشفہ فربود۔۔۔''

مریم نے بے اختیار وہ تصویر چوم لی تھی۔ اور اُسی وقت اُسکا پرنٹ آؤٹ نکلوا کر اپنے پاس محفوظ کر لیا۔

☆......☆......☆

''اسلام وعلیکم۔۔۔ میں تمام حاظرینِ محفل کو دل کی گہرائیوں سے خوش آمدید کہتی ہوں۔ آج یہاں پر میری فیملی کے لوگ موجود ہیں۔ پچھلے دو سال سے ہمارے اس سفر میں ہمارا ساتھ دینے والے دوست احباب موجود ہیں۔ اور وہ تمام لوگ جنہوں نے کسی نہ کسی طرح اس پراجیکٹ جس کو میں ایک خواب کا نام ہی دیتی ہوں۔ اس خواب کو حقیقت بنانے میں ہمارا ساتھ دیا۔''

''میں آپکا زیادہ وقت نہیں لوں گی۔ بس آپ سب کا ذاتی طور پر شکریہ ادا کرنا چاہتی ہوں۔ کہتے ہیں چیرٹی سب سے پہلے اپنے گھر سے شروع ہوتی ہے۔ میں اس معاملے میں انتہائی خوش قسمت ہوں۔ اللہ نے مجھے ایسی فیملی سے نوازا ہوا ہے۔ جو ایسے کاموں میں ایک دوسرے پہ سبقت لے جانے کی کوشش میں رہتے ہیں۔''

''میں نے اپنی اس خواہش کا اظہار سب سے پہلے اپنی دوست اپنی سابقہ باس اور حالیہ دادی ساس

چوہدرانی جی سے کیا۔ اُنہوں نے اُسی وقت مجھے ایک کروڑ کی ڈونیشن دیکر کہا یہ لو سرمایہ اور اللہ کا نام لیکر کام شروع کرو۔ میری تو سمجھ میں ہی نہیں آیا۔ فوراً جا کر اپنے شوہر سے بات کی یہ یہ ہوا ہے۔ اب کیا کروں۔ اُنہوں نے کہا کرنا کیا ہے۔ کام کرو۔ جیسے جیسے یہ خبر پھیلی مجھے امداد ملنا شروع ہوگئی۔ میرے ابو جی نوازش علی کی جانب سے مجھے یہ زمین الاٹ ہوئی جہاں پر آج یہ شاندار عمارت کھڑی ہے۔ جس عمارت کی افتتاحی تقریب میں آپ سب شریک ہیں۔ یہاں اگر ڈاکٹر ایمن صالحہ 'مریم' ارسلان 'اور مُراد بھائی کی ساری فیملی کو مینشن نہ کیا جائے تو بہت بڑی ناانصافی ہوگی۔ میں آپ سب کی مشکور ہوں۔ آپ کے جذبے اور جنون کے سامنے شکریہ بڑا ہی حقیر لفظ ہے۔ مگر پھر بھی آپ سب کا بہت بہت شکریہ۔۔۔

''اس کے ساتھ ہی میری ماؤں کی احسان مند ہوں۔ پراجیکٹ آدھا مکمل ہوا تھا۔ جن دنوں اللہ نے مجھے ماں بننے کی خوش خبری دی۔ ہم سب ہی بہت خوش تھے۔ میرے دل میں پریشانی بھی آئی اب اس کام کا کیا ہوگا۔ کہیں رفتار سُست نہ پڑ جائے۔ اگر شوہر نے کام چھوڑ کر گھر بیٹھ جانے کا حکم دے دیا تو کیا کرونگی؟۔۔۔ کیا ایک دم سے سب چھوڑ دونگی۔''

''پر میرے تمام خدشے خدشے ہی رہے۔ دونوں ماؤں نے مجھے ایک دن بھی گھر سے باہر نہیں نکلنے دیا۔ پر سارے کام بھی ہوتے گئے۔ حرا باجی اور واسع بھائی نے مکمل طور پر چارج سنبھال لیا۔ سیماب آپا میری چڑچڑی طبیعت سہتی رہی ہیں۔ خیر یہ فیملی ساگا بہت طویل ہے۔

جب ایک سال سوا سال کی بچی نے سٹیج پہ چڑھ کر بھاگنا شروع کیا تو سارے ہال میں قہقہہ دوڑ گیا۔

وہ بھاگ کر بچی تک گئی اور اُسکو گود میں اُٹھالیا۔

جو مچل مچل کر سٹیج کے نیچے کھڑے تھری پیس سوٹ میں ملبوس شخص کی جانب لپک رہی تھی۔ جسکی گود میں سے نکل کر وہ سٹیج پر آئی تھی۔ وہ بچی اُسی شخص کی کاربن کاپی تھی۔ اُسی جیسا ناک اُسی کے جیسے ہونٹ۔۔۔

مجبوراً اُس کی ماں کو بچی اُسکے باپ کے حوالے کرنی پڑی۔ جیسے ہی وہ گول مٹول سی باربی ڈول باپ کی گود میں اُتری خوشی سے تالیاں بجانے لگی۔۔۔۔ بابابابا۔۔۔

جواب میں اُس نے بیٹی کے گال پر پیار دیا اور سٹیج سے دور ہٹ گیا۔

وہ واپس مائیک کے پاس آئی۔آواز جذبات کے سیلاب کے پیچھے کھو گئی تھی۔گلا کھنکارتے ہوئے بولی۔۔

''یہ ابھی آپ نے میری پرسنل زندگی کی ایک جھلک دیکھ لی ہے۔اندازہ ہو گیا ہو گا۔میرے دن رات کیسے گزرتے ہیں۔یہ باپ بیٹی ایک دوسرے کے دیوانے ہیں۔اور میں ان دونوں کی دیوانی ہوں۔''

''بیک ٹو دا ٹاپک۔۔۔سب سے آخر میں اُس ہستی کو شکریہ کہنا چاہتی ہوں۔جس نے مجھے سب کچھ دیا ہے۔اعتماد' اعتبار' محبت' مان۔۔۔اُس نے کہیں کوئی کمی چھوڑی ہی نہیں ہے۔''

''ایک دفعہ میں نے ایک فلم دیکھی تھی۔بلکہ میں نے اور وڈی اماں نے اکٹھے بیٹھ کر دیکھی تھی۔''

وہ وڈی اماں کی جانب دیکھ کر دلکشی سے ہنسی۔۔۔

''کیا کریں جب یاری اپنے سے بڑی عمر کے فرد سے ہو جائے۔یاری تو یاری ہی ہے۔تو میں وہ فلم دیکھتے ہوئے بڑا روئی تھی۔وین آمین لو آ وومن۔۔۔آخر پہ اماں وڈی سے یہ سوال بھی پوچھا ایسے آدمی کہاں پائے جاتے ہیں۔بیوی نشے کی عادی ہو گئی۔دو اُنکی چھوٹی بیٹیاں ہوتی ہیں۔ماں واش روم کے فرش پر گری ہوتی ہے۔۔۔نہیں پتا مر گئی ہے۔یا زندہ ہے۔ایک انتہائی جذباتی ڈرامہ ہے۔بیوی اتنی نیچے گر جاتی ہے۔اور وہ مرد پھر بھی اُسکا ساتھ نہیں چھوڑتا۔وہ دونوں لڑتے ہیں۔ایک دوسرے کو بُرا بھلا کہتے ہیں۔اگر وہ آدمی چاہتا تو اُسکو چھوڑ کر آگے بڑھ جاتا۔بچیوں کی زندگی سے اُس عورت کو نکال دیتا۔مگر نہیں اُس نے آخر تک اُمید نہیں چھوڑی بڑی تکلیفیں آئیں پر وہ ڈٹا رہا۔اور ایک دن علاج کے بعد بیوی ٹھیک ہو گئی۔''

''میرے قریبی احباب بھی جانتے ہیں۔ماضی کی تاشفہ مر کر بھی نہیں سوچ سکتی تھی۔وہ اتنے سارے لوگوں کے سامنے یوں کھڑی بول رہی ہو گی۔میں پسِ منظر میں رہنے کی عادی تھی۔ہجوم دیکھ کر ہی ٹانگیں کانپنے لگتی تھیں۔پر اللہ کا جتنا شکر ادا کروں کم ہے۔

جو فلم دیکھ کر میں روئی تھی۔وہ تو ہالی وُڈ کی فیکشن کہانی تھی۔اللہ نے مجھے اصل زندگی میں ایسے ساتھی سے نواز دیا جس کے ساتھ نے مجھے سرتاپا بدل دیا ہے۔بہت شکریہ فریبو نوازش آپ میری زندگی میں آئے۔مجھے اتنی پیاری بیٹی دی۔میں آپ دونوں کے بغیر زندگی کا تصور بھی نہیں کر سکتی ہوں۔اللہ پاک آپکو میری عمر بھی لگا دیں۔تھینک یو سو مچ۔۔۔''

جب دونوں کی نظر ملی تو فربود نے دور سے ہی اُسکو آنکھ ماردی۔۔۔

''فربود بھائی شرم کریں اپنی ہی بیوی کو پبلک میں آنکھیں مار رہے ہیں۔''

فربود ہنستے ہوئے مریم کی طرف مُڑا۔

تم بھی شرم کرو۔ پبلیکلی بیٹھ کر ہماری پرایوسی میں جھانک رہی ہو۔''

مریم نے قہقہہ مارا۔۔۔

''یعنی اُلٹا چور کوتوال کو ڈانٹے۔۔۔''

تین ایکڑ پر بے گھر بچوں کے لیے شیلٹر ہوم بنایا گیا تھا۔ جس میں پانچ سو بچے رہ رہے ہیں۔ یہ ایک چھوٹی سی ابتدائی کاوش تھی۔ جس میں آنے والے وقت کے ساتھ اضافہ ہی ہونا تھا۔

اِک لفظِ محبت کا اتنا یہ فسانہ ہے

سمٹے تو دلِ عاشق پھیلے تو زمانہ ہے۔۔۔

